علی اصغر حکمت

سیّد عارف نوشاہی

جامی

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

رضا پبلی کیشنز۔ لاہور

به مناسبت پانصد و هشتاد و ششمین سال تولد

شعبان المعظم ۸۱۷ — شعبان المعظم ۱۴۰۳، هجری قمری

تقدیم می شود

فارسی سے اردو ترجمہ

جامی

خاتم الشعراء نور الدین عبد الرحمن جامی

(۸۱۷-۸۹۸ھ / ۱۴۱۴-۱۴۹۲ء)

کے احوال و آثار پر جامع تحقیقات

تألیف:

علی اصغر حکمت

(۱۳۱۰ - ۱۴۰۰ھ)

ترجمہ و تحشیہ و تکملہ

سید عارف نوشاہی

رضا پبلی کیشنز - لاہور

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

متن (فارسی) : جامی۔ متضمن تحقیقات در تاریخ احوال و آثار منظوم و منثور
خاتم الشعراء نورالدین عبدالرحمٰن جامی ۸۱۷-۸۹۸ ہجری قمری

مؤلف : علی اصغر حکمت

طابع : چاپخانۂ بانک ملی ایران تہران ۱۳۲۰ شمسی

ترجمہ (اردو) : جامی۔ خاتم الشعراء نورالدین عبدالرحمٰن جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ/
۱۴۱۴-۱۴۹۲ء کے احوال و آثار پر جامع تحقیقات

مترجم : سید عارف نوشاہی (رضاء اللہ شاہ)
۲۴ اپریل ۱۹۸۰ء تا ۲۴ مئی ۱۹۸۰ء (ترجمہ نویسی)
۱۰ اپریل ۱۹۸۱ء تا جولائی ۱۹۸۱ء (حاشیہ و تکملہ نویسی)

کاتب : مولانا عبدالعزیز۔ راولپنڈی

کاپی پیسٹنگ : عبدالحفیظ ایم۔ اے

تقطیع : ۲۲×۳۶/۱۶ باراول صفحات : ۵۱۲

قیمت : ۴۵ روپے

طابع : مطبعۃ المکتبۃ العلمیہ۔ لاہور

ناشرین + میاں محمد زبیر احمد ضیائی ــــ رضا پبلی کیشنز، مین بازار
داتا صاحب۔ لاہور
+ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔ اسلام آباد۔

تاریخ طبع و نشر : شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ/ مئی ۱۹۸۳ء

یہ تصویر "مرقع گلشن" مکتوبہ ذیقعدہ ۱۰۱۸ھ مخزونہ کتابخانۂ سلطنتی قصر گلستان تہران نمبر ۱۶۶۳-۱۶۶۴ سے لی گئی ہے۔ یہ مرقع جہانگیر بادشاہ (۱۰۱۴-۳۷ھ) کے دربار سے متعلق ہے، اور اس کے قطعہ ۱۴۰ پر زیر نظر تصویر موجود ہے، صاحب تصویر کے ہاتھ میں جو کاغذ ہے اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

"اللہ اکبر شبیہہ مولانا عبدالرحمٰن جامی"۔

اور سامنے کھلی کتاب کے ورق پر مصوّر نے اپنا دستخط یوں کیا ہے:

"عامل کمترین خانہ زادان دولت جہانگیر شاہی از عمل استاد بہزاد نقل نمود"۔

واضح ہو کہ استاد کمال الدین بہزاد ۸۹۸ھ (جامی کا سالِ وفات) میں ہرات میں تھا اور عین ممکن ہے کہ سلطان حسین بایقرا نے بہزاد کو اپنے ممدوح (جامی) کی تصویر بنانے کے لئے کہا ہو، لہٰذا اس تصویر کو جامی کی حقیقی شکل وصورت اور وضع وقطع کے قریب تر سمجھنا چاہیئے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: "جامی" (فارسی) از حکمت، صفحہ ۹۹-۱۰۰

محترمہ یدا اے گدار کا مقالہ مشمولہ "آثارِ ایران"

Yeda A. Godard : Athar-e-Iran Tom/I, Fas/I, 1936

بدری اتابادی: فہرست مرقعات کتابخانۂ سلطنتی ص ۳۵۹، تہران ۱۳۵۳ش۔

انتشارات

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

شمارۀ ٦٦

باشتراک

رضا پبلی کیشنز لاہور

سخنِ مدیر

عبدالرحمٰن جامی کا شمار نویں صدی ہجری کے فارسی کے مشہور و معروف شعراء اور دانشوروں
میں ہوتا ہے انہوں نے کئی دیوان اور مثنویاں تصنیف کی ہیں۔ علوم اسلامی کے گوناگوں شعبوں،
تفسیر، حدیث، سوانح، عقاید، فقہ، صوفیہ کے شرح احوال و آثار، نظری عرفان، سیرو
سلوک، اخلاقیات، سیاست مدن، داستان نویسی، معما، صرف و نحو، قافیہ، عروض
اور موسیقی وغیرہ کے بارے میں بہت سی کتابیں تحریر کی ہیں۔ اگرچہ ان کے اشعار اور تحریروں
میں جدت و تازگی کا عنصر بہت کم ہے لیکن بلاشبہ انہوں نے اسلاف کے نظریات و اقوال
کی توضیح و تشریح اور استادانِ فن کے اتباع و پیروی میں بہت محنت کی ہے۔ اس حقیقت
کے پیش نظر ان کی تصنیفات قابل توجہ اور پُراہمیت ہیں۔ اسی لئے ان کی کتابیں اسلامی
دُنیا کے مختلف حصوں میں مقبول رہی ہیں اور آج بھی ان کے متعدد قلمی نسخے اور گوناگوں
ایڈیشن دستیاب ہیں۔ اسی طرح ان کی زندگی اور تصنیفات کے بارے دُنیا کی مختلف زبانوں،
فارسی، عربی، ترکی چغتائی، اُردو، پشتو، انگریزی اور فرانسیسی وغیرہ میں بہت سی
کتابیں اور مقالات سپردِ قلم کئے گئے ہیں، ان کی بعض کتابوں کا اصلی زبان سے دوسری
زبانوں میں ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔

جامی کے اسلامی ثقافت، ایرانی اور پاکستانی تہذیب و تمدن پر حق کے پیش نظر، مرکز تحقیقات

فارسی ایران وپاکستان نے چند سال پہلے جامی کی ایک گرانقدر کتاب "لوائح" کا متن، انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا۔ اب ایک نسبتاً مفصّل کتاب جسے مرکز کے ایک فاضل اور محقّق دوست نے جامی کے شرح احوال و آثار کے نام سے اُردو میں ترجمہ اور تالیف کیا ہے، رضا بیلی کیشنز، لاہور کے تعاون سے شائع کی جا رہی ہے تاکہ علم و ادب اور معرفت کی ایک اہم شخصیت کو بہتر طور پر سمجھنے کے ساتھ ساتھ باہمی اختلافات کو ختم کرنے اور مُسلمان بھائیوں کے درمیان افہام و تفہیم کو فروغ دینے کے لئے یہ ممد و معاون ثابت ہو۔ کیونکہ جامی کی زندگی اور تصنیفات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے مذہب، فرقہ اور مسلک سے تعصّب کی حد تک عقیدت اور تعلق خاطر کے باوجود، اہلِ شیعہ کے ائمۂ کرام کا اکثر ایسے الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں اور ان کی مدحت و منقبت میں یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں کہ جو بھی ان کی تحریریں اور اشعار پڑھے اور اسے اہلِ سُنّت کے اکابرین اور پیشواؤں کے بارے میں جامی کے خیالات و عقائد کا علم نہ ہو تو وہ یقین کرے گا کہ آپ ایک خالص اور نسلی شیعہ تھے۔ اگرچہ بدقسمتی سے اس طرح کا انصاف اور وسعتِ قلب ان کے کچھ اشعار، اقوال اور کتابوں میں نہیں ملتا اور ان کا رویہ بجائے اس کے کہ بعض اشخاص اور اسلامی فرقوں کے ساتھ ہمدردانہ اور ناصحانہ ہو اور اس میں ایک عارف کی سی بلند نظری پائی جاتی ہو، وہ دشمنی آمیز اور پرخشونت ہے۔[1]

---

[1] ابنِ سینا جیسے فلاسفروں، اہلِ شیعہ اور حضرت علی علیہ السّلام کے والد بزرگوار حضرت ابو طالب جیسی شیعہ فرقہ کی مقدّس ہستیوں کے بارے میں جامی کی آراء یا قاسم انوار کے حروفیہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے پیرو کاروں کے متعلق اُن کے خیالات ملاحظہ ہوں، جو اُن احکام اور فتووں کی یاد دلاتے ہیں جو امیر تیمور اور دوسرے جابر حکام کے درباروں سے وابستہ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

اس کے باوجود عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ اسلاف کی سوانح اور تالیفات سے جو باتیں اتحاد، ایک جہتی اور اسلامی برادری کے اصولوں سے مطابقت رکھتی ہیں انہیں اپنا کر ان سے راہنمائی حاصل کی جائے، اور جو چیزیں ان اصولوں کی نفی کرتی ہیں اگر ان کو موضوع بحث بنایا جائے تو اس لئے نہیں کہ آج کی زندگی یا مستقبل کے رویوں میں ان کو بنیاد بنایا جائے اور نہ ہی اس لئے کہ اسے کینہ پرور انداز میں پیش کر کے اسلاف میں سے بعض کو یا آج اُن کے اخلاف کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جائے یا دوسروں کو ان کے ساتھ دشمنی پر اکسا کر کدورتوں اور اختلافات کی خلیج کو وسیع تر کیا جائے بلکہ نیت یہ ہونی چاہیئے کہ اس طرح کی کشمکش سے اُمتِ مسلمہ پر مترتب ہونے والے ناپسندیدہ اثرات اور ان کے نتائج کا احساس پیدا کریں اور لوگوں کو ان سے آگاہ کریں اور اپنے اسلاف کی غلطیوں اور خطاؤں سے اجتناب کر کے اسلامی یک جہتی کے عناصر کو مضبوط بنائیں۔ چنانچہ اگر اس کتاب میں کسی جگہ سُنّی اور شیعہ کے درمیان آویزش کا ذکر آیا ہے تو یہ اس لئے نہیں کہ موجودہ دَور میں ان زہریلے گیتوں کو پھر الاپا جائے یا کسی ایک گروہ کی تائید و حمایت

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) قاضی اور مفتی، حروفیوں کو کافر گرداننے کے لئے صادر کرتے اور اس طرح جھوٹے اور بے بنیاد الزامات لگا کر اس فرقہ کے پیروکاروں، جنہوں نے حکام کے جبر و استبداد اور ظلم و ستم کے خلاف ایک عظیم تحریک چلا رکھی تھی، کے قتلِ عام کی راہ ہموار کرتے تھے۔ بدقسمتی سے اس قسم کی الزام تراشیوں کے طوفان نے تمام کو اس طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ان کا اتنا رواج ہو گیا کہ اس موجودہ کتاب میں بھی اس کا اثر پایا جاتا ہے۔ مثلاً جیسا کہ صفحہ ۸۷ پر ان الفاظ میں دیکھتے ہیں "ملعونہ" حروفیہ" جس نے اس قدر افراط و تفریط سے کام لیا کہ کفر و الحاد کی حد تک پہنچ گئے اور اس کے بعد نور بخشیہ کے بارے میں بھی اسی طرح کی سطحی رائے وغیرہ وغیرہ۔

کر کے دوسرے کو کمزور بنایا جائے بلکہ مقصد اس تلخ حقیقت کا جاننا ہے کہ جب بھی اس طرح کی آگ بھڑک اٹھتی ہے تو کس طرح سب کے دامنوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور غیر معمولی ذہین اور قابل لوگوں کو انسانی اور اسلامی تہذیب و تمدن کی ترقی میں کام لانے کی بجائے ایک دوسرے پر اعتراض اور دشنام تراشی کی نذر کر دیتی ہے حتیٰ کہ جامی جیسی شخصیت کو بھی اس معرکہ میں جھونک دیتی ہے جسے ہم "جنگ دو برادر بہ سود بیگانہ" (اغیار کے مفاد میں دو بھائیوں کی جنگ) کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دے سکتے۔

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ یہ کتاب اسلاف کی تاریخ اور تمدن پر تحقیق کرنے والے حضرات کی خدمت میں پیش کرے۔ امید واثق ہے کہ آیندہ بھی جامی اور دوسرے مسلمان دانشوروں کی مفید تصنیفات کی اشاعت اور اُن سے مثبت انداز میں استفادہ کے لئے بڑے بڑے اقدامات کئے جائیں گے۔

اس وقت کوشش جاری ہے کہ جامی کی ایک دوسری اہم تالیف "شواہد النبوۃ" جو سیرت النبی اور مناقب پیغمبر (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور شیعہ و سنی مذاہب کے ائمہ کرام کے حالات کے بارے میں ہے، کو متعدد قلمی نسخوں سے تقابل اور تصحیح کر کے، مقدمہ، حواشی اور دوسرے ضروری ضمیموں کے ساتھ شائع کیا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس نوعیت کی اشاعتیں مسلمان بھائیوں کو ایک دوسرے کے نزدیک تر لانے اور آپس کی بدگمانیوں کو دُور کرنے میں ایک بنیادی کردار ادا کریں گی۔ و من اللہ التوفیق۔

مدیر
مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان

فہرستِ مضامین

دوسرا باب۔ جامی کے حالاتِ زندگی

تکملۂ آثارِ جامی

فہرست عکسیات

تقریظ

بسم الله الرحمن الرحیم

پس از روزگاری توفیق میسر شد تا بار دیگر
کشور پاکستان و پرورشگاهٔ پاکان را زیارت نمودم
و خیمه‌گاهٔ مهاجران آوارهٔ وطنم را دیدم
دوستان دیرین که با ادب دری دلبستگی
دارند و با تاریخ و فرهنگ کشور من پیوند ناگسستنی.
مرا بدیدار خورشید دگر رسانیدند
با ادیب جوان و محقق ارجمند سید عارف
نوشاهی قادری در راولپندی اتفاق صحبت افتاد
وی روزگار عمر را بسیرهٔ متتبعان حقیقت نگر
ژرف بین در تحقیق و تدقیق صرف نموده و

دورین راه رنجها برده در طول سفرهای دیگرش
کابل و هرات رفته تا در مورد دو تن از خفتگان
آن خجسته خاک تتبع و تحقیقش را بپایهٔ تکمیل رساند
یکی افتخار عرفای سخن سرا مولینا نورالدین
عبدالرحمن جامی مدفون خیابان هرات و دیگر
فضیل وَجی معتبر روستای بینی حصار کابل
که آن یکی آوازهٔ فضل و صریر قلمش در
خاور و باختر گیتی ولوله انگیخته و پایهٔ فضل
فضیل وَجی را جز همشهریانش نیک نشناخته اند
بطور تحقیق عارف نوشاهی در مورد مولینا
رسالهٔ جامی تألیف وزیر دانشمند شیرازی
مرحوم علی اصغر حکمت است که چند سال
پیشتر که چشم از کتاب سیاه و سفید زندگی دوخته است

حکمت دانشمندی بود خداشناس و محقق ارجمند
و سخنوری والا . هشت نه سال پیش او را در طهران
زیارت کردم و این دیدار آخرین ما بود . استاد بزرگوار
جناب مدرس رضوی مرا به منزل حکمت رهنمونی کرد
پیرمرد روشن‌ضمیر را بر کرسی نشسته دیده بودند
بار گران زندگی چهرهٔ کرمش را شکسته بود گوشش
از شنوایی باز مانده و نگاهش درست نمی دید . زبانش را یارای
گویایی نبود . دستش می لرزید . پس از نیم ساعت سعی و معرفی من
از شنیدن نام کشور افغانستان بجوش آمد از نام کابل و غزنه ،
قندهار و هرات گذشته باز گشت . غزنه و حدیقهٔ سنائی
گازرگاه و خواجهٔ الهی الهی‌گوی انصاری آرامگاه جامی
با آن درخت پسته و ارغوان در نظرش مجسم گردید .
از فیض آن رابطه نیروی معنوی خود را باز یافت مرا شناخت
و آهسته آهسته از روزگار رفته یاد نمود .

دانه های لرزان و لغزان اشک بر مژگانش پدید آمد
راست نشست و با انگشتان رعشه دار این رباعی را
در دفترچه یادداشتم ثبت نمود :

دل خون کند و چهره زریری پیری
در هم شکند دولت شیری پیری
گفتم که بتر کدام پیری یا مرگ ؟
پیر خردم گفت که پیری پیری

خانم محترمش گفت :
پیرمرد پس از هفت ماه دست بقلم برد (شاید بار آخر بود)
و هم چنانکه مرحوم حکمت در تألیف کتاب نفیس خود جامی و در تدوین
تفسیر مبارک کشف الاسرار . شخصاً برجال و کتبخانه های افغانستان
مکرراً مراجعه کرده و دانشمند حقیقت پژوه عارف نوشاهی نیز
شهر بشهر گردیده و بکتابخانه های عمومی و شخصی مراجعه کرده است
ازین جاست که عارف نوشاهی بسا نکات را در اخبار و
آثار جامی روشن نموده که بر ما پوشیده بود .

شک نیست که برگردانیدن کتاب مرحوم حکمت بزبان اردو امریست
بسیار مفید و ضروری.

اما تعلیقات و ایزادات و حواشی و تحقیقات نوین عارف
نوشاهی و پژوهشهای عالمانه اش مقام خاص و موقف ممتاز
و بس ارزنده دارد

امید دارم روزی فرا رسد که این ایزادات بفارسی
ترجمه شود و کسانیکه بپایهٔ والای عرفانی، علمی، ادبی، لغوی
رجالی، فلسفی این بزرگمرد عارف شاعر داستان نگار
موسیقی شناس معما نویس اعنی افتخار العصر و الزمان
مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی علاقه دارند ازان مستفید
گردند.

از پیوستگیهای جامی با علمای مسلمان نیم قاره پنجصد سال
میگذرد ولی پیداست که درین سرزمین پاک در مسجد و خانقاه
در مدرسه و دانشگاه هنوز سرود روحی گوهران افکار وی
بر سینهٔ ارادتمندان می درخشد و سبحهٔ ابرارش چون

چون تحفه دست بدست آزادگان می گردد

همچو نفحه مشک اندوده مشام جان اصحاب انس را

تازه میدارد و اشعهٔ خوابیدهٔ آثارش اندیشهٔ ارباب ذوق را

ضیاء می بخشد

مساعی عالمانهٔ جناب عارف نوشاهی که خود پروردهٔ

دامان دودمان معرفت و دانش است درین باب سزاوار

هرگونه شادباش و آفرین می باشد

خوشش باد نسیم صبحگاهی

که درد شب نشینانرا دوا کرد

اسلام آباد حوت ۱۳۶۱

خلیلی

استاد خلیل اللہ خلیلی (۱۹۰۷ء - زندہ) عرب ممالک میں افغانستان کے سابق سفیر۔ دری زبان کے شاعر شہیر اور متعدد کتب و رسائل کے مؤلف و مصحح۔

جامی

شیرین سخنی، نکته رسی، نغز کلامی

بنام خدای توانا

دوشینه به بزم شعرا بحث نمودند
مردان سخن سنج سخن گستر نامی
فردوسی و خاقانی و سعدی و سنائی
صدر عرفا، مولوی و خواجه نظامی
کاین گنج گرانمایهٔ اشعار دری را
آن کیست که دارد پس ازین نیز گرامی
فرمایش کشیدند که این گنج گهر را
کس نیست سزاوار بجز حافظ و جامی
زیبنده لبی می‌شده در دیدهٔ حق بین
شیرین سخنی نکته رسی نغز کلامی

— برای کتاب (جامی) تالیف دوست عزیز عاشق ترشاهی
اسلام آباد — ۱۱/۱۱/۱۹۸۲ / ۳۰ عقرب ۱۳۶۱
خلیلی

از: علی اصغر حکمت

مقدمہ[1]

اسلامی تاریخ کی نویں صدی میں سرزمین ایران میں فارسی نظم و نثر کا جو عظیم ترین استاد پیدا ہوا وہ بالتحقیق نورالدین عبدالرحمٰن جامی ہے، جس کے فضل و دانش کا شہرہ نہ صرف خراسان میں جو اس کا وطن ہے بلکہ تمام فارسی زبان ممالک میں ہندوستان، افغانستان، ماوراء النہر سے لے کر ایشیائے کوچک اور استنبول تک پھیلا ہوا ہے اور اس طرح اس کا نام نامی نہ صرف خود اس کے اپنے عہد میں بلکہ دورِ حاضر میں بھی اہلِ ادب کے ہاں عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔

جامی کے معاصرین سے امیر نظام الدین علی شیر[2] کو جامی سے ارادت تھی اور جامی کی وفات کے فوراً بعد اس نے جامی کے حالات، مکارم اور اوصاف پر ایک کتاب

[1] یہ مقدمہ حواشی سمیت جناب حکمت کا تیار کیا ہوا ہے اور ہم نے محض اسکا ترجمہ کیا ہے۔ نوشاہی۔

[2] امیر نظام الدین علی شیر متخلص بہ نوائیؔ، متولد ۸۴۴، متوفی ۹۰۶ھ اکابرین سے ہے۔ علم و ادب کا حامی اور اہلِ علم و فضل کا پشت پناہ۔ ہرات میں سلطان حسین بایقرا کے (دربار کے) امرا کا مقدم تھا۔ نوائی کے باقیات صالحات (اب بھی) موجود ہیں اس کی تصانیف ترکی اور فارسی زبان میں ہیں اور جریدۂ عالم پر ثبت، اس کے حالات کے لئے دیکھئے: ۱۔ تاریخ حبیب السیر۔ ۲۔ مسیو بلن BLIN کا مقالہ مندرج در جرنل ایشیاٹک Journal Asiatique سال ۱۸۶۱ء۔ ۳۔ تذکرہ مجالس النفائس، فارسی۔

خمسۃ المتحیرین[1] لکھی۔

"بابرنامہ" کے مؤلف اور ہندوستان میں سلطنت گورگانیہ کے بانی ظہیر الدین بابر[2] نے اپنی کتاب میں جامی کا نام بہت احترام سے لیا ہے اور لکھا ہے: "اپنے زمانے میں ظاہری اور معنوی علوم میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا"[3]

مگر ساتھ ہی وہ لکھتا ہے کہ جامی کو مدح وستائش کی حاجت نہیں ہے بلکہ ان کا نام تیمن وتبرک کے طور پر درج کیا گیا ہے۔

اسی زمانے کے دوسرے تذکرہ نویسوں، دولت شاہ سمرقندی[4]، سام میرزا صفوی،[5]

[1] خمسۃ المتحیرین امیر نظام الدین علی شیر نوائی کی اس کتاب کا نام ہے جو اس نے جامی کے حالات میں لکھی۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، تین مقالات اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے اور مجموعی طور پر یہ پانچ حصے بنتے ہیں۔ چونکہ بزعم مؤلف قارئین کے لئے (مضامین کی یہ ترتیب وتقسیم) موجب حیرت ہے لہذا اس کا نام "خمسۃ المتحیرین" رکھا گیا۔ یہ کتاب چغتائی ترکی زبان میں ہے اور حال ہی میں فاضل محترم جناب حاج محمد آقای نخجوانی نے اسے سلیس فارسی میں منتقل کیا ہے اور از راہ اخلاص ومحبت یہ ترجمہ ہمیں استفادہ کے لئے دیا ہے۔

[2] ظہیر الدین محمد بابر، ہندوستان میں سلطنت گورگانیہ (مغلیہ) کا بانی۔ یہ سلطنت ۱۸۵۷ء میں ختم ہوگئی۔ بابر ۸۸۸ھ میں پیدا ہوا اور ۹۳۷ھ میں وفات پائی۔ اس کی کتاب "بابرنامہ" چغتائی ترکی زبان میں ہے جو اس کے خود نوشت سوانح ہیں اسے المنسکی ILMINSKY نے ۱۸۵۷ء میں غازان سے شائع کیا۔ ۱۹۰۵ء میں مکرر شائع ہو چکی ہے۔ [3] بابرنامہ

[4] امیر دولت شاہ بن امیر علاء الدولہ بختی شاہ سمرقندی، مؤلف کتاب تذکرۃ الشعراء، متوفی ۸۹۹ھ۔ حالات کے لئے دیکھئے: ۱۔ تذکرہ مرآت الصفا۔ ۲۔ تذکرہ مجالس النفائس تالیف میر علی شیر ۳۔ تاریخ ادبیات ایران تالیف براؤن۔ جلد سوم۔

[5] معز السلطنۃ والدین ابو النصر سام میرزا۔ شاہ اسمعیل اول صفوی کا دوسرا بیٹا متولد ۹۲۳ھ متوفی ۹۸۴ھ حالات کے لئے ملاحظہ ہو: ۱۔ حبیب السیر۔ ۲۔ تحفۂ سامی طبع تہران۔ ۳۔ احسن التواریخ حسن روملو۔ 4. RIEU, CHARLES: CATALOGUE OF THE PERSIAN MANUSCRIPTS IN THE BRITISH MUSEUM. Vol: I

خوندمیر صاحب حبیب السیر[1] نے اپنی اپنی کتابوں میں جامی کا نام بہت تکریم سے لیا ہے اور ہر ایک نے مختلف انداز میں شرح وبسط کے ساتھ جامی کی عظمت اور جلالت کی تعریف کی ہے۔

حال ہی میں جن یورپی محققین نے ایران کی ادبی تاریخ پر کام کیا ہے وہ بھی تمام کے تمام جامی کے مقام استادی کے معترف ہیں ان میں سے ایک کا کہنا ہے کہ جامی سرزمین ایران سے اٹھنے والے نامی نوابغ میں سے ایک ہے کیونکہ وہ بیک وقت عظیم شاعر، عظیم محقق اور عظیم عارف ہے[2]

ایک دوسرا یورپی محقق جامی کی فضیلت میں یوں رطب اللسان ہے:

"نہ صرف شعروشاعری کے لحاظ سے بلکہ علمی فضائل اور تحقیق کے پہلو سے بھی جامی کا ذوق بھرپور اور علم وافر تھا۔"[3]

اس فصیح عالم اور دانشور شاعر کی تاریخ زندگی کا مطالعہ اور آثار پر بحث ایک ایسا درس ہوگا جو نہ صرف بحد دلچسپ اور دلکش ہے بلکہ اخلاق کو سنوارنے والا اور ذوق وشوق کو بڑھانے والا بھی ہے۔ اسی مقصد کے تحت ہماری محدود نظر سے جامی کے جو احوال و آثار بھی گذرے انہیں یکجا کیا۔

ہم یہ مجموعہ کلیۂ ادب کے ان طلبہ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جن کا علم وادب کی طلب کے لئے دل شوق سے لبریز اور سر جستجو اور جذبہ سے پُر ہے۔

---

[1] غیاث الدین بن ہمام الدین معروف بہ خواندمیر، کتاب حبیب السیر کا مؤلف جو ۹۲۹ھ میں لکھی گئی۔ متوفی ۹۴۱ھ۔

[2] یہ بات ایڈورڈ براؤن Edward G. Browne متولد ۱۸۶۲ء، متوفی ۱۹۲۶ء نے تاریخ ادبی ایران A Literary History of Persia, Vol : III میں لکھی ہے۔

[3] دیکھئے کیپٹن ناسولیس Naussau Lees کا نفحات الانس پر بسیط مقدمہ۔

تقدیم

نابغۂ خراسان مولانا نُورالدین عبدالرحمٰن جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ/۱۴۱۴-۱۴۹۲ء) کے علمی اور روحانی مقام کے بارے میں ہم یہاں صرف استاد ایڈورڈ براؤن (۱۸۶۲-۱۹۲۶ء) کا نقطۂ نظر دہرانے پر اکتفا کریں گے:

جامی کا علمی اور روحانی مقام:

"وہ (جامی) ان نامور اساتذہ اور اکابر میں سے ایک ہیں جنہیں سرزمینِ ایران نے پروان چڑھایا اور وہ اُن (اساتذہ و اکابر) کے درمیان (اس لحاظ سے) منفرد ہیں کہ وہ (بیک وقت) عظیم شاعر بھی ہیں اور نکتہ رس محقق بھی اور عالی مرتبت عارف بھی[1]..... ایران میں کسی دوسرے شاعر کی نظیر کم ملتی ہے جو اُن (جامی) کی طرح اپنی زندگی ہی میں ایسی غیر معمولی عزّت و تکریم اور بے پایاں شہرت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہو[2]..... کوئی استادِ سخن اور فارسی کا شاعر بھی موضوعات کے تنوع اور مختلف فنون کے تفنّن میں اُن (جامی) کے پایۂ کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔"[3]

کتاب شناسی جامی :

جامی کی جامع صفات شخصیت نویں صدی ہجری / پندرہویں صدی عیسوی سے لے کر اب تک اہلِ علم و تحقیق کے ہاں خصوصی توجہ کی حامل رہی ہے۔ مشرقی علوم کے بیشتر مصنفین اور تذکرہ نگاروں نے اُن کے حالاتِ زندگی اور افکار و اشعار نقل کئے ہیں۔ اگر صرف فارسی شعراء کے اُن عمومی تذکروں پر نظر ڈالی جائے جن میں جامی کے حالاتِ زندگی درج ہوئے ہیں تو چالیس کے قریب مأخذوں کی نشاندھی صرف "فرہنگ سخنوران" سے ہو جاتی ہے تاہم جامی پر منابع کی یہ فہرست قطعی طور پر ابتدائی اور نامکمل ہے۔ اگر جامی کی ببلوگرافی پر کام تحقیقی اور تکنیکی بنیادوں پر آگے بڑھایا جائے تو بلا مبالغہ مأخذ کی یہ تعداد سینکڑوں تک پہنچ جائے گی۔

جامی اپنی بلند پایہ علمی اور روحانی شخصیت کے باعث اس بات کے مستحق تھے کہ ان پر عمومی انداز سے ہٹ کر مستقل اور بطور خاص کام کیا جائے۔ چنانچہ ان کی وفات (۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء) کے فوراً بعد مصنفین اس جانب متوجہ ہوئے۔ جامی کے شاگرد رشید مولانا رضی الدین عبدالغفور لاری (م ۹۱۲ھ/۱۵۰۶ء) نے فارسی زبان میں "تکملۂ حواشی نفحات الانس" لکھ کر اور جامی کے دانشور دوست امیر علی شیر نوائی (م ۹۰۶ھ/ ۱۵۰۱ء) نے ترکی زبان میں "خمسۃ المتحیرین" تحریر کر کے جامی پر مستقل تذکرہ نویسی کی بنیاد رکھی۔ یہی کام مختلف ممالک میں مختلف ادوار میں، بالخصوص متأخر اور معاصر مصنفین کے ہاتھوں تحقیق و تألیف کی مروجہ ضروریات کے پیشِ نظر آگے بڑھا۔ ہم یہاں جامی پر مستقل کتب کا بلحاظ توقیت (Chronologically) مختصر جائزہ لے رہے ہیں۔

۱۔ امیر علی شیر نوائی۔ افغانستان (۸۴۴-۹۰۶ھ/ ۱۴۴۰-۱۵۰۱ء)۔

خمسة المتحیرین (ترکی)۔ یہ کتاب ایک مقدمہ، تین فصول اور ایک خاتمہ پر بترتیب ذیل منقسم ہے:

مقدمہ: جامی کی اصل، مولد، زندگی اور مؤلف کے ان کے ساتھ روابط کے بارے میں۔

پہلی فصل: مؤلف اور جامی کے مابین ہونے والے مکالمات اور واقعات کا ذکر۔

دوسری فصل: مؤلف اور جامی کے درمیان ہونے والی مراسلت اور مکاتبت۔

تیسری فصل: مؤلف کی درخواست، تجویز اور خواہش پر لکھی جانے والی جامی کی کتب کا ذکر۔

خاتمہ: ان کتب اور رسائل کے ذکر میں ہے جو مؤلف نے جامی کی راہنمائی اور تعلیم کے مطابق پڑھے تھے۔

اس کتاب میں جامی کی وفات، عزاداری کی رسوم اور ہرات کے فضلاء، علماء، امراء، نجباء اور شاہی خاندان کے افراد اور عوام الناس کی جامی کے جنازے میں شرکت کا حال بھی لکھا ہے۔[۵]

اس کتاب کا فارسی ترجمہ ایران میں محمد نخجوانی تبریزی نے ۱۳۲۰ھ۔ش میں کیا،[۶] جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

نوائی نے جامی کی وفات پر معاصر شعراء کی طرف سے کہے جانے والے مراثی اور قطعات تاریخ کا بھی مجموعہ مرتب کیا۔[۷]

۲۔ رضی الدین عبد الغفور لاری۔ افغانستان (م ۵ شعبان ۹۱۲ھ/۲۱ دسمبر ۱۵۰۶ء)۔

تکملۂ حواشی نفحات الانس (فارسی)

مطبوعہ بہ تصحیح و مقابلہ و تحشیۂ بشیر ہروی، انجمن جامی۔ کابل (افغانستان)،

۱۳۴۳ش. ۹۸+۴ص:

مولانا لاری نے ضیاء الدین یوسف (۸۸۲-۹۱۹ھ/۱۴۷۸-۱۵۱۳ء) بن جامی کی خاطر "نفحات الانس" تألیف جامی کے مشکل مقامات کی توضیح کے لئے ایک حاشیہ لکھا۔ چونکہ نفحات الانس میں خود جامی نے اپنے حالات درج نہیں کئے تھے اس لئے لاری نے مولانا جامی کے خصائل و شمائل بیان کرنے کے لئے اپنے حاشیہ نفحات الانس پر تکملہ تحریر کیا۔[ه] اس تکملہ میں مصنف نے مولانا جامی کی اخلاقی، روحانی، علمی اور اجتماعی خصوصیات اور عادات پر اپنے مشاہدات کی روشنی میں معلومات درج کی ہیں۔ جگہ جگہ جامی کے اقوال و اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ اس تکملہ کا آخری حصہ بہت اہم ہے جہاں مصنف نے جامی کی تصانیف، سوانح زندگی، اسفار اور واقعۂ وفات کا ذکر کیا ہے۔

3—F. HADLAND DAVIS[6]
"THE PERSIAN MYSTICS JAMI".

The Wisdom of the East Series, London, John Murray, Albemarle Street, 1908A.D, 107 p.

CONTENTS:

1-- The life of Jami.
2— The story of Salaman and Absal.
3— The teaching of the "LAWAIH".
4— The story of "Yusuf and Zulaikha".
5— The "Baharistan" or "Abode of spring".
6 -Slections from SALAMAN AND ABSAL, LAWAIH, YUSUF AND ZULAIKHA, AND BAHARISTAN.

۴۔ فردوسی شمسی ۔ ایران

تحقیق در آثار جامی (فارسی)۔ تالیف در ۱۶۔ ۱۳۱۵ ھ۔ش ، ۱۵۱ ص۔ شمارہ ۲۵۳۵ء

۵۔ روستائیان، احمد۔ ایران

تحقیق در احوال و آثار عبدالرحمٰن جامی (فارسی) تالیف در ۱۷۔ ۱۳۱۶ھ ش

۶۳ ص ، شمارہ ۲۵۰۳ۓ

۶۔ حکمت، علی اصغر ایران۔ (۱۳۱۰۔ ۱۴۰۰ھ)۔

جامی، متضمن تحقیقات در تاریخ احوال و آثار منظوم و منثور خاتم الشعراء نورالدین عبدالرحمٰن جامی (فارسی) تالیف در ۱۳۲۰ھ۔ش ۔ مطبوعہ: تہران، چاپخانہ بانک ملی ایران۔ ۱۳۲۰ھ۔ش ۔

یہ کتاب سات فصول پر مشتمل ہے :

۱۔ محیط جامی ۔ ۲۔ زندگانی جامی ۔ ۳۔ صفات جامی ۔ ۴۔ عقائد جامی ۔ ۵۔ آثار جامی ۔ ۶۔ مزار جامی ۔ ۷۔ منتخبات اشعار ۔

ہم اسی کتاب کا ملخصاً اُردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں ۔

۷۔ بقائی، عباس علی۔ ایران

زندگانی مولانا جامی (فارسی)۔ تألیف در ۲۶۔ ۱۳۲۵ھ۔ش

۱۶۹ ص۔ شمارہ ۸۵ ۔

۸۔ عبدالصمدی، محمود۔ ایران

شرح حال و آثار جامی (فارسی)۔ تألیف در ۳۴۔ ۱۳۳۳ھ۔ش۔

۱۲۳ ص۔ شمارہ ۸۳

۹۔ وزارت اطلاعات و نشریات افغانستان

تجلیل پنجصد و پنجاهمین سال تولد نورالدین عبدالرحمن جامی (فارسی۔پشتو)۔

مطبوعہ: انجمن جامی۔ وزارت اطلاعات و نشریات افغانستان۔ کابل، سرطان

۱۳۴۳ھ۔ش۔ ی + ۱۴۸ + ۴ ص۔

۱۳۴۳ ش/۱۹۶۴ء میں جامی کی ولادت (۸۱۷ھ) کے پانچ سو پچاس سال مکمل ہونے پر افغانستان میں جامی کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے علمی تقاریب منعقد ہوئیں۔ زیرِ نظر کتاب کابل اور ہرات کی علمی محافل میں جامی پر مختلف ممالک کے نمائندوں کی طرف سے پڑھے جانے والے مقالات کا مجموعہ ہے۔ کتاب میں درج مقالات کی فہرست اس طرح ہے:

پیغامات:

۱۔ پیام اعلیحضرت معظم ہمایونی (ظاہر شاہ)۔

۲۔ مقدمہ مایل ہروی۔

۳۔ بیانیۂ بناغلی دوکتور محمد یوسف، صدر اعظم۔

۴۔ بیانیۂ بناغلی دوکتور انس، وزیر معارف۔

۵۔ پیام پوہنتون (کابل یونیورسٹی)۔

۶۔ پیام پښتو تولنہ (پشتو اکیڈمی۔ کابل)۔

۷۔ پیام انجمن تاریخ (کابل)۔

۸۔ پیام پوهنتون پنجاب (پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور)۔

۹۔ پیام دانشگاہِ تہران۔ (تہران)۔

۱۰۔ پیام استاد خلیل اللہ خلیلی۔

مقالات:

۱۔ طریقت جامی۔ از عبدالحی حبیبی (افغانی)۔ فارسی۔

۲۔ جامی و خواجہ عبداللہ انصاری ہروی۔ از بورکوی (فرانسیسی)۔ فارسی۔

۳۔ پښتانہ ادیبان او نورالدین جامی۔ از پروفیسر رشتین (افغانی) پشتو۔

۴۔ روابط جامی با ہند و پاکستان۔ از ڈاکٹر محمد باقر (پاکستانی) فارسی

۵۔ آغاز و انجام عشق و عشقبازی در لیلی و مجنون۔ از ڈاکٹر روان فرہادی۔ (افغانی)۔ فارسی۔

۶۔ ملا جامی و شرح کافیہ۔ از ملا جامی شرح بر کافیہ باندی۔ از قیام الدین خادم۔ (افغانی) پشتو۔

۷۔ لطائف و ظرائف جامی۔ از گویا اعتمادی (افغانی) فارسی۔

۸۔ شاعر و متفکر بزرگ شرقی عبدالرحمٰن ابن احمد جامی۔ از غفور غلام (روسی)۔ فارسی۔

۹۔ جامی و مستشرقین۔ از میر حسین شاہ (افغانی)۔ فارسی۔

۱۰۔ خرد نامۂ اسکندر۔ از ایرج افشار (ایرانی)۔ فارسی۔

۱۱۔ ہرات و جامی۔ از توفیق (افغانی)۔ فارسی۔

۱۲۔ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی۔ از عبدالمنعم محمد عمر (مصر)۔ فارسی۔

۱۰۔ نصراللہ مبشر الطرازی۔ مصر (معاصر)

<u>نورالدین عبدالرحمٰن الجامی۔ فہرس مؤلفاتہ المخطوطہ والمطبوعۃ التی تقتنیہا الدار</u> (عربی)۔

مطبوعہ: دارالکتب۔ قاہرہ۔ مصر۔ ۱۹۶۴ء، ی + ۷۸ ص۔

دارالکتب۔ قاہرہ میں موجود جامی کی عربی اور فارسی تصانیف' فارسی تصانیف کے عربی اور ترکی تراجم کے مخطوطات اور تالیفات جامی کے یورپی زبانوں میں مطبوعہ تراجم کی مختصر فہرست ہے۔

مرتب نے اختتام پر جامی کے حالات پر عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمنی زبانوں میں مأخذوں کی ایک بے حد مختصر ببلوگرافی بھی دی ہے۔

۱۱۔ نصرت، محمد اسد اللہ۔ افغانستان (معاصر)
خلاصۂ سوانح مولینا جامی (فارسی)۔

مطبوعہ: مطبعۂ دولتی۔ کابل (افغانستان)' ۱۳۵۰ھ۔ش، ۱۲۱ ص۔

۱۲۔ جیراج پوری، حافظ محمد اسلم۔ ہندوستان (۱۲۹۹۔۱۳۷۵ھ/۱۸۸۲۔۱۹۵۵ء)۔

حیات جامی (اردو)

مطبوعہ: مکتبۂ جامعہ۔ دہلی (بھارت)۔ ۱۰۶ ص۔

۱۔ ولادت اور نام ونسب۔ ۲۔ تحصیل علم۔ ۳۔ تصوف۔ ۴۔ عشق۔ ۵۔ لطائف وظرائف۔ ۶۔ سفر حج۔ ۷۔ خانگی حالات۔ ۸۔ وفات۔ ۹۔ تصنیفات۔ ۱۰۔ فارسی شعراء میں مولانا کا درجہ۔ ۱۱۔ مولانا کی شاعری۔ ۱۲۔ قصیدہ۔ ۱۳۔ غزل۔ ۱۴۔ مثنوی۔

۱۳۔ طالب ہاشمی۔ پاکستان۔ (معاصر)
سوز جامی (اردو)

مطبوعہ: مقبول اکیڈمی لاہور۔ ۱۹۷۳ء۔ ۱۷۶ ص۔

مرتب نے جامی کی زندگی کے مندرجہ ذیل گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۔ نام، نسب، ولادت۔ ۲۔ عہد طفلی۔ ۳۔ تحصیل وتکمیل علوم۔ ۴۔ راہِ طریقت

۵۔خوارق عادات۔ ۶۔اسفار جامی۔ ۷۔ اوصاف وحضائل۔ ۸۔معاصرین اور ارباب صحبت۔ ۹۔سفر آخرت۔ ۱۰۔آخری آرام گاہ۔ ۱۱۔آثار جامی۔ ۱۲۔اولاد۔ ۱۳۔نعتوں کے نمونے۔

روس میں جامی شناسی

ماوراء النہر کے مسلم شہروں سے (جو اب روس میں واقع ہیں) جامی کا تعلق زمانۂ طالب علمی ہی سے رہا ہے جب وہ سمرقند کے مدرسۂ الغ بیگ میں پڑھتے تھے۔ اب بھی اس مدرسہ میں دائیں ہاتھ کے دوسرے حجرے پر یادگاری تختی نصب ہے جس پر لکھا ہے "یہ جامی کا حجرہ رہا ہے"۔

سمرقند ہی کے میرزا ہمدم نامی نوجوان کے ساتھ اُن کے تعلق خاطر کے قصے مشہور ہیں۔

جامی کا فاراب (تاشقند) بھی جانا ہوا۔

روس کے جن علاقوں میں فارسی زبان رائج ہے وہاں اب بھی جامی کے احوال و آثار سے دلچسپی پائی جاتی ہے اس بات کا اندازہ جامی کے متون کی طباعت اور ان کے روسی اور ازبکی زبان میں تراجم کی اشاعت سے بھی ہوتا ہے۔ تاشقند اور ماسکو سے مثنویات ہفت اورنگ، فوائد۔ الضیائیہ اور رسالۂ علم موسیقی شائع ہو چکے ہیں جب کہ روسی علوم کی اکیڈمی نے بہارستان، لیلیٰ ومجنوں، یوسف وزلیخا اور سلامان وابسال کے تراجم طبع کئے ہیں۔

مشہور روسی ایران شناس آنجہانی برٹلس نے مولانا جامی پر علیحدہ کتاب "جامی" مرتب اور شائع کی ہے۔ پروفیسر شامحمداف گورنمنٹ یونیورسٹی تاشقند نے ازبک قارئین کے لئے ایک کتاب موسوم بہ "جامی" چھاپی ہے۔

جناب پارسا شمس اف جو اکادمی زبان وادبیات۔ ازبکستان سے وابستہ ہیں انہوں

نے ایک کتابچہ "جامی سے متعلق نوائی کی تحریریں" مرتب کیا ہے۔

اکادمی علوم شرقیہ ازبکستان کے زیرِ اہتمام ابوریحان بیرونی انسٹی ٹیوٹ نے فہرست مخطوطات آثار جامی تدوین کی ہے جس میں جامی کی تصانیف وتألیفات کے پانچ سو سے زائد قلمی نسخوں کا ذکر ہے۔ ۱۰۔ افصح زادہ کی کتاب "عبدالرحمٰن جامی" مطبوعہ تاجیکستان بھی قابلِ ذکر ہے۔

(ملخصاً از مقالۂ غفور غلام مندرجہ در "تجلیل... جامی" ص ۱۰۷-۱۰۹)

جامی کی سوانح نگاری کے علاوہ ان کے افکار واشعار پر جرح وشرح کا کام بھی عمومی اور خصوصی دونوں سطحوں پر ہوا ہے۔ جامی کی وفات (۸۹۸ھ/۱۴۹۲ء) سے لے کر اب تک ان کی تالیفات وتصانیف پر حواشی، شرح اور نقد ونظر کا سلسلہ بے حد طویل ہے۔ یہاں اس کا جائزہ لینا، موجبِ طوالت ہوگا۔ درحقیقت یہ مجوزہ "کتابشناسی جامی" کا ایک اہم اور بڑا باب ہے۔

جامی کے پاکستان و ہندوستان کے ساتھ تعلقات:

جناب علی اصغر حکمت نے اپنی کتاب "جامی" میں جامی کے برصغیر سے تعلقات پر نہایت ہی اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔[۱۴] جامی کی برصغیر میں غیر معمولی مقبولیت اور اہمیت کے پیشِ نظر اور ان پر یہاں پاکستان میں کام کرتے وقت ہمارے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ ہم ان تمام پہلوؤں کا جائزہ لیں جو جامی اور اس خطہ کے باہمی تعلقات اور یہاں ان کے افکار واشعار کے داخل ہونے کے اسباب، وسائل اور قبولیت پر روشنی ڈالتے ہوں۔

خود جامی کبھی برصغیر نہیں آئے لیکن وہ یہاں آنے کی دلی خواہش رکھتے تھے۔ جیسا کہ ہندوستان میں اپنے مکتوب الیہ ملک التجار (جس کا ذکر آگے آئے گا) کے نام اپنے ایک خط میں اس آرزو کا اظہار بھی کرتے ہیں:

جامی آن دارم کہ آرم رو بہندوستان کہ شد
رشک ارضِ روم از عکسِ جمالِ انورش

بلکہ او ہندست و من آن بشر عشق آئین کہ بود
عمرہا سودای ہند اندر دل غم پرورش
زآتشِ غم سوخت دل خواہم بیادش در دہم
باشد آمیزد بخاک کوی او خاکسترش[۵۵]

لیکن وہ اپنی کہولت و پیرانہ سالی کے باعث اس طویل سفر پر روانہ نہ ہو سکے۔ اسی خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اما بواسطۂ تزاحم علائق و تراکم عوائق کہ از انجملہ مراقیب اوقات کہن سالی ست شکستہ احوال کہ بحکم الجنۃ تحت اقدام الامہات ... این نیت بعمل نرسید و این منیت محصّل نگردید"[۵۶]

اس طرح برِصغیر سے اُن کے دگونا گوں تعلقات کی نوعیت معنوی ہے۔ ہم ان تعلقات کا مندرجہ ذیل زاویوں سے جائزہ لیں گے:

۱۔ جامی اور علمائے برِصغیر کے درمیان خط و کتابت۔
۲۔ جامی کی کتب کا ہندوستان میں پہنچنا اور مقبول ہونا۔
۳۔ جامی اور علمائے ہندوستان کے مابین ملاقاتیں۔
۴۔ برِصغیر میں جامی کے شاگرد۔
۵۔ جامی کا ہندی شعراء سے متاثر ہونا۔

۱۔ علمائے برِصغیر سے مکاتبت:

مولانا لاری، جامی کے حالات میں لکھتے ہیں:

"سلاطین و بزرگان دیگر از ہر صوب چون ترکستان، ہندوستان ... کہ ازین

(منظور شرفِ صحبتِ جامی است) مجور از ین سعادت دُور بودند، دایم الاوقات بوسیلہ نامہ ای یا ارسال ہدیہ وتحفہ ای خود را بر خاطرِ خطیر وضمیر منیر حضرت ایشان می گذرانیدند۔"[۱۷]

یعنی جو اکابر روزگار جامی کی ظاہری صحبت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے تھے وہ خط کے ذریعے جامی سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ پاک وہند میں مندرجہ ذیل اکابر کے ساتھ جامی کی خط وکتابت تھی۔

الف۔ ملک التجار۔ دکن (۸۱۸۔ ۸۸۶ھ)

خواجۂ جہان عماد الدین محمود گیلانی مشہور بہ محمود گاوان ۸۵۱ھ میں بغرض تجارت گیلان سے احمد آباد (بھارت) پہنچے اور سلطان علاء الدین بہمنی (۸۳۸۔ ۸۶۲ھ) کے منظور نظر ٹھہرے۔ سلطان نے انہیں اپنے دربار میں جگہ دی۔ ہمایون شاہ ظالم بہمنی (۸۶۲۔ ۶۵) نے محمود گاوان کو ملک التجار کا لقب دیا اور اپنی وفات (۸۶۵ھ) سے قبل اپنے نابالغ بیٹے نظام شاہ بہمنی (۸۶۵۔ ۶۷ھ) کا وزیر مقرر کیا۔ محمود گاوان کی اصل ترقی اور شہرت سلطان محمد شاہ بہمنی (۸۶۷۔ ۸۷ھ) کے زمانے میں ہوئی۔

محمود گاوان سیاسی اور تجارتی بصیرت کے علاوہ علوم منقول ومعقول میں بھی ماہر تھے۔ فارسی انشاء نگاری میں وہ استاد تھے۔ ان کی کتابیں ریاض الانشاء، مناظر الانشاء اور قواعد الانشاء، انشاء نویسی میں مصنف کی مہارت کا بہترین نمونہ ہیں۔[۱۸]

جامی کے مجموعۂ رقعات "انشائے جامی" اور محمود گاوان کے مجموعۂ مکاتیب "ریاض الانشاء" سے جامی اور محمود گاوان کی باہمی مکاتبت پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ طرفین نے ایک دوسرے کو نہایت احترام سے مخاطب کیا ہے۔ مثلاً جامی نے اپنے خط میں محمود گاوان کے لئے مندرجہ ذیل القاب استعمال کئے ہیں۔

"بہ عالی جناب نقابت قباب ایالت ایاب مخدومی اعظمی اکملی اکرمی الذی یقصر البیان من ان یحیط القابہ بل الالقاب مطروحۃ دون سدہ بابہ مد اللہ تعالیٰ اظلال افضالہ غیاثاً للدنیا والدین مغیثاً للاسلام والمسلمین" [۱۹]

جامی نے ان مکتوبات میں مجموعی طور پر تصوّف کے نکات بیان کئے ہیں. جامی کی انشاء فارسی اور عربی اشعار سے مزیّن ہے. جامی کو اتنے مرصّع خطوط لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ خود محمود گاوان بھی جامی کو بڑے آراستہ و پیراستہ خطوط بھیجتے تھے.

جامی نے اپنے معاصر اکابر کی بہت کم مدح سرائی کی ہے لیکن جامی اور محمود گاوان کے درمیان جو غائبانہ رشتۂ مودت و محبّت قائم ہو چکا تھا اس کی بنا پر جامی نے محمود کو اپنے اشعار میں بھی جگہ دی ہے اور ان کے ایک مکتوب کے جواب میں مفصّل قصیدہ لکھا ہے. جس کا مطلع ہے :

مرحبا اے قاصد ملک معانی مرحبا   الصلا کز جان و دل نذر تو کردم الصلا

اس مفصّل قصیدہ میں جامی نے متعدد اشعار میں محمود گاوان کی استادانہ نثر نویسی و شعر گوئی کی تعریف کی ہے. [۲۰]

انشائے جامی اور ریاض الانشاء کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں اساتذہ کی مکاتبت اور باہمی تعلق کو محسوس کیا جا سکتا ہے. مثلاً محمود گاوان نے اپنے ایک مکتوب میں جامی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی :

"اگر رباع و بقاع این مرز و بوم را بقدوم فیض موسوم منور سازند و دماغ جان و راغ جنان اہل این مکان را بہ نسیم ملاقات مصابات معطر گردانند از مکارم عرفان و لوازم احسان آن مطلع مہر ایقان عجیب و غریب نخواہد بود." [۲۱]

مگر جواباً جامی نے یوں معذرت کرلی:

"بواسطۂ تراحم علائق و تراکم عوائق کہ از انجملہ مراقبۂ اوقات کہن سالی ست شکستۂ احوال کہ بحکم الجنۃ تحت اقدام الامہات ... این نیت بعمل نرسید و این منیت محصل نگردید .... باین امید چنانست کہ حضرت مسبب الاسباب جل شانہ سببی کہ متضمن نیل این دولت و متکفل این سعادت باشد مہیا دارد و میسر گرداند"[۲۲]

جامی نے یہاں اپنی جس پیرانہ سالی کا ذکر کیا ہے اس کی تائید محمود گاوان کے نام ان کے ایک دوسرے خط سے بھی ہو جاتی ہے:

"این فقیر را سنین از ستین گذشتہ است و بر حدود سبعین مشرف گشتہ"[۲۳]

یعنی اس وقت جامی کی عمر ساٹھ سال سے تجاوز کر چکی تھی اور ستر سال کے قریب پہنچنے والے تھے۔ یہ ۸۷۷ھ اور ۸۸۷ھ کا زمانہ ٹھہرتا ہے۔ چونکہ اسی خط کے ہمراہ جامی نے گاوان کو نفحات الانس (تالیف ۸۳-۸۸۱ھ) بھیجی تھی لہٰذا یہ خط ۸۳-۸۸۷ھ کے درمیان لکھا گیا۔

مورخ دکن سید محمد بیدری (معاصر) نے لکھا ہے کہ محمود گاوان نے مولانا عین الدین بیجاپوری کی تصنیف "کتاب الانوار" (تذکرۂ اولیاء) کو تصحیح اور نظر ثانی کے بعد مولانا جامی کی خدمت میں بھیجا اور اُن سے مزید حالات لکھنے کی فرمائش کی۔[۲۴]

رسالۂ سوال و جواب ہندوستان

جامی کی تصانیف میں مذکورہ رسالہ کا ذکر ملتا ہے (دیکھئے زیر نظر کتاب ص ۳۷۵) اگرچہ ہمیں اس رسالہ کا متن دستیاب نہیں ہوا لیکن اس کے نام سے ظاہر ہے کہ جامی

نے ہندوستان سے کسی کی طرف سے کئے گئے سوال (یا سوالات) کا جواب دیا ہے۔ چونکہ ہند میں تصوف اور علمی مسائل پر جامی کی محمود گاوان ہی سے باقاعدہ خط وکتابت تھی لہٰذا احتمال پایا جاتا ہے کہ یہ رسالہ محمود گاوان ہی کے کسی استفسار کے جواب میں لکھا گیا ہوگا۔ انشائے جامی سے پتہ چلتا ہے کہ جامی نے ایک دفعہ ملک التجار (محمود) کو اپنے کسی رسالہ کے بعض ملخص مطالب بھی ارسال کئے تھے۔[۲۵] (تفصیل آگے صفحہ ۵۰ پر آرہی ہے)۔

ب۔ خواجہ علی بن ملک التجار

انشائے جامی میں ایک مکتوب ملک التجار کے بیٹے خواجہ علی کے نام بھی ہے جس میں جامی نے اس کے لئے بھی اپنی محبت اور مودّت کے احساسات کا اظہار کیا ہے۔[۲۶]

ج۔ سیّد محمد غوث قادری۔ اُچ (پاکستان)

موصوف سے جامی کے مکاتبہ و رابطہ کا جائزہ ہم آگے صفحہ ۶۰ پر بذیل "جامی کا شعرائے ہند سے متاثر ہونا" لے رہے ہیں۔

۲۔ جامی کی کتب کا ہند و پاکستان میں پہنچنا اور مقبول ہونا

مولانا لاری، جامی اور بیرونی ممالک (بشمول ہندوستان) کے سلاطین و اکابر کے مابین خط وکتابت کا ذکر کر چکنے کے بعد لکھتے ہیں:

"حضرت ایشان علیہ الرحمۃ والرضوان، از مصنفات خود مناسب ہر کس چیزی بہر جانب میفرستادند و ہر کسی را بقدر حال باکرام نامہ ای و اعزاز رقعہ ای سرافراز می گردانیدند۔"[۲۷]

نفوذ:

ہندوستان میں جامی کی جن لوگوں کے ساتھ خط وکتابت تھی انہیں وہ اپنی تصانیف

ارسال کرتے تھے۔ اس طرح جامی کی تصانیف ان کی زندگی ہی میں ہندوستان پہنچنا شروع ہوگئی تھیں۔ اس ضمن میں ہم جامی کی ہندوستان پہنچنے والی چند تحریروں کا نام لے سکتے ہیں۔

۱۔ نفحات الانس

نفحات الانس کا زمانۂ تالیف ۸۸۳-۸۸۱ھ ہے۔ محمود گاوان کے نام ایک خط، جس میں جامی اپنی عمر ستر سال کے قریب پہنچنے والی بتاتے ہیں (۸۸۷ھ) کے ہمراہ نفحات الانس کا نسخہ ہندوستان پہنچا۔ جامی، محمود گاوان کو اس بابت لکھتے ہیں:

"مجموعہ مسمی بنفحات الانس من الحضرات القدس از مقامات و حالات درویشان و معارف و مقالات ایشان جمع کردہ شدہ بود، تحفۂ آن مجمع مکارم می گردد. امیدواری چنانست کہ مواظبت بر مطالعۂ آن سخنان و تامل شافی دران خاصیت دولت مصاحبت ایشان دہد و جمعیت تمام حاصل آید۔" [۲۸]

۲۔ رسالہ در حقایق دین

جامی نے یہ رسالہ (جس کا مذکورہ نام ہم نے خود اخذ کیا ہے) بھی ملک التجار کو بھیجا تھا۔ اپنے ایک منظوم خط میں جامی لکھتے ہیں:

بعد رفع سلام و شوق کلام — در بیان کمال شوق و غرام
می کند عرضہ با ہزار و نیاز — بندہ جامی درین جریدۂ راز
نکتۂ چند از حقایقِ دین — وز مواجید اہل کشف و یقین
ہمہ مستنبط از حدیث و کتاب — ہمہ سنجیدہ اولوا الالباب
معرفت بخش اہل علم و عمل — وحشت انگیز اہل رزق و جیل

گرچہ دور ست زان نصاب ہنوز | کہ بخشتش شود خرد فیروز
کردم اندک نمونہ ارسال | سوی گنجور و گنج فضل و کمال[۲۹]

۳۔ رسالۂ سوال و جواب ہندستان

محمود گاوان ہی کے حوالے کے ساتھ اس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے (صفحہ ۴۸)۔

۴۔ اشعار جامی

جامی کے اشعار سید محمد غوث قادری اوچی (م ۹۲۳ھ) کی وساطت سے برصغیر پہنچتے رہے۔ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں :

"عارف نامی مولانا عبدالرحمٰن جامی باستماع خبر فضائل آنجناب (یعنی اوچی) اشعارات تصنیف کردۂ خود بجانب آنجناب می فرستاد۔"[۳۰]

مقبولیت

جامی کی تصانیف کی عمومی مقبولیت کا راز بتاتے ہوئے مولانا لاری لکھتے ہیں :

"جامی فرمایا کرتے تھے کہ تصوف پر ہم نے اس لئے لکھنا شروع کیا کہ ابتدائے حال میں جب ہم نے صوفیہ کے اقوال کا مطالعہ شروع کیا تو اُن کی عبارات سے ان کا مقصد سمجھنا ہمارے لئے بے حد دشوار تھا۔ ہم نے منت مانی کہ اگر ہم پر یہ دروازہ کھل جائے (یعنی ملفوظات کا مفہوم واضح ہو جائے) تو ہم صوفیہ کے مقاصد اس طریقے سے بیان کریں گے کہ لوگ بسہولت سمجھ سکیں۔

حضرت جامی نے تصوف پر اپنی تمام کتابیں اسی مقصد اور نیت کو سامنے رکھتے

ہوئے لکھی ہیں۔ ان میں تراکیب کی سلاست، الفاظ و عبارات کی وضاحت، معانی و مقاصد کی تلخیص، دقایق و نکات کی سہولت اور اسرار و رموز کی تشریح اس طور سے کی گئی ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس فن میں ان کا شریک نہیں ہے۔ درحقیقت یہ حضرت جامی کا صوفیہ پر عظیم احسان ہے۔ صرف کتبِ تصوّف ہی پر کیا موقوف حضرت کے گہر بار قلم سے جو کچھ بھی نکلا اس (کی سلاست) کا یہی حال ہے۔"[۳۱]

شیر علی خان لودی نے تذکرۂ "مرآت الخیال" (تالیف در ۱۱۰۲ھ) میں جامی کے حالات میں لکھا ہے:

"انھوں نے ننانوے کتب تصنیف کیں اور وہ سب کی سب ایران، توران اور ہندوستان میں اہلِ دانش کے ہاں مقبول ہیں اور کوئی بھی ان پر معترض نہیں ہو سکتا۔"[۳۲]

برصغیر میں جامی کی کتب کی مقبولیت کا سبب بالکل واضح ہے۔ ان کتابوں میں مذہبی افکار و نظریات کا مسئلہ ہو یا ادبی اسلوب کا، وہ دونوں جہت سے یہاں کے مذہب (تسنّن) اور اسلوب (تقلید خسرو دہلوی) کے نزدیک تر ہے، بلکہ شعر کا اسلوب پہچاننے والے تو یہ کہتے ہیں کہ فارسی شعر میں پیچیدہ ہندی اسلوب ہرات سے جامی اور رفغانی ہی کی وساطت سے دہلی اور دکن پہنچا۔[۳۳]

برصغیر میں مختلف ادوار میں جامی کی تصانیف کی پذیرائی پر ظاہری شواہد اکٹھے کرنا مشکل کام نہیں ہے یہاں صنعت طباعت آنے سے پہلے شاذ ہی کوئی خصوصی یا عمومی کتب خانہ، جامی کے آثار کے مخطوطات سے خالی ہو۔ محققین برصغیر کے کتب خانوں کے مخطوطات کی مطبوعہ فہارس اور بالخصوص "فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان" از احمد منزوی (زیر طبع)[۳۴] سے ان آثار کے اعداد و شمار جمع کر سکتے ہیں۔

جب پاک و ہند میں چھاپہ خانہ آیا تو جامی کی کتب کی وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت شروع ہوئی۔ پاکستانی اور ہندوستانی فارسی مطبوعات کی کوئی مستقل اور جامع فہرست نہ ہونے کے باعث ان کتب کے ایڈیشنوں کی صحیح تعداد کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے اور اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہاں بطور سند ابتدائی طور پر دستیاب ہونے والے "یوسف و زلیخا" از جامی کے پچاس ہندوستانی اور پاکستانی ایڈیشنوں کے کوائف درج کر دیتے۔[۳۵]

برصغیر میں جامی کی کتب کی پذیرائی کا اندازہ ان شرحوں اور ترجموں سے بھی کیا جا سکتا ہے جو یہاں فارسی یا دیگر مقامی زبانوں میں کئے گئے۔ عبدالواسع ہانسوی (معاصر عالمگیر بادشاہ ۱۰۶۸ - ۱۱۱۸ھ) محمد رضا بن محمد اکرم ملتانی (زندہ در ۱۱۷۲ھ)، محمد گلھوی ملتانی (مرید نور محمد ثانی چشتی متوفی ۱۲۰۴ھ) اور محمد سلطان خوشابی (معاصر تیمور شاہ درانی، خوشابی نے ۱۲۰۴ھ میں سکندر نامہ کی شرح لکھی تھی) وغیرہ کی جامی کی کتابوں پر فارسی شرحیں متداول اور مروج رہی ہیں۔[۳۶]

جب برصغیر میں فارسی زبان کی جگہ اردو اور دیگر مقامی و علاقائی زبانوں نے لے لی تب بھی تراجم کے ذریعے جامی کی مقبولیت کا سلسلہ جاری رہا۔ جناب پروفیسر اختر راہی نے اپنی کتاب "تراجم کتب فارسی بہ زبان ھای پاکستانی" (زیر طبع) میں فارسی کتب کے پاکستانی زبانوں میں مختلف تراجم کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کے حوالے سے جامی کی صرف یوسف و زلیخا کے نو (۹) منثور و منظوم تراجم معلوم ہیں۔

آثار جامی کی ترویج میں برصغیر کے مدارس و مکاتب کا بھی بڑا حصہ رہا ہے۔ جامی کی "فوائد الضیائیہ" (شرح کافیہ) اور اس پر عبدالغفور لاری کا حاشیہ یہاں کے دینی مدارس میں ملا نظام الدین محمد سہالوی (م ۱۱۰۳ھ/ ۱۶۹۲ء) کے وضع کردہ اور ترمیم شدہ "درس نظامی" کا باقاعدہ نحوی نصاب رہا ہے۔[۳۷]

پاک وہند کی مساجد و محافل میں مولانا جامی کی پڑسوز اور دلگداز فارسی نعتوں اور غزلوں سے سوز و ساز رہا ہے۔

۴۔ ہندوستانی علماء و شعراء سے ملاقاتیں

برصغیر میں جامی کے افکار کے انتقال کے سلسلے میں ہم ایسی ملاقاتوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے" جو یہاں کے دانشوروں اور جامی کے مابین واقع ہوئیں۔ اس سلسلے میں ہمیں برصغیر کے ایک مشہور اور کثیر التصانیف عالم جمالی دہلوی کی جامی سے مفصل نشست کا حال دستیاب ہوا ہے۔

شیخ جمالی دہلوی (ولادت شائد ۸۶۲ھ۔ متوفی ۹۴۲ھ)

حامد بن فضل اللہ جمالی دہلوی اپنے زمانے کے نامور شاعر، ادیب، سیاح اور صوفی گذرے ہیں۔ انہوں نے علم و ادب کی مجلسوں کو رونق بخشی۔ مشائخ و صوفیہ کے معتقد و معتمد اور امراء و سلاطین کے جلیس و ندیم رہے۔ ان کی شاعری کی داد حضرت جامی نے دی۔ انہیں "خسرو ثانی" کا لقب سزاوار ہوا۔ وہ صاحب دیوان شاعر ہیں۔ انہوں نے مرآۃ المعانی اور مہر و ماہ جیسی بلند پایہ مثنویاں لکھیں۔ فارسی نثر میں اُن کی یادگار "سیر العارفین" ہے جو برصغیر پاک وہند کے اجل مشائخ و صوفیہ کا اولین تذکرہ ہے۔[۳۸]

مولانا جمالی نے ۸۹۷ھ اور ۹۰۱ھ کے مابین عرب وعجم کے اسلامی ممالک کا ایک طویل سفر کیا۔ اس سفر میں وہ ہرات بھی گئے اور وہاں کے علمی مشاہیر بالخصوص جامی سے ملے بلکہ ہرات میں جمالی کا قیام جامی ہی کے ہاں تھا۔ جمالی نے "سیر العارفین" میں اس سفر کی روداد لکھی ہے اور جامی کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ احقر الانام (جمالی) کعبۂ معظمہ کے سفر مقدس میں شہر ہری (ہرات) پہنچا

اور وہاں کے اکابر سے ملا. مثلاً حضرت شیخ صوفی جو شیخ زین الدین خوافی
کے خلفاء میں سے تھے اور حضرت شیخ محمد روجی کہ جو واصلان حق سے تھے اور
حضرت شیخ عبدالعزیز جامی کو جو مشیخت میں ممتاز تھے اور مولانا نورالدین
عبدالرحمٰن جامی کو جو زمانے کے محققین سے تھے اور علم ظاہر و باطن میں بے مثل
تھے اور شاعری میں سعدی روزگار تھے اور خلاصۂ علمائے عظام حضرت شیخ الاسلام
کو جو شاہ اسماعیل (صفوی) کے ہاتھوں سے شہید ہوئے اور اس کے کھلم کھلا
ظلم وزیادتی سے ان کے پاک عقیدے میں فرق نہ آیا اور حضرت مولانا مسعود شروانی
کہ جو علم میں اعلم العلماء تھے اور حضرت مولانا حسین واعظ کو جو مشاہیر زمانہ
سے تھے اور حضرت مولانا عبدالغفور لاری کہ جو حضرت باری تعالیٰ کے مقبول بندوں
میں تھے. اگرچہ یہ تمام بزرگوار اس حقیر (جمالی) سے نہایت محبت رکھتے تھے لیکن
اس درویش کی قیام گاہ حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی کا مکان تھی.

میں ایک دن اُن (جامی) کے حجرۂ خاص میں اُن کے پاس بیٹھا تھا اور
حضرت شیخ فخرالدین عراقی کی کتاب "لمعات" رکھی تھی. اچانک حضرت مولانا عبدالرحمٰن
جامی نے حضرت شیخ صدرالدین قونیوی کی تعریف میں مبالغہ کیا. (شیخ صدرالدین
قونیوی) حضرت محی الدین ابن عربی کے مرید تھے. (شیخ جامی نے) فرمایا کہ "یہ لمعات"
ان عالی درجات (شیخ صدرالدین قونیوی) کی توجہ کا نتیجہ ہے کہ حضرت
شیخ فخرالدین عراقی نے تحریر کر دیا ہے. اُن کا یہ فرمانا مجھے کچھ اچھا نہیں لگا.
میں نے کہا کہ ہر شخص کا مرتبہ حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جو اس کا عطیہ
ہے.

حق تعالیٰ کے حکم سے اسی شب مولانا مشار الیہ (جامی) نے خواب

میں دیکھا کہ ایک پُرنور چبوترہ ہے اور اس پر شیخ المشائخ والاولیا شیخ صدرالدین عارف درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں اور مولانا فخرالدین عراقی حضرت کے جوتے لئے ہوئے باادب کھڑے ہیں اور اس فقیر (جمالی) کی طرف اشارہ کیا۔ تم بھی اس مجلس میں موجود ہو۔ میں (جامی) بھی داخل ہوا اور حضرت (صدرالدین عارف) کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر شرف حاصل کیا۔ چنانچہ اُن کی دہشت نے مجھ پر اثر کیا اور تم (جمالی) مجھ سے کہتے ہو کہ حضرت (فخرالدین عراقی) کا مرتبہ معلوم ہوا۔ میں (جامی) کہتا ہوں کہ حق تمہاری (جمالی کی) جانب تھا ___ جب صبح کے وقت مولانا مشارالیہ (جامی) سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ خواب بیان کیا اور ان (بزرگوں) کی روح پاک کے لئے فاتحہ پڑھی۔"[39]

ہرات میں قیام کے دوران میں جمالی ایک دفعہ مولانا جامی اور مولانا لاری کو ساتھ لے کر سید امیر حسینی ہروی (م ۷۱۸ھ) مؤلف "نزہتہ الارواح" کی قبر پر بھی گئے۔[40]

بندرابن داس خوشگو نے "سفینۂ خوشگو" (تالیف ۱۱۴۷ھ)[41] اور آفتاب رائے لکھنوی نے "ریاض العارفین" (تالیف ۱۱۶۱ھ)[42] میں بھی جمالی اور جامی کی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ البتہ ان ہندوستانی تذکرہ نگاروں نے بتقریب ملاقات کا حال بے حد مضحکہ خیز انداز میں لکھا ہے۔[43]

برصغیر میں جامی کے شاگرد

جامی نے مکتب کھول کر باقاعدہ درس و تدریس کی ___ وہ عقلی و نقلی علوم کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے جس پر ان کی تصانیف بہترین گواہ ہیں، بالخصوص وہ کتابیں جو انہوں نے اپنے بیٹے ضیاءالدین یوسف کی تعلیم و تربیت کے لئے لکھی تھیں۔ لوگ ان کی صحبت میں آکر علمی اور روحانی استفادہ کرتے تھے۔

ہندوستان میں جامی کے بلا واسطہ شاگردوں میں کاہی اکبرآبادی اور بالواسطہ (روحانی) شاگردوں میں شہزادہ داراشکوہ کا ہم بطور خاص ذکر کریں گے۔

۱۔ کاہی اکبرآبادی (۸۶۸ - ۹۸۸ھ)۔

ابوالقاسم نجم الدین محمد کاہی سمرقند کے سادات میں سے تھے۔ چالیس پچاس سال کابل میں رہے۔ بالآخر ہندوستان آگئے۔ بھکر (سندھ) میں شاہ جہانگیر ہاشمی (م ۹۴۶ھ) سے ملے۔ ۹۴۰ھ تا ۹۵۶ھ گجرات (ہند) میں مقیم رہے۔ ۹۵۶ھ میں دوبارہ کابل چلے گئے مگر ۹۶۱ھ میں شہزادہ اکبر کی ملازمت اختیار کر کے ہندوستان لوٹ آئے اور باقی زندگی اکبرآباد (آگرہ) میں گذاری۔ فن موسیقی اور معما میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ دیوان اشعار اور رسالہ منظوم معما وغیرہ ان سے یادگار ہے۔[۴۴]

کاہی نے نوجوانی میں جامی سے ملاقات اور تحصیل علم کی تھی۔

قدرت اللہ گوپاموی "نتائج الافکار" میں لکھتے ہیں:

"(کاہی) بخدمت مولانا جامی فائز گشتہ۔"[۴۵]

رضا قلی خان ہدایت "ریاض العارفین" میں رقمطراز ہیں:

"(کاہی) درسن شباب کسب علوم در پیش مولانا عبدالرحمٰن جامی نمود۔"[۴۶]

قانع تتوی "مقالات الشعراء" میں کاہی کے حالات کے ضمن میں بتاتے ہیں:

"درسن پانزدہ سالگی خدمت مولوی جامی دریافت۔"[۴۷]

۲۔ محمد داراشکوہ (۱۰۲۴ - ۷۰ یا ۱۰۶۹ھ)

شاہجہان پادشاہ کا فرزند اکبر تھا۔ اسلامی اور ہندو تصوف پر اس کا وسیع مطالعہ تھا۔ اس کی تالیفات میں سے سفینۃ الاولیاء، سکینۃ الاولیاء، حسنات العارفین، مجمع البحرین اور حق نما قابل ذکر ہیں۔

سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ نے جامی کے حالات زندگی بھی درج کئے ہیں۔ اُن کے مذہب کے بارے میں داراشکوہ نے لکھا ہے کہ وہ حنفی المذہب تھے اور عوام کے درمیان یہ شہرت صحیح نہیں کہ وہ (جامی) شافعی المذہب تھے۔ اس کے بعد جامی کی تصانیف کے بارے میں اظہار رائے کرتے ہوئے داراشکوہ نے لکھا ہے:

"ان کی چوالیس تصانیف مطابق اعداد لفظ "جام" ہیں اور یہ سب کی سب دنیا میں مشہور ومعروف ہیں کسی کو ان پر اعتراض نہیں۔ ان کی بہترین تصانیف میں سے شواہد النبوۃ اور نفحات الانس ہیں جو لطیف مضامین اور دقیق نکات سے مملو ہیں۔ دیوان اوّل کی غزلیات اور مثنوی یوسف وزلیخا کے اشعار کی نظیر نہیں ملتی۔"[۴۸]

اس کے بعد مصنف نے جامی کی نسبت اپنی عقیدت کا یوں اظہار کیا ہے:

"یہ فقیر ہمیشہ ان (جامی) کی منثور ومنظوم تصانیف کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کلام حقیقت انتظام کی برکت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور یہ کتاب (سفینۃ الاولیاء) لکھ رہا ہوں تو یہ سب ان (جامی) ہی کی شاگردی اور تتبع کا حاصل ہے۔"[۴۹]

ہندی شعراء سے متاثر ہونا

الف۔ امیر خسرو دہلوی (۶۵۱-۷۲۵ھ)

مولانا جامی ہندوستانی شعراء میں سے پہلے درجے پر یمین الدین ابوالحسن خسرو دہلوی سے غیر معمولی طور پر متاثر تھے۔ آثار جامی سے ہمیں اس کے متعدد ظاہری اور معنوی شواہد ملتے ہیں۔

خسرو کی ظاہری تقلید

جامی نے اپنا خمسہ (دو مثنویات کے اضافہ کے ساتھ) خسرو (اور نظامی) کے پنج گنج ہی کی پیروی میں لکھا ہے۔ اس امر کا اظہار اور اعتراف انہوں نے "خرد نامۂ اسکندری" میں کیا ہے:

نظامی کہ استاد این فن ویست	ازین بزمگہ شمع روشن ویست
ز ویرانۂ گنجہ شد گنج سنج	رساند گنج گہر را بہ پنج
چو خسرو بآن پنجہ ہم پنجہ شد	وزان بازوی فکرتش رنجہ شد
من و شرمساری زدہ گنجشان	کہ این پنج من نیست دہ پنجشان[۵۹]

اپنا دیوان اشعار مرتب کرتے وقت بھی جامی کے پیش نظر خسرو کے دواوین ہی تھے چنانچہ انہوں نے انہی دواوین کی ترتیب کے مطابق اپنی عمر کے ابتدائی، وسطی اور آخری حصے میں کہے گئے اشعار کو تین دواوین پر تقسیم کیا۔ (تفصیل صفحہ ۲۳۳ پر آئے گی)۔

خسرو کی معنوی تقلید

جامی کے قصائد "جلاء الروح" اور "لجۃ الاسرار" خسرو کے قصائد کی تقلید میں لکھے گئے ہیں (تفصیل صفحہ ۲۴۴ پر آئے گی)۔ غزلیات میں خسرو کا رنگ موجود ہے۔ اس ضمن میں مزید تحقیق ہم فارسی شعر کا اسلوب پہچاننے والوں پر چھوڑتے ہیں۔

شرح اشعار خسرو

تتبع اور تقلید سے ہٹ کر جامی نے خسرو کے متفرق اشعار کی شرح بھی لکھی ہیں۔ مثلاً خسرو کے شعر

ز دریائے شہادت چون نہنگ لا برآرد سر
تیمم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

اور خسرو کی مثنوی "قران السعدین" کے بیت

ماہ نوی کامل وی از سال ہست

گشتہ، یکی ماہ بدہ سال راست

کی شرح پر جامی کے مستقل رسائل موجود ہیں۔(تفصیل کیلئے صفحہ ۲۷۵ ملاحظہ ہو)۔

ب۔ سید محمد غوث قادری اوچی (۸۰۲ یا ۸۳۳-۹۲۳ھ)

آپ حلب میں پیدا ہوئے اور سفر کرتے ہوئے لاہور پہنچے۔ یہاں ہندوستان کے دیگر مقامات کی سیروسیاحت کے بعد واپس حلب چلے گئے مگر ہندوستان میں مستقل قیام کی خواہش کے پیش نظر دوبارہ براستہ ملتان، رمضان ۸۸۷ھ میں اوچ (پنجاب۔ پاکستان) پہنچے اور وہیں اقامت اختیار کی۔ اس خطّے میں انہوں نے سلسلۂ قادریہ کو فروغ دیا۔ ان کی علمی یادگاروں میں "مفتاح الاخلاص" (فارسی) اور "دیوان قادری" (فارسی) موجود ہیں۔[۵۱]

انہیں شعر گوئی سے بھی رغبت تھی۔ اکثر شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) کے مناقب منظوم کرتے، انکی غزلیات و ترجیعات کا دیوان (دیوان قادری) موجود ہے۔[۵۲] جب مولانا جامی نے ان کے فضائل کا چرچا سنا تو وہ بھی اپنے اشعار، سید قادری کو بھیجنے لگے۔[۵۳]

یہ وہ چند جہات تھیں جو جامی اور پاک و ہند کے روابط اور تعلقات کو نمایاں کرتی ہیں۔ اب جب کہ ہمارے ہاں فارسی زبان اور ادب سے دلچسپی بہت کم ہوتی جا رہی ہے اور مولوی رومی، سعدی اور حافظ سمیت جامی بھی پس پردہ جا رہے ہیں تو ہم جامی کے احوال و آثار پر زیر نظر ترجمہ کو جامی کے ساتھ اپنے دیرینہ قلبی اور معنوی تعلقات کی صدائے باز گشت کہیں گے۔

زیر نظر کتاب

جامی سے میری ذاتی اور باقاعدہ شناسائی، ۱۹۷۰ء میں کتابخانۂ گنج بخش مرکز

تحقیقات فارسی ایران و پاکستان. راولپنڈی سے وابستگی کے بعد ہوئی۔ اسی زمانے میں ہم نے جامی کی "شناسائی" کے لئے ایک اُردو مقالہ بھی لکھا۔[۵۴] بعد میں یہ تعارف ایسی گہری عقیدت اور محبت میں تبدیل ہوا کہ اگست ۱۹۷۶ء کی یادگار صبح کو ہم ہرات (افغانستان) میں جامی کی ابدی آرام گاہ کے مقابل سر جھکائے کھڑے تھے۔[۵۵] قبر کی شکست و ریخت اور ویرانی کے منظر نے کسی طور بھی ہماری نظر میں جامی کا ارفع مقام کم تر نہیں کیا بلکہ ہم نے اسے جامی کی وفات کے بعد بھی اُن کی درویشی، سادگی اور استغنا کا نمونہ قرار دیا۔ تاہم اس ضمن میں کہنے کی بات یہ ہے کہ جو ممالک اپنے ہاں کے فارسی اور عربی ادب کو جامی کی کتابوں کے حوالے سے اعلیٰ مقام پر رکھتے ہیں اور اپنے مشترکہ علمی اور ثقافتی ورثہ پر (بجا طور پر) فخر کرتے ہیں۔ انہیں اپنے مورثِ اعلیٰ کی لحد کا مقام بھی پہچاننا چاہیے۔

جامی پر اس کثرت سے مواد موجود ہے کہ اسے یک جا کر کے جامی پر مستقل تذکرہ ترتیب دینا کوئی دشوار کام نہیں ہے۔ ہمیں کتابخانۂ "گنج بخش" مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان میں ایسا بیشتر مواد میسر بھی تھا۔ لیکن ہم نے یہ سمجھتے ہوئے کہ جامی کی سوانح نگاری پر ہمارا کام تکرار کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ کیونکہ جامی کے سوانح اور واقعات زندگی وہی ہیں جو ان پر عمومی اور خصوصی تذکروں کے ذریعے منظر عام پر آچکے ہیں لہٰذا جامی کا زندگی نامہ مرتب کرنے کے لئے کسی تازہ کوشش کی ناگزیر ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ایرانی فاضل جناب علی اصغر حکمت (۱۳۱۰۔۔۔۱۴۰۰ء) کی جامی کے حالات اور تصانیف پر مرتبہ فارسی کتاب "جامی، متضمن تحقیقات در تاریخ احوال و آثار منظوم و منثور خاتم الشعراء نور الدین عبدالرحمٰن جامی، ۸۱۷ - ۸۹۸ ہجری قمری"، مطبوعہ تہران (ایران)، ۱۳۲۰ شمسی ہی مفید ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ایران کے ہائی سکولوں کے طلبہ کے لئے ترتیب دی۔ وہاں بے شک یہ تدریسی ضرورتوں کو پورا کرتی ہوگی لیکن مصنف نے جس جامعیت اور علمی روش کے ساتھ اسے

مرتب کیا ہے اس کے پیش نظر، یہ جامی پر ایک معیاری علمی کتاب قرار دی جا سکتی ہے جو طلبہ کے ساتھ ساتھ جامی پر کام کرنے والے دوسرے لوگوں کے لئے بھی راہنما اور مفید رہی ہے اور برصغیر میں بھی اس سے برابر استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔

چونکہ جامی کی تصانیف پر جناب حکمت کی تحقیقات نامکمل تھیں اس لئے ان کا از سر نو جائزہ لینے کی ضرورت ابھی باقی تھی۔ لہٰذا ہم نے جناب حکمت کی زیر موضوع کتاب میں جامی کے سوانحی حصے کا تو (بعض مقامات پر تلخیص کے ساتھ) ترجمہ ہی ضروری سمجھا، لیکن تصانیف کے حصے کا (ترجمہ اور) تکملہ بھی لکھا، جو ہمارے الگ مقدمہ کے ساتھ زیر نظر کتاب کے صفحہ ۳۴۳ تا ۴۴۸ موجود ہے۔

متن کے بعض ابہامات کو دور کرنے، نواقص کو مکمل کرنے اور جامی سے متعلق تازہ تحقیقات و معلومات یکجا کرنے، واقعات کو با حوالہ اور مستند بنانے کے لئے کتاب پر حواشی لکھنے کی ضرورت (اور افادیت) بھی تھی۔ چنانچہ ہم نے میسر وسایل کے ساتھ یہ کام بھی انجام دیا ہے۔

یہ مقدمہ مصنف کے مختصر احوال و آثار کے بغیر نامکمل رہے گا۔ جب ہم زیر نظر کتاب کو علی اصغر حکمت کی بلند پایہ علمی شخصیت کے تناظر میں دیکھیں گے تو اس کی علمیت اور ثقاہت واضح ہو جائے گی (حکمت یہ کتاب لکھنے سے پہلے وزیر تعلیم و ثقافت اور تہران یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہ چکے ہیں)۔

علی اصغر حکمت

وہ ۱۲۷۲ ہجری شمسی/ ۱۳۱۰ ہجری قمری/ ۹۳-۱۸۹۲ء میں شیراز (ایران) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حشمت الممالک احمد علی تھا۔

تحصیل و تعلیم

ابتدائی تعلیم شیراز کے مدرسۂ قدیمہ منصوریہ میں پائی۔

۱۲۹۷ ش میں امریکن کالج تہران سے ایف۔اے کیا۔

۱۹۳۴ء میں سوربن یونیورسٹی، پیرس (فرانس) سے ایم اے پاس کیا۔

۱۹۵۴ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور اور ۱۹۵۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری پیش کی۔

وہ مصر، عراق اور شام کی عربی اکیڈمی (المجمع اللغۃ العربیہ) کے اعزازی رکن بھی تھے۔

علمی اور سرکاری مشاغل

حکمت نے ۱۲۹۷ ش میں وزارت معارف (تعلیم و ثقافت) میں ملازمت اختیار کی۔

۱۲۹۹ ش میں اسی محکمہ میں اعلیٰ انسپکٹر کے عہدے تک پہنچے۔

۱۳۰۷ ش میں اسی وزارت میں ڈائریکٹر جنرل مقرر ہوئے۔

۱۳۰۹ ش میں ایرانی عدلیہ کی مشہور شخصیت علی اکبر داور کی کوششوں سے حکمت وزارت انصاف میں چلے گئے اور ۱۳۱۲ ش تک وہاں کام کیا۔ اس دوران میں وہ محکمہ کی طرف سے یورپ گئے۔ جہاں انہوں نے اسناد کے اندراج کے قوانین اور طریقوں کا مطالعہ کیا اور ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم بھی جاری رکھی۔

۱۳۱۲ ش میں علی اکبر داور ہی کی کوشش سے حکمت وزارت معارف کے قائم مقام وزیر بن گئے۔

۱۳۱۳ تا ۱۳۱۷ ش وزارت معارف کے مکمل وزیر کی حیثیت سے کام کیا۔

۱۳۱۵ ش میں لینن گراڈ (روس) میں منعقد ہونے والی ایرانی فنون کی نمائش اور کانفرنس

میں ایران کی نمایندگی کی۔

۱۷۔۱۳۱۳۱۳ش تہران یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔

۱۳۱۸ش میں وزیر خارجہ بنا دیے گئے۔

۱۳۲۰ش میں وزارتِ صحت کا قلمدان انہیں سپرد کیا گیا۔ مگر اسے سنبھالنا اُن کے بس کی بات نہیں تھی۔

۱۳۱۹ش میں انہیں تہران یونیورسٹی میں تاریخ مذاہب اور ایرانی ادبیات کی کرسی تفویض کی گئی۔

نومبر ۱۹۴۵ء میں لندن میں منعقدہ یونیسکو کانفرنس میں ایرانی وفد کے سربراہ کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

۱۳۲۵ش میں ایران میں یونیسکو کے صدر بنے۔

۳۱۔۱۳۲۷ش میں شیر و خورشید سرخ ایران سوسائٹی کے نائب صدر اوّل رہے۔

۲۸۔۱۳۲۷ش وزیر امور خارجہ کی حیثیت سے کام کیا۔

۱۹۵۰ء میں فلورنس (اٹلی) میں یونیسکو کی جنرل کانفرنس میں ایرانی وفد کے سربراہ تھے۔

۳۲۔۱۳۲۶ش وزیر مشاور (وزیر بے محکمہ) رہے۔

۲۶۔۱۳۳۲ش ہندوستان میں ایرانی سفیر کی حیثیت سے کام کیا۔

۱۳۳۵ش میں بنکاک (تھائی لینڈ) میں ایرانی ناظم الامور رہے۔

۳۸۔۱۳۳۷ش دوبارہ وزیر خارجہ رہے۔

ان مختلف محکموں اور وزارتوں میں کام کرتے ہوئے جناب حکمت نے کئی کارہائے نمایاں انجام دیے مثلاً جب وہ وزیر معارف تھے تو انہی کی کوششوں سے ایران کا قومی کتب خانہ قائم ہوا، قدیم ایران کا عجائب گھر بنا اور ایران کی کلچرل اکیڈمی کی تاسیس ہوئی۔

تہران یونیورسٹی کی بنیاد بھی انہوں نے رکھی۔ اُن کے عہد میں ایران میں کئی نئے مدارس کھلے۔ بالخصوص قصبات میں متعدد ہائی اسکول اور تربیتی کالج قائم ہوئے۔

علمی کانفرنسیں منعقد کرانے میں بھی جناب حکمت کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔ مثلاً ابن سینا کانفرنس انہوں نے تشکیل دلوائی تھی۔ انجمن آثارِ ملی کے بانیوں کی کمیٹی کے وہ ۱۳۲۴ش-۱۳۳۳ میں صدر ہے۔ علاوہ ازیں کئی دوسری ثقافتی اور معاشرتی انجمنوں اور سوسائٹیوں کے رکن تھے۔

علمی آثار

جناب حکمت علم و ادب سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے۔ کتب کی تدوین، طباعت اور اشاعت میں اُن کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ اس سلسلے میں اُن کے عزم اور ہمت کی زندہ مثال دو ضخیم جلدوں میں کتاب "ایرانشہر" کی تدوین و تالیف اور اشاعت ہے۔ یہ کتاب ایران سے متعلق موضوعی دائرۃ المعارف ہے جو مدتوں حوالے کے لئے استعمال ہوتی رہے گی۔

حکمت کی تصانیف میں ان کا روزنامچہ بے حد متنوع اور دلچسپ ہے۔ وہ کئی سال تک روزانہ اپنی یاد داشتیں قلمبند کرتے رہے۔ ایران کے آخری ساٹھ سالوں کی تاریخ کی تدوین کے لئے اس روزنامچہ سے استفادہ بے سود نہ ہوگا۔

حکمت نے ایک اچھا ذخیرۂ کتب جمع کیا تھا جو کئی سال پہلے انہوں نے تہران یونیورسٹی کو عطا کر دیا تھا۔ اس ذخیرہ کی بیشتر کتابیں تاریخی اور ادبی تحقیقات سے متعلق ہیں۔ چونکہ جناب حکمت نے مختلف ممالک کے کئی سفر کئے تھے اس لئے ان کے کتب خانہ میں ان ممالک کی کئی اہم اور قیمتی کتب جمع ہو گئی تھیں۔ اس کتب خانہ کا اہم حصہ یقیناً مخطوطات ہیں جن کی فہرست جناب محمد تقی دانش پژوہ نے مرتب اور طبع کی ہے۔ حکمت نے بعض مخطوطات جو انہیں وراثت میں ملے تھے انکی بخانۂ آستانِ قدس رضوی۔ مشہد (ایران) کو

سپرد کر دیے تھے۔

تألیفات۔ فارسی

ذیل میں حکمت کی تألیفات کی تألیف اور طباعت کے سالوں کے مطابق فہرست درج کی جاتی ہے۔

۱۳۰۵-۷ش۔ تقویم معارف۔ تہران۔ ۱۹۰+۱۸۸ص۔

۱۳۱۷ش۔ مطالعۂ تطبیقی رمئو وژولیت بالیلی ومجنون (شیکسپیر کی رومیو اینڈ جولٹ اور نظامی گنجوی کی مثنوی لیلی و مجنون کا تقابلی جائزہ) تہران، ۱۳۱۷ش، ۲۴۸ص۔

۱۳۱۹-۲۰ش۔ درسی از دیوان حافظ۔ تہران، ۱۳۱۹/۲۰ش۔ ۶۸ص۔ طبع دوم۔

۱۳۲۰ش۔ جامی (متضمن تحقیقات در تاریخ احوال وآثار منظوم ومنثور خاتم الشعراء نور الدین عبد الرحمن جامی) تہران، ۱۳۲۰ش، ۴۱۳ص۔

۱۳۲۳ش۔ پارسی نغز۔ تہران، ۱۳۲۳ش، ۵۶۲ص، اور تہران، ۱۳۳۰ش، ۵۶۲ص۔

۱۳۲۶ش۔ امیر علی شیر نوائی۔ تہران، ۱۳۲۶ش۔ ۳۲ص۔

" ، ایران در فرہنگ جہان۔ تہران، ۱۳۲۶س، ۲۴ص۔

" ، شادباش نوروزی، تہران، ۱۳۲۶ش۔ ۷ص۔

۱۳۳۰ش۔ ایا صوفیا۔ تہران۔ ۱۳۳۰ش، ۱۲ص۔

۱۳۳۱ش۔ حروف مقطعہ قرآنیہ یا فواتح سور (فصلی از تاریخ قرآن)۔ نشریہ مجلہ مہر، تہران ۱۳۳۱ش۔ ۱۱ص۔

۱۳۳۳ش۔ امثال قرآن (فصلی از تاریخ قرآن کریم)۔ تہران۔ ۱۳۳۳ش، ۳۵۲ص۔

۱۳۳۷ش۔ سرزمین ہند، تہران، ۱۳۳۷ش، ۵۴۷ش۔

۱۹۵۶ء نفتق پارسی بر اخبار ہند۔ کلکتہ، ۱۹۵۷ء۔ ۱۱۱ص۔ تہران، ۱۳۳۸ش، ۱۴۸ص

طبع دوم۔

۱۳۳۹ش ۔ نہ گفتار در تاریخ ادیان۔ دو جلد۔ تہران، ۱۳۳۹ش ۱۹۱+۱۱+۲۴۸ص
طبع اوّل ۔اس کے بعد دو مزید اشاعتیں ہوئیں ۔

۴۴-۱۳۴۳ش ۔ ایرانشہر۔ (ایران میں یونیسکو کی مدد سے مشترک طور پر تالیف کی گئی)۔
دو جلد۔ تہران ۱۳۴۴ش ۔

۱۳۵۱ش ۔ سخن حکمت (مجموعۂ اشعار حکمت) باہتمام حسن سادات ناصری، ۹۹۳ص۔

۱۳۵۴ش۔ کلات طیّبات (مجموعۂ منظومات از کتب آسمانی و سخنان قدسی)، مرتّبہ
منوچہر ستودہ، ۲۲۱ص ۔

۱۳۵۵ش ۔ سی خاطرہ ۔ ۳۹۸ص ۔

۱۳۵۶ش ۔ گلزار حکمت (مجموعہ ای از نوادر و اشعار و حکایت و امثال) ۵۴۴ص۔

تالیفات ۔ انگریزی

۱۹۴۶ء۔ فیتز جرالد و جامی۔ تہران ۔

۱۹۵۶ء۔ نظریاتی دربارۂ ادبیات ایران ۔ کلکتہ ۔

تالیفات ۔ فرانسیسی

۱۹۵۲ء۔ سیّد علی ہمدانی ۔

۱۹۵۷ء۔ شفیعا شاعر امی۔ دمشق۔

تراجم ۔ بفارسی

۱۳۳۰ھ۔ق/تقریباً ۱۲۹۲ش۔ دوستداران وطن ۔

۱۲۹۵ش ۔ راہ زندگانی ۔ تالیف نیکلا حداد مصری۔ تہران ۱۳۴۶ھ ۔ق ۔ ۱۲۶ص۔

۱۳۱۶ش ۔ اصول مناظرہ ۔ تالیف چارلس ہانسن امریکائی۔ مجلّہ تعلیم و تربیت، سال ہفتم

شمارہ ۲۔ سال ۱۳۱۶ اس۔ ۱۲ ص۔

۱۳۲۱ش۔ پنج حکایت۔ از ولیم شیکسپیئر۔ دو جلد۔ لاہور اور تہران سے دوبار شائع ہو چکی ہے۔

۱۳۲۷ش۔ از سعدی تا جامی (تاریخ ادبیات ایران) تالیف ایڈورڈ براؤن انگلیسی، تہران سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔

۱۳۳۶ش۔ شکونتلا یا انگشتر گمشدہ۔ تالیف کالیداس، بمبئی، ۱۳۳۶ش، ۱۱+۱۷۵+ ۱۳۰ ص۔

۱۳۳۹ش۔ رستاخیز۔ از لیون ٹالسٹائی۔ تہران، ۱۳۳۹ش۔ ۷۴۵ ص۔

۱۳۴۰ش۔ اسلام از نظرگاہ دانشمندان غرب۔ تہران ۱۳۴۰ش۔ ۲۴۲ص، طبع دوم۔

۱۳۴۱ش۔ الواح بابل۔ تالیف ایڈورڈ شیئرا۔ تہران ۱۳۴۱ش۔ ۳۰+۲۴۸ ص۔

۱۳۴۴ش۔ تاریخ ادیان۔ از جان بی ناس۔ تہران۔ ۱۳۴۵ش، ۴۳۳ ص، ۱۳۴۸ش تک اس کتاب کی چار بار اشاعت ہو چکی تھی۔

۱۳۵۳ش۔ فلسفۂ نشو و ارتقاء۔

۱۳۵۵ش۔ تاریخ باستانی ایران بر بنیاد باستان شناسی۔ از آرنسٹ ہرٹسفیلڈ، ۱۲۷ ص۔

بلا تاریخ۔ امین و مامون، از جرجی زیدان۔

تصحیح متون

۱۳۲۳ش۔ سہ رسالہ از سید صدر ثانی۔

۱۳۲۳ش۔ مجالس النفائس۔ اصل متن بزبان ترکی از امیر علی شیر نوائی۔ فارسی ترجمہ از فخری ہراتی موسوم بہ لطائف نامہ ترجمۂ دیگر از شاہ محمد قزوینی۔ یہ دونوں ترجمے ایک جلد میں

علی اصغر حکمت کے حواشی کے ساتھ تہران سے ۱۳۲۳ش میں ۱۷۴ صفحات میں شائع ہوئے تھے۔

۳۹۔ ۱۳۳۱ش۔ کشف الاسرار وعدۃ الابرار (تفسیر قرآن) از رشید الدین ابوالفضل میبدی۔ دوسروں کی شراکت کے ساتھ تصحیح ہوئی۔ تہران۔ دس جلدیں۔

۱۳۳۳ش۔ تفاسیر بوعلی سینا، از قرآن مجید۔ مجلہ دانشکدۂ ادبیات دانشگاہ تہران۔ جلد ۱، شمارہ ۴ (۱۳۳۳ش)۔

۱۳۳۶ش۔ رسالۂ معرفۃ المذاہب۔ مجلّہ دانشکدۂ ادبیات، دانشگاہ تہران، جلد ۴۔ شمارہ ۱، ص ۱–۱۷۔

مقالات

علی اصغر حکمت وزارت معارف ایران کے سرکاری ماہنامہ "تعلیم وتربیت" کے تین سال تک (۱۳۰۴–۱۳۰۶ش) مدیر رہے۔ انہوں نے مختلف ممالک کے رسائل میں مختلف زبانوں میں متعدد موضوعات پر مقالات لکھے۔ ان کے فارسی مقالات کی فہرست کے لئے ملاحظہ ہو:

"فہرست مقالات فارسی" مرتبہ ایرج افشار۔ تہران ۱۳۴۸ش۔ جلد اوّل، ص ۸۷۵۔
"فہرست راہنمائے مقالہ نگاران" بذیل مادہ "حکمت، علی اصغر"

جلد دوم (تہران، ۱۳۴۸ش)، "فہرست راہنمائے مقالہ نگاران" تحت مادّہ "حکمت، علی اصغر" ص ۶۴۳

وفات

علی اصغر حکمت معروف اور طویل سیاسی اور علمی زندگی گذار کر اوائل شہریور ۱۳۵۹ش/ شوال ۱۴۰۰ھ ق/ اگست ۱۹۸۰ء میں تہران میں وفات پا گئے۔[۳۵]

جب اپریل ۱۹۸۰ء میں ہم نے اُن کی زیرِ نظر کتاب کا ترجمہ شروع کیا تو ہماری خواہش تھی کہ ترجمہ کی تکمیل کے بعد مصنف (حکمت) کو اس کی اطلاع دیں گے اور ان سے تقریظ لکھوائیں گے۔ لیکن ہمارے کام کی تکمیل سے پہلے ہی مصنف کا باب زندگی ختم ہوگیا اور ہماری یہ دلی آرزو پوری نہ ہوسکی۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔

سپاسگزاری

مولانا جامی ایران و افغانستان اور برصغیر پاک و ہند کا مشترکہ ورثہ ہیں سب ان پر اور وہ سب پر برابر کا حق رکھتے ہیں۔ اخلاف کی طرف سے حق ادا کرنے میں سب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور زیرِ نظر کتاب کو موجودہ شکل میں پیش کرنے کے لئے مجھے اس پورے علاقے کے کئی کتب خانوں، متعدد کتابوں اور کتاب نویسوں کی معاونت اور راہ نمائی حاصل رہی۔ کتاب کے فارسی سے اُردو ترجمہ کا کام چنداں مشکل نہیں تھا لیکن مولانا جامی کے آثار کی فہرست میں اضافہ کرنا یقیناً کنواں کھود کر پانی پینے کے مترادف تھا۔ تحقیق و تلاش کے سارے چشمے فہارس کتب سے پھوٹتے ہیں اور تصنیف و تالیف کے شہر میں داخل ہونے کے لئے کتب مراجع کے باب الابواب سے گذرنا پڑتا ہے۔ مگر ہمارے ہاں مخطوطات، مطبوعات، مقالات، اعلام کی فہارس اور ایسی ہی دیگر حوالہ جاتی کتابوں کی تدوین کا کام ابتدائی مراحل میں ہے۔ اس میدان میں پاکستان سے باہر ہونے والے کام کا پاکستان میں کم یاب ہونا اور اس کے بعد اس کا ایک مقام پر دستیاب نہ ہونا ایک الگ مشکل ہے۔ ان تمام مشکلات میں ہماری امید کا چراغ حکومت پاکستان و ایران کا راولپنڈی۔ اسلام آباد میں قائم کردہ تحقیقی ادارہ "مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان" رہا ہے۔ جہاں نہ صرف پاکستان میں موجود متفرق مخطوطات پر جامع کام ہو رہا ہے بلکہ غیر ممالک

بالخصوص ایران میں طبع ہونے والی کتب مراجع بھی کسی حد تک دستیاب ہو جاتی ہیں.
ہم نے اس ادارہ کے کتب خانہ گنج بخش سے بھرپور استفادہ کیا. وہاں کے فاضل فہرست
نگار جناب احمد منزوی[۵۷] اول تا آخر ہمیں اپنی جامع معلومات سے بہرہ ور کرتے رہے اور برابر
ہمارا حوصلہ بڑھاتے رہے. خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ (بھارت) فقیر خانہ لاہور،
کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور اور کتب خانہ آستان قدس رضوی مشہد (ایران)
کے کارپردازوں نے بھی مخطوطات سے استفادہ کرنے اور کتب کے عکس فراہم کرنے میں
ہماری مدد فرمائی جس کے لیے ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں.

تہران میں ہمارے فاضل دوست اور کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد کے سابق کتابدار
جناب محمد حسین تسبیحی[۵۸] نے بھی ہمیں موضوع سے متعلق مواد فراہم کیا اور وہاں سے ہماری
حوصلہ افزائی جاری رکھی. ان کا شکریہ ادا کرنا بھی واجب ہے.

ایران کے مشاق خطاط جناب جلیل رسولی[۵۹] سے پاکستان میں ملاقات کی خوشگوار یاد
کو ہم نے سرورق پر محفوظ کر لیا ہے کتاب ہذا کے صفحۂ عنوان کی دل نشین صریر انہی کی
خامہ سے بلند ہو رہی ہے.

محترم پروفیسر اختر راہی[۶۰] جامعہ اسلامیہ. اسلام آباد بھی جامی سے متعلق اپنی نظر سے
گزرنے والی ہر چیز کی مجھے برابر اطلاع دیتے رہے. ہم اس کتاب پر ان کی ماہرانہ رائے کے
بھی منتظر رہیں گے.

بالکل آخری مرحلہ پر ہمیں پاکستان ہی میں افغانستان کی معروف سیاسی اور
علمی شخصیت جناب خلیل اللہ خلیلی[۶۱] سے ملاقاتوں کی نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو گئی. وہ اس کتاب
کا سارا مسودہ بڑی دلچسپی سے دیکھتے رہے اور اس کے حواشی و تکملہ کے اہم حصوں کا فارسی
ترجمہ سنتے رہے اور اپنی صائب رائے دیتے رہے. انہوں نے اس کتاب پر تقریظ لکھ کر اپنی پسندیدگی

کا اظہار فرمایا ہے جو یقیناً میرے لئے وجۂ افتخار ہے۔ میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔

پہلے صرف کتابوں کی تالیف و تدوین اور انہیں چھپوانے میں مشکلات کا تجربہ ہوتا رہا ہے مگر اس دفعہ ہاتھی تو گذر گیا لیکن کتابت کے ناکے میں ہاتھی کی دم پھنس گئی۔ ہمارا پہلا کاتب مسودہ لے کر غائب ہو گیا مگر ہم اس کے اس لئے بے نہایت احسان مند ہیں کہ تلاشِ بسیار کے بعد اس سے صحیح و سلامت مسودہ کی بازیابی ہو گئی۔ کتاب کے بقیہ حصہ کی کتابت کے لیے بھی ہمیں صبر آزما انتظار کرنا پڑا لیکن اس تاخیر کی وجہ سے ساتھ ساتھ کتاب میں نئی معلومات بڑھتی رہیں اور اس طرح انتظار کی کوفت کی تلافی کا سامان پیدا ہوتا رہا۔ ہم مولانا عبدالعزیز (راولپنڈی) کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے بڑی محنت سے یہ متن کتابت کیا ہے۔

بحیثیت ناشر کے جناب میاں محمد زبیر احمد ہمارے شکریے کے مستحق ہیں مگر انہوں نے زیر نظر موضوع کی تکمیل کے دوران میں جس غیر ناشرانہ غیر جانبداری اور غیر تاجرانہ عدم مداخلت کا مظاہرہ کیا ہے اس نے میرے لئے آخری وقت تک تلاش و تکمیل کے راستے کھلے رکھے اور میں بے نہایت اطمینان سے یہ جامی نامہ پیش کر سکا ہوں۔

تشکر و امتنان کا یہ سلسلہ صرف مذکورہ احباب تک ہی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ جب یہ کتاب سب کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی تو وہ لوگ بھی ہمارے کرمفرماؤں کے حلقے میں داخل ہو جائیں گے جو اس کتاب کے محتویات و مندرجات کی صحت کے بارے میں اپنی وقیع رائے کا اظہار فرمائیں گے۔

متوطن، ساہن پال شریف۔ ضلع گجرات
مقیم: راولپنڈی (۴۶۔ اے سیٹلائٹ ٹاؤن)
۲۶ مارچ ۱۹۸۳ء — اپنی عمر کے ۲۸ سال مکمل ہونے پر

سید عارف نوشاہی

مزار مولانا جامی
عارف نوشاہی
ہرات

حواشی

۱، ۲، ۳ از سعدی تا جامی: ۴۵، ۴۰، ۷۵، ۹۲۔

۴ فرہنگ سخنوران: ۱۲۴-۱۲۵۔

۵ از سعدی تا جامی: ۴۸-۴۷۔

۶ ایضاً: ۳۹، حاشیہ۔

۷ تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۴۲۔

۸ ایضاً: ۱ (مقدمۂ لاری)۔

۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲: یہ تمام کتب دراصل وہ مقالات (Thesises) ہیں جو ایرانی طلبہ نے تہران یونیورسٹی تہران سے ایم اے کی سند حاصل کرنے کے لئے لکھے۔ ان سب مقالات کا ذکر محترمہ مہری دخت بشارت نے "فہرست رسالہ ہای تحقیلی دانشگاہ تہران، جلد اول، دورہ ہای لیسانس دانشکدۂ ادبیات وعلوم انسانی" میں علی الترتیب صفحات ۷۱، ۱۸۶، ۱۱۵، ۱۰۷ پر کیا ہے۔

۱۳ فہرست کتب چاپی دری افغانستان: ۹۰۸ عدد مسلسل۔

۱۴ جامی: ۵۳۱ (فارسی متن)۔

۱۵، ۱۶ انشای جامی: ۴۶-۴۷۔

۱۷ تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۳۷۔

۱۸ صفا: تاریخ ادبیات در ایران ۴: ۴۹۹-۵۰۱ ملخصاً۔

۱۹ انشای جامی: ۴۲۔

جناب ڈاکٹر محمد باقر لکھتے ہیں کہ انشائے جامی میں نو خطوط ایسے ملتے ہیں کہ ان کا مخاطب ایک شخص ملقب بہ جلال الحق والملت غیاث الاسلام والدین ومغیث المسلمین ہے جو

اس زمانے میں ہندوپاک کا ملک التجار تھا، بظاہر یہ ایک قابلِ احترام شخص اور رموز عرفان تصوف سے واقف تھا لیکن موجودہ وسایل کے پیشِ نظر اس شخص کے حالات (زندگی) معلوم نہیں ہیں۔ مقالۂ "روابط ... جامی با ہندوپاکستان" ص ۵۳-۵۴ مندرج در "تجلیل پنجصد وپنجاہمین سال تولد ... جامی"۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ "ملک التجار" محمود گاوان ہی تھا۔ نوشاہی۔

۲۰؎ صفا: تاریخ ادبیات در ایران ۴: ۵۰۷-۵۰۸۔

۲۱؎ ریاض الانشاء، مخطوطہ گنج بخش، اسلام آباد۔ نمبر ۳۹۱۲، ص ۷۸۔

۲۲؎ انشای جامی: ۴۶-۴۷۔

۲۳؎ ایضاً: ۹۴۔

۲۴؎ مدرسہ محمود گاوان بیدر (پمفلٹ) مکتبہ زبیر کراچی ۱۳۹۴ھ، ص ۵۶-۵۷، وہاں لکھا ہے کہ جامی نے نفحات الانس کو محمود گاوان کی فرمایش پر تصنیف کیا جو صحیح نہیں۔

۲۵؎ انشای جامی: ۱۰۶۔

۲۶؎ محمد باقر: مقالہ "روابط ... جامی با ہندوپاکستان" ص ۵۵۔

۲۷؎ تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۳۷۔

۲۸؎ انشای جامی: ۹۴-۹۵۔

۲۹؎ ایضاً: ۱۰۶۔

۳۰؎ خزینۃ الاصفیاء ۱: ۱۱۶۔

۳۱؎ تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۱۷-۱۸۔

۳۲؎ مرآت الخیال: ۳۷۔

۳۳؎ سبک شناسی یا تاریخ تطور نثر فارسی ۳: ۲۲۷۔

۳۴؎ مسودہ کتب خانۂ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔ راولپنڈی میں ہے۔

۳۵؎ ان ایڈیشنوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

۱۔ فہرست کتابہای چاپی فارسی از خانبابا مشار ۵: ۵۶۰۷-۵۶۰۸۔

2. Arberry, A. J. :

Cat : of the Library of the India Office, Vol : II,

Part VI (Persian Books), P562-63.

۳۶؎ ان شروح کا ذکر عام فہارس مخطوطات کے علاوہ "فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانۂ گنج بخش"، تالیف احمد منزوی، جلد سوم (فارسی) بخش بیست و ہفتم (منظومہ و شرح منظومہ)، ص ۱۸۸۴-۱۵۰۵ میں بھی مل جاتا ہے۔

۳۷؎ تذکرۂ مصنفین درس نظامی: ۱۸ و ۲۰۔

۳۸؎ سیر العارفین (اردو ترجمہ)، ابتدائیہ از محمد ایوب قادری، ص ۱۹۔

۳۹؎ ایضاً: ۱۹۶-۱۹۸۔

۴۰؎ ایضاً: ۱۵۳۔

۴۱؎ سفینۂ خوشگو، مخطوط مخزونہ دانشگاہ پنجاب لاہور، ورق ۱۲ ب۔

۴۲؎ ریاض العارفین ۱: ۱۶۴۔

۴۳؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: "مہر و ماہ" (جمالی) پر مقدمۂ سید حسام الدین راشدی: ۷۱-۷۳۔

۴۴؎ مقالات الشعراء: ۸۵-۶۷۶۔

۴۵؎ نتائج الافکار: ۵۹۹

۴۶؎ ریاض العارفین: ۲۰۲۔

۴۷۔ مقالات الشعراء: ۷۰۶۔

۴۸ و ۴۹۔ سفینۃ الاولیاء: ۸۲۔

۵۰۔ ہفت اورنگ: ۲۸۔۹۲۷۔

۵۱۔ شریف التواریخ ۱: ۸۱۹-۸۶۰ ملخصاً۔

۵۲۔ دیوان قادری کا ایک مخطوطہ بذیل شمارہ ۷۔۷۷ کتب خانہ دانشگاہ پنجاب لاہور میں موجود ہے۔

۵۳۔ خزینۃ الاصفیاء ج ۱، ص ۱۱۶ میں ہے "عارف نامی مولانا عبدالرحمٰن جامی باستماع خبر فضائل آنجناب (یعنی محمد غوث اوچی) اشعارات تصنیف کردہ خود بجانب آنجناب می فرستاد" شریف التواریخ ج ۱، ص ۸۲۴ میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اخبار الاخیار" (دہلی ایڈیشن، ص ۲۰۲ اور دیو بند ایڈیشن ص ۲۰۸) میں جامی کا یہ علمی ربط حضرت مخدوم محمد غوث کے بیٹے سید عبداللہ (م ۹۷۸ھ) سے ظاہر کیا ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں "سید عبداللہ کہ در فضیلت و لطافت طبع و سلامت قریحہ در زمان خود نظیر نداشت. گویند حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی باستماع خبر فضائل او بجانب او اشعار می فرستادند" لیکن قرین حقیقت امر یہی ہے کہ مولانا جامی مخدوم سید محمد غوث ہی کو اپنے اشعار ارسال کرتے تھے۔ کیونکہ جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ) اور حضرت مخدوم (۸۳۳-۹۲۳ھ) کا عہد ایک ہی ہے جبکہ سید عبداللہ (م ۹۷۸ھ) جامی سے متاخر تھے۔

۵۴۔ جو بعد میں بعنوان "مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی" مجلہ "نور اسلام" شرقپور (پاکستان) اولیائے نقشبند نمبر، مارچ۔ اپریل ۱۹۷۹ء، حصہ اول، صفحہ ۴۶۹-۴۸۵ میں شائع ہوا۔

۵۵۔ ہم ۱۹۷۶ء میں ایران گئے تھے۔ واپسی افغانستان کے راستے ہوئی جس کے دوران ہمیں ہرات میں شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری (م ۴۸۱ھ) اور ان کی خانقاہ میں مدفون

دیگر بزرگان اور مولانا عبد الرحمن جامی اور ان کے جوار میں مدفون دیگر اکابر و افاضل اور امیر علی شیر نوائی کے مقابر کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

۵۶ حکمت کے مندرجہ احوال و آثار کے لئے ہمارے مأخذ یہ کتب و رسایل ہیں:

۱۔ فہرست کتابہای چاپی فارسی، از خانبابا مشار۔ ۵ جلد۔

۲۔ مجلہ "راہنمائے کتاب" تہران۔ سال پنجم۔ شمارہ ۲۔ اردی بہشت ۱۳۴۱ ش، ص ۱۹۶-۱۹۸۔

۳۔ مجلہ "آیندہ" تہران۔ سال ششم۔ شمارہ ۷-۸، مہر۔ آبان ۱۳۵۹ ش، ص ۶۱۲-۶۱۵۔

۵۷ دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود فارسی مخطوطات کی جامع فہرست "فہرست نسخہ ہای خطی فارسی" کے مؤلف ہیں۔ آج کل پاکستان میں فارسی مخطوطات کی جامع فہرست کی تدوین و طباعت میں مصروف ہیں۔

۵۸ انہی کے اہتمام سے مولانا جامی کی "لوایح" تہران سے چھپ چکی ہے۔

۵۹ ان کے قلم سے مثنوی "گلشنِ راز" کی خطاطی اور اشاعت اس آب و تاب سے ہوئی کہ جلد ہی یہ نسخہ عنقا ہو گیا۔

۶۰ مؤلف "تذکرۂ علمائے پنجاب" اور "تذکرۂ درس مصنفین نظامی" وغیرہ۔

۶۱ ان کے اہتمام سے جامی کا "نی نامہ" چھپ چکا ہے۔ اور جامی کے مدفن ہرات پر ان کی تین جلدوں پر مشتمل کتاب "آثار ہرات" مطبوعہ ۱۳۰۹-۱۰ ش کی دوسری جلد میں جامی کے حالات موجود ہیں۔

باب اوّل

سیاسی ماحول

مذہبی اور اجتماعی پس منظر
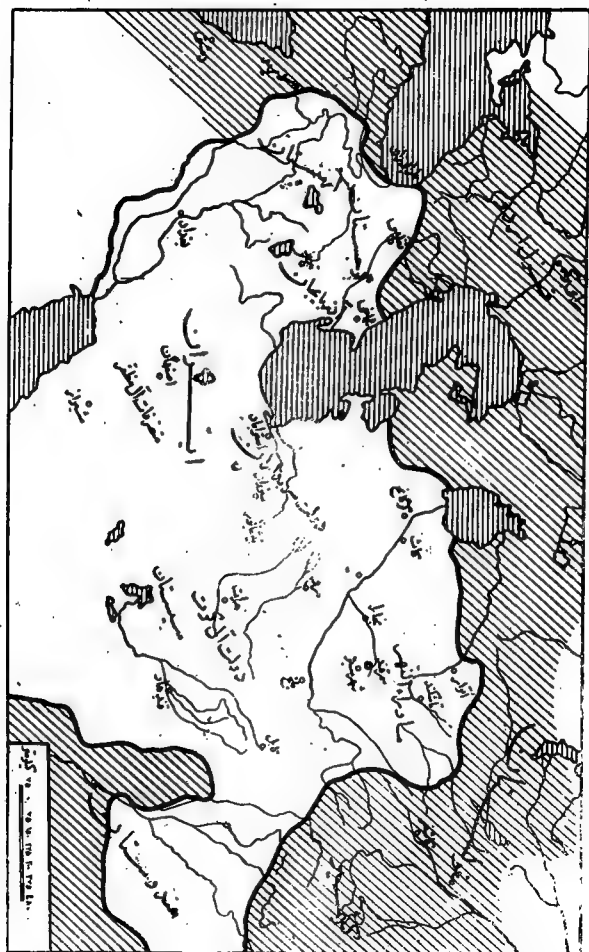
سیاسی ماحول

نویں صدی ہجری / پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب جامی ہرات میں زندگی بسر کر رہے تھے تو سرزمین ایران دو حصوں میں تقسیم تھی اور اس پر دو مختلف شاہی خاندان حکومت کر رہے تھے۔

ایران کے مشرق میں تیموریوں کی حکومت تھی جن کے دار الحکومت سمرقند اور ہرات تھے۔ جامی نے سلاطین تیموریہ میں سے پہلے سلطان شاہرخ ۸۰۷ - ۸۵۰ ہجری / ۱۴۰۵ - ۱۴۴۶ عیسوی کا کچھ زمانہ پایا۔ پھر میرزا ابوالقاسم بابر ۸۵۶ - ۸۶۰ ہجری / ۱۴۵۲ - ۱۴۵۶ عیسوی اور میرزا ابو سعید گورگان ۸۶۰ - ۸۷۳ ہجری / ۱۴۵۶ - ۱۴۶۹ عیسوی کا مکمل عہد دیکھا۔ سلطان حسین بالقیرا ۸۷۳ - ۹۱۱ ہجری / ۱۴۶۹ - ۱۵۰۶ عیسوی کا بھی تقریباً سارا دورِ حکومت، جامی کے سامنے گزرا۔

اُدھر ایران کے مغرب اور جنوب میں پہلے قراقوینلو ترکمان حکمران رہے پھر آق قوینلو ترکمان برسرِ اقتدار آ گئے۔ دونوں حکومتوں کا دار الحکومت تبریز تھا۔ ان سلاطین میں سے جامی، جہان شاہ قراقوینلو ۸۴۱ - ۸۷۲ ہجری / ۳۸-۱۴۳۷ - ۶۸-۶۷ ۱۴ عیسوی حسن بیگ یا اوزن حسن آق قوینلو ۸۷۲ - ۸۸۲ ہجری / ۶۷ - ۱۴۶۸ - ۱۴۷۷ عیسوی اور اس کے بیٹے یعقوب بیگ ۸۸۴ - ۸۹۶ ہجری / ۱۴۷۹ - ۱۴۹۱ عیسوی کے ہم عصر تھے۔

نویں صدی ہجری کے سیاسی آتار چڑھاؤ کی تاریخ یوں ہے کہ پہلے پہل تو امن و سکون کا ایک طویل دور گزرا۔ لیکن بعد میں کچھ مدت بہت کشمکش اور آشوب رہا۔ ایک بادشاہ کے زیرِ اقتدار چند سال تو بڑے آرام سے گزر جاتے لیکن اُدھر اُس

بادشاہ کی آنکھ بند ہوتی اِدھر ملک معاصر سلاطین اور مرحوم شاہ کے خاندان سے کے شاہزادوں کے درمیان میدان کارزار بن جاتا۔ شاہرخ، ابوالقاسم بابر اور ابوسعید کی وفات کے بعد کے واقعات کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جب ایران حرب وضرب اقتدار کی رسہ کشی اور قتل وغارت کا مرکز بن گیا تھا۔ جامی نے انقلاب کے یہ تینو ل ادوار دیکھے۔ تاریخ کی خوش قسمتی کہیے یا جامی کی کہ ۸۷۳ ہجری/۱۴۶۹ عیسوی میں ایران کی مشرقی سلطنت کی باگ ڈور سلطان حسین بالقیرا کے ہاتھ میں آگئی اور یوں جامی کے دم آخر ۸۹۸ ہجری/۱۴۹۲ عیسوی تک خراسان اور ماوراالنہر میں مکمل امن وامان برقرار رہا۔ پچیس سال کا یہی وہ عرصہ ہے۔ جب جامی اپنی شاہکار کتابیں لکھ پائے۔

اُدھر ان پچیس برسوں میں بقیہ ایران (جنوب ومغرب) پر اوزن حسن اور یعقوب بیگ کی پُرسکون حکومت رہی اور اس طرح دونوں ہم عصر حکومتوں کے باہمی اتفاق سے ایران میں بھی ہمسایہ ممالک عراق، آذربائیجان، فارس اور بین النہرین کی طرح مکمل امن وآرام رہا۔

مذہبی رجحانات

نویں صدی ہجری میں اصول دین (اسلام) اور علم کلام کے قواعد و ضوابط اہلِ سُنت و جماعت کے فرقہ "اشعریہ" کے مطابق تھے[۱]۔ مشرقی ایران میں علم کلام کی جو بنیادیں قاضی عضد ایجی[۲]، سعد الدین تفتازانی[۳] اور میر سید شریف جرجانی[۴] اور اس عہد کے دیگر متکلمین نے اٹھائی تھیں، اُن پر یہ دین بے حد مضبوط اور مستحکم طور پر

---

[۱] اشعری مکتب خیال ابوالحسن اشعری (۲۶۰۔ تقریباً ۳۳۰ ہجری / ۸۷۳۔ ۹۴۲ عیسوی) سے چلا۔ جن آیات سے تشبیہ (خدا کے مشابہ مخلوقات ہونے) کا وہم پڑتا ہے، اشعری اُن سے احتجاج کرتے ہیں اور اُسے موجب تشبیہ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اُن کے ہاں عقائدی مسائل میں احادیث سے احتجاج کیا جا سکتا ہے۔ حنبلی اور اشعری افکار و عقائد میں یگانگت موجود ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلامی مذاہب از ابوزہرہ مصری، اُردو ترجمہ از غلام احمد حریری، ص ۲۲۰۔ ۲۲۷۔ لائل پور ۱۹۷۰ء۔

[۲] عضد الدین عبدالرحمٰن ایجی شافعی (۷۰۸۔ ۷۵۶ ہجری / ۱۳۰۸۔ ۱۳۵۵ عیسوی) علوم عقلی کے مشہور عالم تھے۔ تفصیل اور کتب مراجع کے لئے ملاحظہ ہو: معجم المؤلفین ۵ : ۱۱۹۔ ۱۲۰ ؛ نیز تذکرہ مصنفین درس نظامی از اختر راہی، ۱۶۸۔ ۱۷۰، لاہور طبع دوم۔

[۳] سعد الدین مسعود تفتازانی (۷۱۲۔ ۷۹۱ ہجری / ۱۳۱۲۔ ۱۳۸۹ عیسوی) صرف و نحو، فقہ اور منطق وغیرہ کے بلند پایہ عالم تھے۔ تفصیل اور کتب مراجع کیلئے دیکھئے: معجم المؤلفین ۱۲ : ۲۲۸۔ ۲۲۹ ؛ نیز تذکرہ مصنفین درس نظامی ۱۴۲ - ۱۴۶۔

[۴] سید شریف جرجانی (۷۴۰۔ ۸۱۶ ہجری / ۱۳۳۹۔ ۱۴۱۳ عیسوی) علوم صرف و نحو اور فلسفہ و کلام کے عالم تھے۔ تفصیل اور حوالہ جاتی کتب کے لیے ملاحظہ ہو: معجم المؤلفین ۷ : ۲۱۶ ؛ نیز تذکرہ مصنفین درس نظامی ۱۰۸۔ ۱۱۵

قائم تھا۔ شاہ اور شاہی دربار کا سرکاری مذہب بھی یہی مسلک تھا۔ اُدھر مذہب شیعہ امامیہ، جس کے اصول وضوابط کی بنیادیں خواجہ طوسی[1]، علامہ حلّی[2] اور شہید اوّل[3] مضبوط کر چکے تھے، آذربایجان میں بلشتر اور خراسان میں نسبتاً کم مروّج تھا۔ سلاطین قراقونیلو کی رغبت شیعی عقائد کی طرف تھی اور تبریز و عراق میں مذہب شیعہ اپنے عروج پر تھا۔ اِدھر خراسان کے بعض علاقوں میں بھی شیعی عقائد مغربی ایران سے کم تر رواج پذیر نہ تھے۔ بلکہ یہاں کے بعض شہر مثلاً سبزوار، مشہد اور غور تو شیعوں کے مضبوط مراکز میں شمار ہوتے تھے۔

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نویں صدی ہجری ایران کی مذہبی تاریخ شیعہ و سنّی منافقات و تنازعات سے عبارت ہے۔ اس صدی کے اختتام تک ان اختلافات کی انتہا ہو گئی۔ رہی سہی کسر شاہ اسمٰعیل صفوی اوّل (۹۰۷-۹۳۰ ہجری/۱۵۰۲-۱۵۲۴ عیسوی) نے پوری کر دی۔ جب اُس کا خراسان پر تسلط قائم ہوا تو یہ فرقہ وارانہ جنگ شیعوں کے حق میں اُن کی کھلی فتح پر منتج ہوئی۔[4]

---

[1] خواجہ نصیر الدین محمد طوسی (۵۹۷-۶۷۲ ہجری/۱۲۰۱-۱۲۷۴ عیسوی) ریاضی اور فلسفہ و منطق وغیرہ پر بے شمار کتب لکھیں۔ دیکھیے: تذکرۂ مصنفین درس نظامی: ۲۵۳-۲۶۱، معجم المؤلفین ۱۱: ۲۰۷-۲۰۸، یادنامۂ خواجہ نصیر الدین طوسی، تہران، ۱۹۵۷ عیسوی۔

[2] ابو منصور شیخ حسن بن سدید الدین یوسف علامہ حلّی (۶۴۸-۷۲۶ ہجری/۱۲۵۰-۱۳۲۵ عیسوی) شیعہ مذہب کے مروّج اور علوم فقہ و اصول وغیرہ میں متعدد کتب کے مصنّف ہیں۔ مؤلفین کتب چاپی فارسی و عربی از خانبابا مشار ۲: ۶۶۶-۶۷۷۔

[3] شیخ محمد بن مکی شہید اوّل (۷۳۴-۷۸۶ ہجری/۱۳۳۳-۱۳۸۴ عیسوی) مذہب امامیہ کے اکابر علماء میں سے تھے۔ حالات و تالیفات کیلئے دیکھیے: مؤلفین کتب چاپی فارسی و عربی ۵: ۸۳۵-۸۳۹۔

(حاشیہ نمبر ۴ اگلے صفحہ پر)

جامی کی واقعاتی زندگی اور تصانیف سے بھی یہ گروہی اختلاف نمایاں ہے۔ گو ماحول کے تقاضے کی بدولت جامی کا شمار اہلِ سُنت و جماعت کے علماء اور اکابر میں سے ہوتا ہے۔ لیکن انہیں بڑی حد تک اثنیٰ عشری مبادیات کا بھی احترام تھا۔

(حاشیہ ۴ متعلق بہ صفحہ ۸۴)؛ نویں صدی ہجری اور دسویں صدی ہجری کے اوائل میں تیموریوں کی مذہبی پالیسی اور بالآخر ایران میں سرکاری مذہب تشیع قرار پانے کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو؛ تاریخ ادبیات در ایران از صفا ۴: ۴۳ - ۶۱ -

تصوّف کے رجحانات

نویں صدی ہجری کی ایک اہم خصوصیت تصوّف کا فروغ اور صوفیانہ نظریات کا پھیلنا ہے۔ تمام اسلامی ممالک میں یہ افکار رواج پا چکے تھے۔ امیر تیمور گورگان (۷۳۶ - ۸۰۷ ہجری / ۱۳۳۵ - ۱۴۰۵ عیسوی) مشائخ و صوفیہ کا جس طرح احترام کرتا تھا اس کی تفصیل تاریخی کتب میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں ظفر نامۂ تیموری کا نام آسانی سے لیا جاسکتا ہے[۱]۔ تیمور کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ کسی شہر یا بستی کو فتح کرتا تو سب سے پہلے وہاں کے زندہ مشائخ اور متوفی بزرگوں کی قبور کی زیارت کے لئے جاتا اور ان آستانوں پر نہایت عجز و انکسار کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کر کے ان سے استمداد کرتا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ "باباسنگو" سے ملاقات کے بعد اس پر فتوحات کا دروازہ کھل گیا ہے[۲]۔

---

[۱] ظفر نامہ شرف الدین علی یزدی (م ۸۵۸ ہجری / ۱۴۵۲ عیسوی) نے ۸۲۸ ہجری میں لکھا۔ یہ مشہور کتاب تیمور کے مفصّل حالات پر نہایت اہم مأخذ ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات در ایران از صفا ۴ : ۲۹۹ - ۳۰۹ اور ۴۸۳ - ۴۸۶ ، ظفر نامہ از یزدی، تصحیح و اہتمام محمد عباسی۔ دو جلد تہران ۱۳۳۶ شمسی۔

[۲] باباسنگو ایک مجذوب درویش تھے۔ ۷۸۲ ہجری / ۱۳۸۰ عیسوی میں جب تیمور فتح خراسان کے ارادے سے نکلا اور دریائے آمویہ عبور کیا تو قصبہ اندخود میں باباسنگو سے ملاقات کی۔ بابا نے ازروئے جذب سینے کا گوشت امیر تیمور کی طرف پھینکا۔ امیر نے اس سے یہ اخذ کیا کہ خدا نے زمین (یعنی خراسان) کا سینہ ہم پر فراخ کر دیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ باباسنگو کی وفات اندخود (نزدیک شبورقان شمالی افغانستان) میں واقع ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔ ملاحظہ ہو۔ حبیب السیر ۳ : ۵۴۳۔

شیخ زین الدین ابوبکر تائبادی (م ۷۹۱ ہجری/ ۱۳۲۸ عیسوی) سے بھی وہ مستفیض ہوا [۱]
آل تیموران خرقہ پوشوں اور سجادہ نشینوں پر اعتقاد اور ایمان میں اپنے باپ پر بھی
بازی لے گئی۔

امراء اور شاہزادے بھی سلاطین سے پیچھے نہ رہے۔ اپنے آقاؤں کے
نقش قدم پر چلتے ہوئے وہ بھی ہر شہر اور قریے میں کسی شیخ و مرشد سے متوسّل تھے۔
تیموری دربار کا یہی رجحان تیموریوں کے زیرِ نگیں علاقوں میں فقر و تصوّف کے فروغ کا
باعث ہوا اور نتیجے کے طور پر صوفیہ معاشرے کا اہم جزو بن گئے۔

مزاج اور عقائد کے اعتبار سے اس وقت صوفیہ کے مختلف سلاسل تھے۔
مثلاً "حروفیہ" جس نے اس قدر افراط و تفریط سے کام لیا کہ کفر و الحاد کی حد تک پہنچ
گئے [۲] "نور بخشیہ" نے مہدویت کا دعویٰ کیا [۳] تاہم اُدھر ماوراء النہر میں سنّی صوفیہ کا
ایک ایسا گروہ موجود تھا جو اپنے مذہبی عقائد میں تو متعصب اور درباری کے موافق

---

[۱] مولانا ابوبکر تائبادی جامع کمالات صوری و معنوی تھے۔ علوم ظاہری میں مولانا نظام الدین ہروی کے
شاگرد تھے۔ جب امیر تیمور نے ہرات فتح کیا تو تایباد (شمال مشرق ایران) میں مولانا موصوف سے ملاقات کی۔
دیکھئے، حبیب السیر ۳ : ۵۴۳، روضات الجنات ۲ : ۲۷۔

[۲] حروفیہ کا بانی فضل اللہ نعیمی استرابادی (۷۴۰ - ۷۹۶ ہجری یا ۸۰۰ - ۸۰۴ ہجری) ہے اس کی مشہور
کتاب جاویدان کبیر ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے، تاریخ ادبیات در ایران ۴ : ۶۱ - ۶۶۔

[۳] فرقۂ نور بخشیہ کے بانی سید محمد نور بخش قاتنی خراسانی (م ۸۶۹ ہجری / ۱۴۶۴-۶۵
عیسوی) ہیں۔ ان کے حالات و عقائد پر مقالات مولوی محمد شفیع ۱:۲-۲، مجلس ترقی ادب لاہور
۱۹۶۲ء دیکھئے۔ نیز ملاحظہ ہو: تاریخ ادبیات در ایران ۴ : ۵۸ - ۶۰۔

تھا لیکن اعتدال پسند بھی تھا۔ ہماری مراد سلسلۂ "نقشبندیہ" سے ہے جس کے بانی اور مجدّد، خواجہ بہاء الدین عمر بخاری (م ۷۹۱ ہجری) ہیں [۱] آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں اس سلسلے کو غیر معمولی شہرت اور وسعت حاصل ہوئی اور یہ بخارا، سمرقند اور خراسان کی حدود سے نکل کر ہند (پاکستان) میں آپہنچا۔

تیمور کے جانشین یعنی شاہرخ، میرزا ابوسعید اور سلطان حسین بایقرا، سب خواجگان نقشبند کے آستانوں پر سر جھکاتے اور ان کی ارواح مقدسہ سے دونوں جہان کی فوز و فلاح طلب کرتے۔ دنیا و آخرت کے مسائل میں اُن سے رہنمائی لیتے۔ اس رویے کی بدولت شاہرخ کی ساری مملکت میں متعدد مشائخ "پیدا" ہو گئے۔ بے شمار لنگر خانے کھل گئے، خانقاہیں بن گئیں۔ ملک کے گوشے گوشے سے لوگ قیمتی تحائف اور نذرانے لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض و برکت پاتے۔

چونکہ جامی نے اپنی ابتدائی تعلیم ہرات اور سمرقند میں حاصل کی تھی اس لئے وہیں نوجوانی کے دنوں میں، جو کہ روحانی تکمیل اور باطنی تربیت کا زمانہ ہوتا ہے۔ نقشبندی بزرگوں سے مأنوس ہو گئے اور انہی کے عقائد و نظریات کے زیر اثر پرورش پائی۔ بالآخر سلسلۂ نقشبندیہ کے پیشوا مولانا سعدالدین کاشغری (م ۸۶۰ ہجری) [۲]

---

[۱] حضرت خواجہ بہاء الدین محمد نقشبند بخاری (۷۱۸ - ۷۹۱ ہجری / ۱۳۱۸ - ۱۳۸۹ عیسوی) ڈاکٹر علی اصغر معینیان "رشحات عین الحیات" از علی کاشفی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ سلسلہ نقشبندیہ خواجہ نقشبند کے نام سے معروف اور موسوم ہے لیکن یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس سلسلہ کا سنگ بنیاد حضرت خواجہ سے تین صدیاں قبل تین بزرگوں کے ہاتھوں رکھا جا چکا تھا اور اس کی بنیاد بتدریج مضبوط ہوتی گئی۔ وہ تین بزرگ ہیں: ۱۔ شیخ ابوعلی فضل بن محمد فارمدی ۲۔ خواجہ ابویعقوب یوسف ہمدانی (م ۵۳۵ ہجری) ۳۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانی (م ۵۷۵ ہجری) (مقدمہ ص ۳۹-۵۰)

[۲] مولانا سعدالدین کاشغری (م ۸۶۰ ہجری / ۱۴۵۶ عیسوی) کے حالات کیلئے دیکھیے، رشحات عین الحیات ۱: ۲۰۵ - ۲۳۲۔

سے روحانی رشتہ قائم کیا جو آگے چل کر سماجی رشتے میں بھی بدل گیا۔ یعنی جامی ، مولانا کاشغری کے قرابت دار بن گئے (تفصیل صفحہ ۱۵۹ پر آئے گی)

مولانا کاشغری کے انتقال پر خواجہ ناصرالدین عبیداللہ ملقب بہ خواجہ احرار (م ۸۹۵ ہجری)[1] نے اُن کی مسند ارشاد سنبھالی۔ میرزا ابوسعید گورگان اور اس کی اولاد نے خواجہ احرار کی جو عزت اور پذیرائی کی وہ دوسرے مشائخ کے حصے میں کم آئی ہوگی۔ خود جامی اُن کا احترام بجالاتے ہوئے اپنی کتب میں جا بجا اُن کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں۔

پادشاہانِ وقت مشائخ نقشبندیہ کی کس قدر تعظیم و تکریم کرتے تھے اور ان کی زبان سے نکلی ہوئی بات کس حد تک مؤثر تھی۔ یہ جاننے کے لئے کتاب " روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ ہرات " سے خواجہ عبیداللہ احرار کے سمرقند سے سفر ہرات سے متعلق اقتباس پیشِ خدمت ہے۔ جس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ سلطان ابوسعید نے کس طرح خواجۂ موصوف کے اشارے پر سمرقند و بخارا میں چنگیزی دور سے رائج چنگی محصول مکمل طور پر منسوخ اور کالعدم قرار دے دیا۔ اقتباس ملاحظہ ہو :

" جناب ولایت پناہ بخارا سے عازمِ خراسان ہوکر ۲۲ صفر ۸۶۵ ہجری کو دارالسلطنت ہرات تشریف فرما ہوئے۔ سلطان سعید نے ان کی تعظیم و توقیر اور استقبال میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ دوسرے دن حضرت خواجہ نے مقابر اولیا اللہ کی زیارت کی۔ خراسان کے سبھی اکابر نے اُن کا قدم مبارک اور غنیمت جانا۔ سلطان سعید تو کئی بار حضرت خواجہ کی زیارت کے لیے آیا۔ حضرت ارشاد پناہ نے جس پسندیدہ رائے کا بھی اظہار کیا وہ مان لی گئی۔ ان کے کہنے پر، سمرقند و بخارا میں نافذ وہ محصول قطعی طور پر ختم کر دیا گیا جس سے (حکومت کو) خطیر آمدنی ہوا کرتی تھی۔ حضرت خواجہ ۱۱ ربیع الاول کو واپس ماوراالنہر تشریف لے گئے۔"[2]

---

[1] خواجہ احرار (م ۸۹۵ ہجری/۱۴۹۰ عیسوی) کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو : رشحات عین الحیات ۲ : ۳۶۵ - ۶۶۶ ، رشحات کی جلد دوم خواجہ موصوف کے حالات کے لئے مخصوص ہے۔

[2] روضات الجنات ۲ : ۲۴۹ - ۲۵۰

جامی نے "تحفۃ الاحرار" میں بڑے واشگاف الفاظ میں سلسلۂ نقشبندیہ سے اپنی وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ واضح رہے کہ اِس مثنوی کا انتساب بھی خواجہ عبیداللہ احرار کے نام ہے۔ "تحفۃ الاحرار" میں جامی پہلے خواجہ بہاء الدین نقشبند کی مدح بیان کرتے ہیں:

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند — نوبتِ آخر بہ بخارا زدند
از خط آن سکہ نشد بہرہ مند — جز دل بی نقش شہِ نقشبند
تاج بہا بر سر دین او نہاد — قفل ہوا از در دین او گشاد[1]

پھر خواجہ احرار کے متعلق کہتے ہیں:

زد بجہان نوبت شاہنشہی — کوکبۂ فقر عبید اللہی
آنکہ ز حریت فقر آگہ است — خواجۂ احرار عبیداللہ است[2]

مختصر یہ کہ جامی کی نشوونما ایک ایسے ماحول میں ہوئی جہاں ہر طرف مشائخ طریقت اور پیرانِ طریقت سے عقیدت کی خوشبو رچی بسی تھی۔ چنانچہ خود جامی بھی سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک ممتاز شیخ طریقت بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ انکی تصانیف نقشبندی ادب میں اونچے مقام پر رکھی جاتی ہیں اور اُن کا شمار سلسلے کی بہترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ سلسلۂ نقشبندیہ اگرچہ ایران کی شیعہ آبادی والے علاقوں میں فروغ نہ پا سکا لیکن ہند (و پاکستان) اور ترکی میں یہ اب بھی قائم و دائم ہے اور یہاں لوگ جامی کی کتابیں اپنے اکابر کے مقدس آثار کے برابر رکھتے ہیں۔

---

[1] تحفۃ الاحرار: ۳۸۳

[2] تحفۃ الاحرار: ۳۸۴

ہرات

ہرات : جامی کا مسکن و مدفن، نویں صدی ہجری میں اِسے عظمت اور مرکزیت حاصل تھی۔ خوشگوار آب و ہوا، پیداوار میں فراوانی اور ترقی کرنے کی استعداد اور امکانات کے سبب اس شہر نے وہ مقام پایا جو ایک دارالحکومت کے شایان شان تھا۔ شاہرخ کے عہد میں یہ عظیم شہر ایران، ترکستان، ماوراء النہر، افغانستان اور مغربی ہندوستان کا دارالحکومت قرار پایا۔ گو ایران میں صفویوں اور ہندوستان میں مغلوں کے برسر اقتدار آنے کے بعد ہرات کا شان و شکوہ اصفہان اور دہلی منتقل ہو گیا، جو اُن دونوں حکومتوں کے دارالحکومت تھے۔ لیکن نویں صدی ہجری میں ہرات کا شمار وسطی ایشیا کے عظیم ترین شہروں میں ہوتا تھا۔ خود جامی کے زمانے میں ہرات کا کیا نقشہ تھا؟ آیئے اُسی صدی کے مصنف معین الدین محمد زمچی اسفزاری صاحب "روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ ہرات" (۸۹۷ - ۸۹۹ ہجری) کے ہمراہ ہرات چلتے ہیں۔

> "شہر کی فصیل کے اندر چار بازار ہیں اور ہر دروازے سے چاروں سمت ایک ایک بازار کھلتا ہے جس کا نام اسی دروازے کے نام پر رکھا گیا ہے . . . ہر دروازے کے باہر بھی ایک بازار ہے جو وہاں تک چلا جاتا ہے جہاں تک شہر کی آبادی ہے اور یہ آبادی کوئی ایک فرسنگ تک پھیلی ہوگی۔

میں جب یہ کتاب لکھنے بیٹھا تو اپنے چند شاگردوں کو شہر کی فصیل کا حصار ماپنے اور برجوں کی تعداد اور قطر معلوم کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے مجھے یوں حساب لگا کر دیا کہ فصیل کا کل حصار سات ہزار تین سو قدم، برجوں کی مجموعی تعداد ایک سو انچاس اور شہر کا قطر ملک دروازہ

سے لے کر فیروزآباد تک اور خوش دروازہ سے عراق دروازہ تک ایک ہزار نوسو در ایک ہزار نوسو قدم بنتے ہے[1]

آگے چل کر اسفزاری بتاتا ہے کہ :

"اب شہر اسلان معزالدین کرت کے زمانے کی نسبت سے ، زیادہ پھیل گیا ہے کیونکہ اب یہ عرض میں "درۂ دو برادران" سے "پلِ مالان" تک دو فرسنگ کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور یہاں عمارات بن گئی ہیں ۔ بلکہ درۂ مذکورہ سے "کوہ اسکلچہ" اور "گل برخان" تک کا جو چار فرسنگ کا فاصلہ ہے اور وہاں سے "اوبہ" سے "کوسیہ" تک کے تیس فرسنگ رقبے پر ایک دوسرے سے متصل ہرات کی عمارات ، باغات ، دیہات اور قصبات واقع ہیں" [2]

اُس زمانے میں ہرات آبادی کے لحاظ سے ایک بڑا شہر تھا جس کا ثبوت ہمیں وہاں ۸۳۸ ہجری میں طاعون کی وباء سے ہونے والی ہلاکت کے اعداد و شمار سے ملتا ہے ۔ یہ وباء چار ماہ آٹھ روز تک رہی اور اس دوران میں دیہات و قصبات کے ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے[3] بقول اسفزاری :

" محاسبوں سے ہمارے ہاتھ لگنے والے اعداد و شمار کے مطابق ہرات شہر میں اُن ہلاک شدگان کی تعداد چھ ہزار تک ہے جنہیں گور و کفن نصیب ہوا اور جو گڑھوں یا گھروں کے اندر

---

[1] روضات الجنات ۱ : ۸۱

[2] روضات الجنات ۱ : ۸۲

[3] طاعون کی یہ وباء ، رجب ۸۳۸ھ سے ۱۵ ذی قعدہ ۸۳۸ھ / ۱۴۳۵ء تک رہی ۔ لقمۂ اجل بننے والے لوگوں میں کئی بے بدل اکابر ، مشاہیر ، ائمہ اور افاضل بھی تھے ۔ شیخ زین الدین خوافی اور مشہور موسیقار خواجہ عبدالقادر اسی وباء کا شکار ہوئے ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو :۔ روضات الجنات ۱ : ۹۲-۹۴

دبا دیئے گئے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میرے والد نے اس المیے پر ایک نظم لکھی جس کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

ششصد ہزار در قلم آمد کہ رفتہ اند
زانہا کہ یافت گور و کفن مردم خیار
باقی زبیکسی ہمہ در خانہ ماندہ اند
خوردند جسمشان ہمہ در خانہ مور و مار" [1]

تعجب ہے کہ ایسی کوئی دلیل موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ اتنے بڑے پیمانے پر ہلاکت کے بعد ہرات اپنی پہلی رونق اور عظمت کھو بیٹھا ہو یا اس حادثے نے اس کے شان و شکوہ کو نقصان پہنچایا ہو۔

ہرات اپنی کثرت آبادی اور شاہرخ اور بایسنغر کی علم نوازی کی بدولت اُن کے پچاس سالہ دورِ حکومت میں علم و ادب کا مرکز بنا رہا اور دنیا کے گوشے گوشے سے فضلاء حکماء اور شعراء یہاں جمع ہونے لگے۔ اُن کے بعد میرزا ابو سعید کے دس سالہ دورِ حکومت میں بھی ہرات کی سیاسی، اقتصادی اور علمی مرکزیت میں کوئی فرق نہ آیا۔ پھر حسین بایقرا کی سینتیس سالہ پُر جاہ و جلال حکومت نے اِس شہر کی رونق کو چار چاند لگا دیے۔ سلطان مذکور کی علم دوستی، دانش پروری اور اس کے دربار کے مدبر امراء نے ہرات کی اہمیت مزید بڑھا دی یہاں علاقے بھر کے ممتاز دانشور اور شاعر جمع ہو گئے۔ جن کے سرخیل مولانا جامی تھے۔ انہی کے دم سے ہرات تاریخ ادبیات میں زندۂ جاوید ہو گیا۔

تیموری بادشاہوں نے یہاں عظیم الشان محلات، پُرشکوہ عمارات اور خوبصورت باغات بنوائے۔ جہاں وہ سرِعام اپنا دربار سجاتے۔ سفید باغ۔ زاغان باغ اور جہاں آرا باغ مذتوں شعراء کے ہاں موضوعِ سخن بنے رہے۔ دیوانِ جامی میں اِن شاہی عمارات کی تعریف میں تو قصیدے ملتے ہیں جو بظاہر اس عہد کے مخصوص خوبصورت خطوط میں ان عمارات پر لکھوائے بھی گئے۔

[1] روضات الجنات ۱: ۹۲

جامی کے ایک ایسے ہی قصیدے کا مطلع ہے:

حبذا قصری کہ ایوانش زکیوان برتراست ‏ ‏ ‏ ‏ قبۂ والای او بالای چرخ اخضر است[1]

مختصر یہ کہ ہرات اپنی کشادہ سڑکوں، صاف ستھرے باغوں اور گنجان آباد محلوں کی بدولت ایسا آسمانِ ادب و ہنر بن گیا جس پر ہزاروں عالم، دانشور، شاعر، فاضل، ماہر مصوّر اور باصلاحیت خطاط اور اربابِ ذوق ستاروں کی مانند چمک رہے تھے[2] اور جامی اِس آسمان کے آفتاب تھے۔ جن کی علمیت، فضیلت اور ذوقِ لطیف کی تابناک شعاعیں چوتھائی صدی تک آفاق کو منوّر کرتی رہیں۔ آج ہم یہی "آفتاب بحث" ہیں۔

---

[1] دیوانِ جامی (گنج بخش)، ۴۹۰

[2] ہرات کی تاریخ و جغرافیا، محاسن اور وہاں مدفون اکابر کی تفصیل کیلئے مندرجہ ذیل کتب دیکھی جائیں۔

۱:- آبداتِ نفیسہ ہرات تالیف سرور گویا اعتمادی۔ انجمن جامی افغانستان ۱۳۴۳ شمسی۔

۲: برخی از کتیبہ ہا و سنگ نبشتہ ہای ہرات از رضا مایل، کابل ۱۳۵۵ شمسی

۳: رسالہ مزارات ہرات، بہ ترتیب و تعلیقات فکری سلجوقی، کابل ۱۹۶۷ء

۴: روضات الجنات فی اوصاف مدینہ ہرات تالیف معین الدین محمد زمچی اسفزاری، با تصحیح و تعلیقات سید محمد کاظم امام، تہران ۱۹۵۹ - ۱۹۶۰ء

سلطنتِ تیموریہ

مشرقی ایران پر حکمران تیموری سلاطین نے نویں ہجری میں ۸۰۷ تا ۹۱۱ ہجری / ۱۴۰۵ تا ۱۵۰۶ عیسوی ایک ایسا تمدن قائم کیا جس نے نامور سلاطین، امراء اور وزراء پیدا کئے۔ علوم حکمت، کلام، فلسفہ، فقہ، اصول، تصوف، شعر، نثر اور فنون نقاشی، معماری اور کاشی کاری کو اُس عہد میں اس قدر ترقی حاصل ہوئی کہ وہ دور تاریخ ایران کا زرّیں دور کہلانے کا مستحق ہے۔

اس صدی کی سیاسی تاریخ کو یکساں طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن کی حدِ فاصل سلطان شاہرخ کی موت (۸۵۰ ہجری / ۱۴۴۶ عیسوی) ہے۔ سلطان پہلے اپنے والد تیمور کی نیابت میں سات سال تک خراسان پر حکومت کرتا رہا۔ پھر اس کے اپنے تینتالیس سالہ دورِ حکومت میں بھی خراسان، سلطنت ایران کا مرکز بنا رہا۔ تیمور کے فتح کردہ عظیم خراسان کی انتظامی کامیابی کا راز، اس کا حسن سلوک، رواداری اور اصول شرع اسلامی پر عمل تھا۔ شاہرخ کا ایک خصوصی قدم چنگیزی دور کے قوانین اور رسوم کا مکمل خاتمہ اور اُن کی جگہ اپنی سلطنت کو اسلامی بنیادوں پر قائم کرنا تھا[1]۔ اس طرح خاندان تیموریہ ایک مسلمان حکمران خاندان کی حیثیت سے متعارف ہوا اور اس کے حکمرانوں کی علمائے اسلام اور مسلمان رعایا کے ہاں بے حد پذیرائی ہوئی۔

نویں صدی ہجری کے دوسرے نصف میں ایرانی سلطنت تیموریہ کا استحکام جاتا رہا۔ اس خاندان کے بیرونی دشمن "ازبک" جو خود کو جوجی خان کی اولاد اور چنگیز خان کا حقیقی وارث سمجھتے تھے، بحر خزر کے شمال سے اور "ترکمان" ایران کے مغرب سے سلطنت تیموری کو مسلسل کمزور کر رہے تھے۔ ادھر داخلی طور پر تخت و تاج کے حصول کے لئے جو کشمکش ہو رہی تھی وہ الگ داستان ہے۔ تخت ایک تھا اور شاہزادے ہزار، ہوس اقتدار نے آنکھوں پر ایسی

[1] مطلع سعدین و مجمع بحرین، وقایع سال ۸۱۵ ہجری جلد دوم جزو اول، ۱۳۱ - ۱۳۴ شاہرخ کے وہ نصیحت نامے دیکھے جائیں جو اس نے پادشاہ خطا کو بھیجے تھے۔

پٹی باندھی کہ باپ بیٹا دونوں ایک دوسرے کو راستے سے ہٹانے کے لئے اقدام قتل سے بھی گریز نہ کرتے۔ بھائیوں اور چچا زادوں کے درمیان علحدہ میدان کارزار گرم تھا۔ یوں عظیم سلطنت تیموریہ کے حصے بخرے ہو رہے تھے۔

گو شاہرخ کے دربار میں اب وہ پہلی سی رونق باقی نہیں تھی تاہم سلطنت جن ذیلی ریاستوں میں تقسیم ہوئی تھی وہاں علم و ادب کی محفلیں جمنے لگیں اور اس زوال پذیر عہد نے بھی کئی نامور شعراء اور ادباء پیدا کئے۔ ہم بطور خاص یہاں چار حکمرانوں کا نام لینا چاہتے ہیں۔ جنہوں نے سیاسی تاریخ کے ساتھ ساتھ علمی تاریخ میں بھی اپنا نام یادگار چھوڑا۔ ہماری مراد میرزا الغ بیگ (سمرقند) میرزا ابوسعید (ہرات) سلطان ابوالغازی حسین بایقرا (ہرات) اور ظہیرالدین بابر (دہلی) سے ہے۔ چونکہ جامی کا بابر سے کوئی براہ راست تعلق نہیں تھا لہٰذا اس کا تذکرہ یہاں خارج از بحث ہے۔ البتہ اُس کی جگہ ہم اسی کے ہم نام میرزا ابوالقاسم بابر (ہرات) کا ذکر کریں گے جو جامی کا اوّلین ممدوح ہے۔ اگرچہ وہ اپنے مختصر عہد حکومت میں فضلاء و علماء کی خاطر خواہ سرپرستی نہیں کر سکا تھا۔

اسی صدی میں علماء، شعراء اور ادباء کی کثرت ان سلاطین کی علمی سرپرستی کی دلیل ہے صاحب "حبیب السیر" نے ایسے دو سو دس[۲۱۰] مشاہیر کے نام گنوائے ہیں۔ جن میں سے بائیس[۲۲] علماء شعراء کا تعلق خود تیمور کے عہد سے ہے اور باقی ایک سو اسی شعراء دیگر تیموری بادشاہوں کے معاصر تھے[۱]

ڈاکٹر ایف۔ آر مارٹن F. R. MARTIN نے اپنی کتاب[۲] میں تیموری سلاطین کی دانش پروری اور فن کی قدردانی پر جو مقالہ سپردِ قلم کیا ہے ہم اسے ملخصاً یہاں پیش کر رہے ہیں۔

---

[۱] حبیب السیر ۳: ۵۱-۵۴۲ (برائے عہد تیمور) مجموعی طور پر اس عہد کی علمی اور ادبی تاریخ جاننے کے لئے دیکھئے: تاریخ ادبیات در ایران از ذبیح اللہ صفا۔ جلد چہارم مطبوعہ تہران، ۱۹۷۷ء

2. F. R. MARTIN: THE MINATURE PAINTING AND PAINTERS OF PERSIA, INDIA AND TURKEY

"تیمور بادشاہ نے متعدد جنگوں کے بعد دولت کا جو انبار لگایا تھا اس کے جانشینوں نے اس سے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا۔ پھر جس قدر جلد ممکن ہوا اس کثیر دولت کو خرچ کر دیا۔ تاریخ جو ہمیشہ خود کو دہراتی ہے، یہاں ہمیں PALADIN امراء کی یاد دلاتی ہے جن کا ذکر Chansons de gestes کے شعروں میں موجود ہے۔ اُن امراء نے بھی نہایت قلیل مدت میں ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دی۔ لیکن ابھی زیادہ دن نہیں گذر پائے تھے کہ وہ بلندیوں سے پستیوں پر آ رہے۔ تیموری بادشاہوں کو تاریخ ایران کے بہترین ہنرور امراء کہنا چاہیے اگر ایک طرف تیمور کے لشکروں نے روئے زمین پر صنعتی آثار کو تباہ و برباد کیا تو دوسری طرف اس کے جانشینوں نے اپنی زیر سرپرستی نئے ہنرمند لوگ پیدا کر کے تلافی کر دی۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ سلاطین نہ ہوتے تو یہ اہل ہنر بھی نہ ہوتے . . . . تیمور اور اس کے جانشینوں نے ایران میں فنون لطیفہ کو وہ ترقی دی کہ بائد و شائد۔ ان شاہزادوں کو وحشی یا جنگلی نہ سمجھا جائے بلکہ یہ شہر کے رہنے والے وہ صاحبِ ذوقِ لطیف اور متلاشی علم و دانش تھے جو فنونِ لطیفہ کو بطور نمائش یا تفاخر نہیں بلکہ اس کے فروغ کی خاطر پسند کرتے تھے۔ جنگوں کے درمیان انہیں جو وقت ملتا اس میں وہ کتب خانوں کی تشکیل و تکمیل میں لگ جاتے اور شعراء کے اشعار کو ترتیب دیتے وہ خود بھی شعر کہتے جنہیں درباری شاعروں کے شعروں پر ترجیح دی جاتی۔ سلطان حسین بائیقرا کوئی معمولی شاعر نہیں تھا۔ اس کی ترکی غزلوں کو مشہور شعراء کی کئی غزلوں پر فوقیت حاصل ہے[1] اپنی عربی اور فارسی شاعری میں تو وہ مولانا جامی کو اپنا رقیب سمجھتا تھا۔ تیموری سلاطین کا بے حد مہذب اور لطیف طرز زندگی کئی طرح سے ہماری توجہ اپنے اُن ہم عصر یورپی شہزادوں کی جانب مبذول کراتا ہے جو اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر تک فرانس میں موجود تھے۔ البتہ یہ تیموری بادشاہ علم پروری میں اُن شہزادوں سے کہیں آگے تھے۔ شاہرخ، بایسنقر

---

[1] بحوالہ، "از سعدی تا جامی" : ۵۵۳ - ۵۵۵

الغ بیگ اور سلطان حسین بالقیرا کتاب دوستی میں اپنے معاصرین بورگنی BOURGOGNE ڈوک اور Rene d Anjou سے ہمیشہ پیش پیش رہے بلکہ سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی کے فرانسیسی اور اطالوی کتاب دوست بھی ان تک نہ پہنچ سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی نظر آتی ہے کہ تیموری بادشاہ صرف کتابیں جمع ہی نہ کرتے بلکہ تخلیق بھی کرتے بایسنقر اور سلطان حسین میرزا کو ایران میں وہی مقام حاصل ہے جو برطانیہ میں ولیم مورس WILLIAM MORRIS کو ملا ہے۔ ان شہزادوں نے کتاب نویسی کے ایک نئے اسلوب کی بنیاد رکھی جو اشرافیت کے نزدیک ہونے کے باوجود پختہ اور لطیف تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یورپ کے خوبصورت ترین مخطوطات بھی، باستثنائے چند، مشرق کی کتابوں کا رہنر کی لطافت اور) خوبصورتی میں مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

جامی اور تیموری سلاطین

اب ہم جامی کے ان معاصر سلاطین کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ جن کی جامی کے وطن خراسان اور دیگر اسلامی ملکوں پر حکومت تھی۔ ہم اس بات کا جائزہ بھی لیں گے کہ مولانا جامی کا فطری جوہر اور ذاتی کمال نکھارنے میں ان سلاطین کا کیا ہاتھ رہا ہے۔

مولانا جامی کی ادبی تخلیقات میرزا ابوالقاسم بابر کے زمانے میں شروع ہو گئی تھیں۔ اس سے پہلے کے سلاطین مثلاً شاہرخ کے زمانے میں اُن کی کسی کتاب کا سراغ نہیں ملتا۔ چونکہ جامی ان دنوں سمرقند میں زیرِ تعلیم تھے اس لئے انہیں کسب کمالات اور حصول علوم سے ہی فرصت نہ ملتی ہوگی کہ وہ شاہی دربار کا رخ کرتے اور درباری شعراء میں جگہ پاتے۔ اُدھر وہ لوگ بھی جامی کے جوہر سے ناواقف تھے اور ابھی انہیں جامی کے علم وفضل کا احساس نہیں ہوا تھا۔ صاحب "حبیب السیر" نے مولانا کی تالیفی زندگی کے ادوار کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے۔

"میرزا ابوالقاسم بابر کے زمانے میں اس کے نام پر فن معما میں ایک رسالہ موسوم بہ "حلیہ حلل"
لکھا۔ سلطان سعید کے عہد میں اپنا پہلا دیوان مرتب کیا اور تصوف کے بعض رسائل تصنیف کئے۔
بعکہ دیگر کتابیں خاقان منصور (حسین بایقرا) کے عہد میں لکھیں۔"[1]
چنانچہ ہم بھی حبیب السیر" کی تحریر کی تقلید میں ابتداء خراسان میں جامی کے ممدوحین سے
کرتے ہیں۔

مرزا ابوالقاسم بابر

حکومت ۸۵۶ ــــ ۸۶۰ ہجری / ۱۴۵۲ ــــ ۱۴۵۶ عیسوی

وہ بایسنقر بن شاہرخ کا بیٹا تھا۔ پہلے دس سال تک استرآباد اور خراسان میں اپنے دادا شاہرخ کی نیابت میں حکومت کرتا رہا۔ پھر اُسے مکمل اختیارات حاصل ہوئے تو افغانستان عراق، فارس اور خراسان اُس کے زیر نگین آ گئے۔ ۲۵ ربیع الثانی ۸۶۰ ہجری کو وفات پائی۔

مجالس النفائس میں امیر علی شیر نوائی کی اس کے بارے میں رائے ہے کہ:

" وہ ایک درویش صفت اور کریم الطبع بادشاہ تھا۔ حالیہ صدیوں میں کوئی بادشاہ سخاوت میں اس کا ہم پلہ نہیں گذرا۔ کہتے ہیں اس کے سامنے حاتم (طائی) کا ذکر کیا گیا کہ اس کے گھر کے چالیس دروازے تھے اور اگر کوئی سائل ہر دروازے سے آتا تو حاتم ہر بار اُسے عطا کرتا۔ بابر نے یہ سنا تو کہا " حاتم ایک دروازے سے ہی اتنا کیوں نہ دیا کرتا کہ سائل کو دوسرے دروازے پر آنے کی حاجت نہ رہتی "۔ اُسے تصوف کے رسائل لمعات[2] اور گلشن راز[3] سے شغف تھا۔

وہ شعر اگوئی کا بھی ذوق رکھتا۔ یہ رباعی اُسی کی ہے:

---

[1] حبیب السیر ۴: ۳۳۸

[2] لمعات، شیخ فخر الدین ابراہیم (م ۶۸۸ ہجری / ۱۲۸۹ عیسوی) کی تصنیف ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات در ایران

[3] گلشن راز، شیخ محمود شبستری (م ۷۲۰ ہجری / ۱۳۲۰ عیسوی) کی تصوف پر مثنوی ہے۔ دیکھئے: تاریخ ادبیات در ایران ۳: ۷۶۴ - ۷۶۶

چوں بادہ وجام راہم پیوستی — می دان بیقین کہ رند بالا دستی
جامست شریعت وحقیقت بادہ — چوں جام شکستی بیقین بدمستی"

جامی نے ۸۵۰ ہجری میں فنِ معما پر رسالہ" حلیۂ حلل "میرزا ابوالقاسم بابر کے نام پر ہی لکھا۔ کتاب کے مقدمہ اور متن میں کئی مقامات پر شاہ مذکور کا نام بطور تعمیہ موجود ہے۔ جامی نے موصوف کی مدح میں ایک غزل بھی کی جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے :

بیا اے ساقی مہوش بدہ جام مے رخشاں
بروئے شاہ ابوالقاسم معزالدولہ بابر خاں
زنظم دلکش جامی سرود بزم او بادا
برائے عشرت ساقی نوید عیش جاویداں[1]

مرزا ابوسعید گورگان

حکومت ۸۶۰ — ۸۷۳ ہجری / ۱۴۵۶ — ۱۴۶۹ عیسوی

شاہرخ کے بعد ماوراءالنہر کا اقتدار ابوسعید گورگان کے پاس رہا۔ وہ ہمیشہ خراسان کی فتح کے خواب دیکھا کرتا۔ چنانچہ ابوالقاسم بابر کے انتقال (۸۶۰ ہجری) پر اس نے خراسان پر چڑھائی کر دی اور ۸۶۳ ہجری / ۱۴۵۹ عیسوی میں اُسے مکمل طور پر فتح کر کے ایک عظیم سلطنت کی بنیاد رکھی اور بارہ سال تک ماوراالنہر، افغانستان اور خراسان پر حکومت کی۔ آخر کار رجب ۸۷۳ ہجری میں آذربائیجان میں اوزن حسن ترکمان نے اُسے قتل کروا دیا۔

" روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ ہرات" کا مصنف ۸۷۰ ہجری کے واقعات درج کرتے ہوئے مرزا ابوسعید کی شان و شوکت کا ذکر یوں کرتا ہے :

---

[1] دیوان جامی (ش۔ الف) ۷۰۶: مقطع کا دوسرا مصرعہ یوں ہے۔ نوائے عشرت باقی نوید عیش جاویداں

"۸۷۰ ہجری تک امور مملکت میں کوئی بدنظمی باقی نہ رہی۔ شاہ کے انصاف اور عطوفت کی برکت سے ظلم و ستم اور شر و فساد کی جڑیں کٹ گئیں۔ چین کی سرحد اور تلماق کے صحرا سے لیکر حدودِ خوارزم و اداق تک اور مازندران کی آخری حد سے لے کر منولستان تک اور ترکستان سے ہندوستان کے آخری گوشے تک سارا علاقہ سلطان سعید کے زیرِ فرمان آگیا۔ یہاں کے سارے سرکشوں نے اس کی اطاعت قبول کرلی۔ شاہ کے عدل و سخاوت کی اطراف و اکنافِ عالم میں وہ دھوم مچی کہ لوگ اپنے قدیم مسکن و مکان چھوڑ کر اس کے سایۂ عاطفت میں آرہے ہے"[1]

اگرچہ مولانا جامی نے اپنے دیوان کو پہلی بار سلطان ابوسعید کے زمانے میں ہی اکٹھا کیا۔ لیکن اس کا نام دیوان میں بہت کم آیا ہے۔ ہماری نظر سے ایک مثنوی نما نظم گذری ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

دوش چون برد سر ز گردش مہر   ظل مخروطی زمین بسپہر[2]

اس مثنوی میں چند اشعار سلطان ابوسعید کی مدح میں ہیں۔

علاوہ ازیں مولانا کی ایک غزل میں بھی شاہ مذکور کی ستائش کی گئی ہے۔ ممکن ہے یہ غزل اس وقت کہی گئی ہو جب ابوسعید ابھی سمرقند میں تھا اور مولانا بھی خراسان سے سمرقند گئے ہوں گے۔ (تقریباً ۸۵۵ - ۸۷۰ ہجری)۔ غزل مذکور کا مطلع ہے:

ساقی بشکل جام زر آمد ہلال عید   مے دہ بفرّ دولت سلطان ابوسعید[3]

جامی کی تصانیف میں ہمیں کسی ایسی کتاب کا سراغ نہیں ملتا جس کا انتساب ابوسعید کے نام ہو۔ اس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ جامی کو سلطان کے دربار تک رسائی حاصل نہیں تھی اور سلطان بھی انہیں اچھی طرح نہیں پہچانتا تھا۔

---

[1] روضات الجنات ۲: ۲۷۶

[2] دیوان جامی (گنج بخش) ۹۶:

[3] دیوان جامی (پژمان): ۱۰۰

جب ۸۷۳ ہجری میں سلطان قتل ہوا تو جامی کی عمر چھپن سال تھی۔

سلطان حسین بایقرا

حکومت ۸۷۳ ــــ ۹۱۱ ہجری / ۱۴۶۹ ــــ ۱۵۰۶ عیسوی)

اِس کا نسب امیرزادہ عمر شیخ کے واسطے سے امیر تیمور گورگان سے جا ملتا ہے۔ وہ خاندان تیموریہ کا آخری صاحب اقتدار بادشاہ ہے جس نے نہایت خود مختاری سے ۳۸ سال تک مشرقی ایران پر حکومت کی۔ اس کے دورِ حکومت میں خراسان بڑا آباد ہوا اور اسے بے حد رونق ملی۔ اہل علم و فضل کی سرپرستی سے ہرات، سلطان محمود غزنوی (۳۸۸۔۴۲۱ھ/۹۹۸۔۱۰۳۰ء) کا غزنی بن گیا۔ شعراء، علماء اور اہل فن تھے کہ وہاں جمع ہوتے جا رہے تھے۔ سلطان حسین کا معاصر مورخ خواند میر اپنی کتاب "تاریخ حبیب السیر" میں سلطان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"سادات عظام، علمائے اسلام، فضلائے روزگار اور شعرائے بلاغت شعار سے نیک برتاؤ میں اُس نے کبھی تغافل اور سستی سے کام نہیں لیا۔ وہ اُن کی درخواستیں قبول کرنے اور انہیں اجناس و انعامات بھیجنے میں بڑی سنجیدگی سے احکام صادر کرتا۔ ہفتے میں دو دن یعنی پیر اور جمعرات کو قضات اور علماء اس کے دربار میں مدعو ہوتے اور سلطان کو جو بھی مسئلہ در پیش ہوتا اس کا ازروئے شرع فتوے کے مطابق فیصلہ کرتا۔ درویشوں اور گوشہ نشینوں کی صحبت میں بھی اس کا اکثر جانا ہوتا۔ وہ وعظ کی مجالس میں شرکت کرتا۔ مشائخ اسلام اور شیریں بیان واعظوں کا احترام لازم اور واجب خیال کرتا۔ اُسے رفاہی ادارے قائم کرنے، مساجد، مدارس، خانقاہیں اور سرائیں بنانے میں بڑی دلچسپی تھی۔ وہ اپنی گرہ سے آباد قصبات اور مرغوب الطبع اجناس خرید کر اُن کے لئے وقف کرتا۔ اس نے خوبصورت محلات اور خوش منظر عمارات تعمیر کروائیں۔ باغات کے نقشے اور اُن میں درخت اور پھول لگانے میں، اس نے ذاتی دلچسپی کا اظہار کیا۔"[1]

---

[1] حبیب السیر ۴: ۱۱۱

سلطان کے زمانے میں مملکت خراسان بالخصوص دارالحکومت ہرات کی اس قدر آبادکاری ہو چکی تھی کہ بقول اسفزاری :

" ویران اور پتھریلی جگہوں میں سے کوئی جگہ ایسی باقی نہ بچی جو کھیت یا باغ نہ بن گئی ہو۔ وادیوں اور صحراؤں میں جتنی خشک اور بنجر زمینیں تھیں۔ انہیں نہریں اور کنوئیں کھود کر آباد کر دیا گیا۔ مثلاً "مرغاب" سے "مروشاہجہان" تک کا تقریباً تیس فرسخ اور سرخس" سے "مرو" تک کا پچیس فرسخ کا غیر آباد اور بنجر علاقہ انہی مبارک ایام میں سرسبز اور آباد ہو کر ایک دوسرے سے متصل ہو گیا۔"[1]

لیکن ہرات کو نظر بد کھا گئی اور سلطان حسین بایقرا کی وفات کے بعد محمد خان شیبانی اور ازبکوں کے حملوں سے یہ رونق جاتی رہی۔

سام میرزا جو ہرات کی فتح اور ازبکوں کی شکست کے بعد اپنے باپ شاہ اسماعیل صفوی کی نیابت میں ۹۲۸ ہجری تا ۹۳۶ ہجری / ۱۵۲۲ عیسوی تا ۱۵۳۰ عیسوی ہرات اور خراسان پر حکومت کرتا رہا، سلطان حسین بایقرا کا حقیقی جانشین ثابت ہوا۔ اس نے اپنی کتاب "تحفۂ سامی" میں سلطان حسین کے عہد حکومت کا بڑے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے :

" سلطان حسین مرزا ایک عادل اور رعایا پرور بادشاہ تھا اس کی حکومت کے ایام موسم بہار کے دنوں کی طرح خوش و خرم گذرے۔ جو کامیابی اُسے حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے بادشاہ کے حصے میں کم آئی ہے۔ رفاہی ادارے بنانے اور علماء و طلبہ کو سہولتیں فراہم کرنے میں وہ پیش پیش تھا۔ چنانچہ اُس کے زمانے میں بارہ ہزار علماء وظیفہ پاتے تھے۔ اس سے ملک کی آبادکاری رفاہ عامہ اور اہل ہنر و شعر کی سرپرستی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس بادشاہ کو امیر علی شیر جیسا وزیر اور مولانا جامی ایسا مداح مل جائے وہ باقی مداحوں کی مدح و ستائش سے بے نیاز ہے"[2]

---

[1] روضات الجنات ۱ : ۲۲۴ - ۲۲۵

[2] تحفۂ سامی : ۱۴

سلطان حسین اپنی تمام تر شان و شوکت اور رعب و جلال کے باوجود ذاتی طور صاحب ذوق وادب تھا۔ اسکے بے شمار فارسی اور ترکی اشعار موجود ہیں فارسی نظم میں وہ "حسینی" تخلص کرتا۔ نثری تالیفات میں سے اس کے "تذکرہ "مجالس العشاق" کو خاص شہرت ملی۔[۱]

ایسے شعر پرور بادشاہ کے زمانے میں استاد جامی کا فطری جوہر کھلنا اور اس سازگار ماحول میں اپنی بہترین منثور و منظوم کتابیں لکھنا، کوئی عجیب بات نہیں ہے۔

مولانا جامی کو سلطان کا اس قدر تقرب حاصل تھا کہ اکثر وزراء، امراء، اور افراد اپنا کام نکلوانے کے لئے اُن سے سفارش ڈلواتے۔ وہ بھی اپنی درویشی کے باوجود ان کی مدد سے دریغ نہ کرتے۔ اگر کوئی درباری، سلطان کا معتوب ہوتا تو وہ جامی سے مدد طلب کرتا۔ جامی پہلے ہی اس کی سفارش کے لئے تیار ہوتے۔ "تاریخ حبیب السیر" میں یہ واقعہ درج ہے کہ جب خواجہ مجد الدین محمد خافی وزیر، سلطان کے زیر عتاب آیا اور وہ سلطان کے ڈر اور جان و مال جانے کے خوف سے گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا تو ناچار اُسے مولانا جامی کا دامن تھامنا پڑا:

"جامی نے سلطان سے ملاقات کی بڑے موزوں پیرائے میں عرض کیا کہ ملک کی آبادکاری اور فوج اور عوام کی خوشحالی کے لئے خواجہ مجد الدین محمد کا سرکاری جہات میں عمل دخل ناگزیر ہے بجائے اِس کے کہ اُس کے متعلق مفاد پرستوں کی باتوں پر کان دھرے جائیں، اُس کی اصلاح فرمائی جائے۔ جناب مولانا نے جو کچھ کہا سلطان نے سُنا اور بات مان گیا اور خواجہ مجد الدین کو (معافی کا) پیغام بھیج دیا۔ اُدھر خواجہ کو بھی سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ چنانچہ اگلے دن اس نے جہاں آرا باغ میں جا کر بڑا س امراء کی وساطت سے بیس ہزار کپکی دینار شاہ کو پیش کئے۔"[۲]

---

[۱]: سلطان کا ترکی دیوان جناب محمد یعقوب واحدی جوزجانی نے فارسی مقدمے کے ساتھ کابل سے ۱۳۴۶ شمسی میں شائع کر دیا ہے، لیکن مجالس العشاق امیر کمال الدین حسین بن شہاب الدین طبسی گازرگاہی کی تالیف ہے جو اس نے ۹۰۸ھ میں سلطان حسین بایقرا کے لئے لکھی تھی۔ تاریخ تذکرہ ھای فارسی ۲: ۷۵۔

[۲] حبیب السیر ۴: ۱۹۶۔

اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔

"منشآت جامی" میں اکیس مراسلات و رقعات ایسے ہیں جو"ملازمان حضرت خلافت پناہی" یعنی سلطان حسین بایقرا کو لکھے گئے۔ ان میں سے اکثر خطوط ان مکتوبات کے جواب میں ہیں جو سلطان نے مولانا کو ارسال کئے تھے۔ ان مکاتیب سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان، مولانا جامی کا کس قدر احترام کرتا۔ ایسا بھی ہوا کہ جب سلطان کو کوئی جنگی مہم پیش آگئی یا صلح کی پیش کش ہوئی تو وہ جہاں، جس حال میں بھی ہوتا، قاصد کو ایک خط دے کر مولانا جامی کی خدمت میں ہرات روانہ کرتا۔ ایسے ہی ایک خط میں سلطان نے مولانا سے استفسار کیا ہے کہ ہرات میں داخل ہونے کے لئے کون سی گھڑی مبارک رہے گی اور یہ کہ ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کے سعد و نحس کے بارے میں اُن کی کیا رائے ہے۔ ایسے مراسلات سے سلطان اور جامی کے باہمی معنوی تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔

جامی کی اکثر کتابیں سلطان حسین کے زمانے میں ہی تالیف ہوئیں۔ مثلاً بہارستان، رسالہ صغیر در معما، سلسلۃ الذہب، سبحۃ الابرار، یوسف و زلیخا، لیلےٰ و مجنوں اور آخری مثنوی خرد نامۂ سکندری کا انتساب بھی سلطان کے نام ہے۔ دیوانِ جامی میں بھی ایسے قصائد موجود ہیں جن کی ابتدا شاہی محلات و عمارات کی تعریف سے اور انتہا سلطان کی مدح پر ہوتی ہے۔

مولانا جامی کی وفات سلطان حسین کی وفات سے تیرہ سال پہلے یعنی ۸۹۸ ہجری میں ہوئی ان دنوں سلطان کے اقبال کا ستارہ عروج پر تھا مگر اُس نے جنازہ اٹھانے کی رسوم اور مجالس تعزیت منعقد کرنے میں کمال عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ جامی کے لئے عزاداری اور تجلیل کی تفصیل "خمسۃ المتحیرین" تالیف امیر علی شیر نوائی اور "روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ ہرات" میں موجود ہے۔ ہم امیر نوائی کی کتاب سے اقتباس پیش کرتے ہیں :

"جب جامی کے انتقال کی خبر شہر میں پھیلی تو ہر طرف سے امرا و اکابر جمع ہوگئے۔ سب نے ماتمی اور عزائی لباس پہن رکھا تھا۔ حضرت سلطان صاحبقران (حسین بایقرا) بھی تشریف لائے

اور دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ پھر فرطِ شفقت سے (جامی کے صاحبزادے) مولانا ضیاء الدین یوسف کو آغوش میں کھینچ لیا اور دیگر احباب سے تعزیت کا اظہار فرمایا۔ مجھے (امیر علی شیر) عزادار سمجھتے ہوئے میرے حال پر ہمدردی کا اظہار کیا۔ وہ مجھے صبر کی تلقین کر رہے تھے۔ لیکن خود ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ چونکہ اُن کے مزاج مبارک میں ضعف تھا اس لیے وہ واپس شاہی محل کو تشریف لے گئے۔ لیکن تمام شہزادوں اور نمائندگانِ حکومت کو حکم دیا کہ وہ مرحوم کے جنازے میں شریک ہوں۔ چنانچہ سلطان احمد میرزا، مظفر حسین میرزا اور دوسرے شہزادے تابوت کو کندھا دینے میں ایک دوسرے پر سبقت لے رہے تھے۔ جنازہ گاہ پہنچنے تک یہی حال رہا[1]

جامی نے اپنی کتب میں سلطان حسین بایقرا کے بیٹوں اور بعض شہزادوں کی بھی تعریف کی ہے۔ مثلاً مثنوی یوسف و زلیخا کے مقدمہ میں، سلطان کے چہیتے بیٹے سلطان مظفر حسین مرزا کی مدح موجود ہے۔ سلطان مظفر ہمیشہ ہرات میں اپنے باپ کا مقرب رہا ہے۔

مثنوی لیلیٰ و مجنوں کے مقدمے میں مولانا جامی نے سلاطین سلف کا ذکر کیا ہے۔ وہاں چنگیز کی، جس سے تیموریوں کو نفرت تھی، مذمت کی ہے اور تیمور اور شاہرخ کا نہایت ادب سے نام لیا ہے۔ اِس قطعے کا اختتام سلطان حسین کی مدح پر ہوتا ہے۔ قطعے کا مطلع ہے:

ساقی بده آن مے چو خورشید　　　　در جام جہان نمای جمشید[2]

اب جبکہ خراسان میں جامی کے معاصر سلاطین کا تذکرہ ہو رہا ہے تو اس عہد کے ایک عظیم امیر کا ذکر بھی ناگزیر ہے جس نے نویں صدی ہجری میں ادبی کتب، بالخصوص جامی کے آثار کی تخلیق میں بہترین کردار ادا کیا تھا۔ ہمارا اشارہ امیر علی خیر نوائی کی طرف ہے۔

---

[1] بحوالہ خمسۃ المتحیرین: ۲۸ "جامی"۔ نیز دیکھئے: تکملۂ لاری: ۴۳۔

[2] لیلیٰ و مجنون: ۷۶۲

امیر علی شیر نوائی

۸۴۴ ـــ ۹۰۶ ہجری ـــــــ ۱۴۴۰ ـــــ ۱۵۰۱ عیسوی

جب نویں صدی ہجری کے آخر میں علم وادب کا بازار گرم تھا تو ادب عالیہ، جس میں جامی کی تحریریں ستاروں کی مانند جھلملا رہی تھیں، کی تخلیق میں اِس علم پرور امیر کا بڑا ہاتھ رہا۔ امیر جو خود ادیب و صاحب ذوق تھا، سلطان حسین بایقرا کے دربار میں کافی اثر ورسوخ رکھتا تھا۔ ذاتی طور پر بھی اس کے پاس دولت کی کمی تھی نہ شان وشوکت کی۔

اس ادیب اور ادب پرور امیر کو علماء و فضلاء سے اس قدر محبت تھی کہ مشہور مستشرق استاد براؤن Browne نے اُسے E. Cilinius Maecenas سے تشبیہ دی ہے[1] فضلاء، شعراء اہلِ ذوق پروانہ وار اُس کے گرد جمع ہوتے وہ خود نہایت عقیدت سے مولانا جامی کے آگے سر جھکاتا۔ امیر کے ہاں جامی کی قدر ومنزلت تو تھی ہی مگر وہ آپس میں دوست بھی تھے۔ بلکہ دونوں میں استادی و شاگردی کا رشتہ بھی قائم تھا۔ جامی کی اکثر کتابوں کی تصنیف کے پس پردہ امیر علی شیر کی خواہش اور حوصلہ افزائی کارفرما رہی ہے۔ انہوں نے اپنی ایسی تمام کتب میں امیر کا نام بڑے احترام سے لیا ہے۔ اُن کے کئی ایسے منثور مراسلات و منظوم قصائد و قطعات و غزلیات موجود ہیں جو امیر کے لئے لکھے گئے یا اس کے جواب میں کہے گئے۔

جامی کی بیشتر کتب کی تالیف ان کی عمر کی آخری چوتھائی یعنی ۸۷۵ ہجری اور ۸۹۸ ہجری کے درمیان ہوئی جو امیر علی شیر کی تحریک اور تشویق کے دلائل میں سے ایک ہے۔

جامی کی وفات پر امیر نے سات بندوں میں ستر اشعار پر مشتمل ایک طویل اور پُر سوز مرثیہ

---

[1] مایسناس ۸-۷۰، قبل مسیح اکابر روم میں سے تھے۔ ادب سے بے حد لگاؤ تھا۔ مشہور شاعر ہراس ان کے دوست تھے۔ از سعدی تا جامی: ۴۳۸

لکھا ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے :

ہر دم از انجمن چرخ جفای دگر است　　　　ہر یک از انجم او داغ بلای دگر است

پھر مولانا کی یاد میں اُن کے حالات پر ایک کتاب "خمسۃ المتحیرین" تالیف فرمائی۔ جس میں جامی کی وفات پر خود کو "عزادار" ظاہر کیا ہے۔

یہ نامور امیر ۸۴۴ ہجری میں بمقام ہرات پیدا ہوا اور وہیں ۹۰۶ ہجری میں ابدی نیند سو گیا۔ مناسب ہوگا اگر ہم یہاں امیر کی سیاسی اور علمی خدمات کا بھی مختصر جائزہ لے لیں۔

امیر بچپن ہی سے سلطان حسین بایقرا کا دوست چلا آرہا تھا چنانچہ جب سلطان ہرات کے تخت پر بیٹھا تو اُسے سلطان کی خصوصی توجہ اور نوازش حاصل رہی۔ شاہی فرامین پر مہر لگانے کا منصب اسے تفویض ہوا۔ اس نے اپنی سخاوت، استغنا، دنیاوی جاہ و جلال سے بیزاری، سرکاری مشاغل سے اعراض اور بے غرضی سے جلد ہی سلطان اور شاہزادوں کا اعتماد حاصل کر لیا۔ سب اس کا احترام کرتے تھے۔ سلطان نے اسے رُکن السلطنۃ، اعتماد الملک والدولہ اور مقرب الحضرۃ السلطانی کے القاب سے نوازا۔ بارہا بڑے بڑے کام اس کے سپرد کیے گئے۔ مثلاً صوبہ استرآباد کا انتظام جو اس وقت سلطان کی مملکت کا ایک وسیع اور آباد علاقہ تھا، اسے سونپا گیا لیکن کچھ روز کے بعد اس نے استعفیٰ دے کر گوشۂ فراغت، اطمینان خاطر اور ادبی مطالعات کو دنیاوی جاہ و جلال پر ترجیح دی۔ جامی کے مشورے پر وہ سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ ہو کر وادیٔ تصوف میں داخل ہوگیا۔

امیر کے دل میں نیک کام انجام دینے کا بے پناہ جذبہ موجود تھا۔ کہتے ہیں اس نے تین سو ستر مساجد، مدارس، مقابر اور مزارات کی بنیادیں رکھیں یا تعمیر اور مرمت کروائے۔ مشہور زمانہ مصور استاد بہزاد اور شاہ مظفر، موسیقار قول محمد، شیخ نائی اور حسین عودی کا عروج اسی کی سرپرستی کا نتیجہ ہے۔ وہ خود بھی ایک ماہر موسیقار، سازندہ اور زبردست مصور تھا۔

ترکی شاعری میں علی شیر کی نظیر نہیں ملتی۔ اس زبان میں اُس کی غزلیات کے چار دیوان

خمسۂ نظامی کے جواب میں پانچ طویل مثنویاں اور عطار کی مثنوی (منطق الطیر) کی تقلید میں "لسان الطیر" موجود ہیں۔ ترکی نظم میں وہ "نوائی" تخلص کرتا اور اس کی شہرت بحیثیت شاعر ترکی شاعری ہی سے ہے۔ فارسی میں وہ "فانی" تخلص سے شعر کہتا لیکن یہاں وہ ترکی والی بات پیدا نہیں کر سکا پھر بھی اُسے "ذواللسانین" (دو زبانوں والا) کا لقب دیا گیا ہے۔ اس کی ترکی اور فارسی کتابوں کی مجموعی تعداد تیس کے قریب ہے۔ چند نام یہ ہیں۔

۱۔ غزلوں کے چار دیوان: غرائب الصغر، نوادر الشباب، بدایع الوسط، فوائد الکبر،

۲۔ خمسہ، یہ پانچ مثنویاں ہیں: تحیۃ الابرار، فرہاد و شیریں، لیلیٰ مجنوں، سد سکندری، ہبعہ سیارہ

۳۔ لسان الطیر۔ ۴۔ مجالس النفائس، یہ نوائی کے معاصر شعراء کا مختصر تذکرہ ہے۔ دسویں صدی ہجری میں اس کتاب کا دو دفعہ فارسی ترجمہ ہو چکا ہے۔ جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ۵۔ سراج المسلمین، ۶۔ اربعین منظوم، ۷۔ نظم الجواہر ۸۔ محبوب القلوب ۹۔ تاریخ انبیاء ۱۰۔ تاریخ ملوک العجم ۱۱۔ نسائم المحبۃ ۱۲۔ رسالۂ عروضیہ ۱۳۔ خمسۃ المتحیرین ۱۴۔ محاکمۃ اللغتین، اس کتاب میں مصنف نے ترکی زبان کی فارسی زبان پر برتری ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب ۹۰۵ ہجری میں لکھی گئی۔ ۱۵۔ حالات پہلوان اسد۔ ۱۶۔ حالات سید حسن اردشیر، ۱۷۔ مفردات، فن معمّا میں ہے ۱۸۔ قصۂ شیخ صنعان ۱۹۔ مناجات نامہ ۲۰۔ منشآت ترکی ۲۱۔ دیوان فارسی ۲۲۔ منشآت فارسی ۲۳۔ میزان الاوزان

مذکورہ بالا کتب میں سے صرف مثنویات اور غزلیات موجود ہیں۔ بقیہ کتب نادر اور کمیاب ہیں[1]

---

[1] امیر کے مفصل حالات کے لئے دیکھئے:

۱: امیر علی شیر نوائی فانی۔ شرح زندگانی، آثار عمرانی، مؤلفات و نمونۂ نظم و نثر او تألیف محمد یعقوب واحدی جوزجانی انجمن تاریخ افغانستان کابل، ۱۳۴۶ شمسی۔

۲: زندگانی سیاسی میر علی شیر نوائی۔ تالیف بارتولد ترجمہ میر حسین شاہ۔ انجمن تاریخ افغانستان، کابل ۱۳۴۶ش

صاحب "حبیب السیر" جو امیر کا معاصر ہے اور پروردہ بھی، ۹۰۶ ہجری کے واقعات کے ذیل میں اس کی وفات کا واقعہ یوں بیان کرتا ہے:

"اتوار، ۱۲ جمادی الآخر کی صبح امیر کی روح قفس عنصری کی گلشن سے نکل کر ریاض جاودانی کی پہنائیوں کی طرف پرواز کر گئی۔ علی الصبح جب یہ خبر وحشت اثر دارالحکومت ہرات میں پھیلی تو ہر خاص و عام پر حزن و ملال کی کیفیت طاری ہو گئی کیا فقیر کیا وزیر کیا بوڑھے کیا بچے، سب آہ و بکا کر رہے تھے۔

علماء کے سر سے دستارِ فضیلت گر پڑی۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب انہیں کون نوازے گا۔ واجب الاحترام فضلاء کی شکیبائی کا دامن تار تار ہو گیا وہ نہیں جانتے تھے کہ اس کے بعد کس کی مجلس کا رخ کریں"۔[1]

صاحب حبیب السیر نے امیر علی شیر نوائی کے اخلاق و آداب، اشعار اور تالیفات کی تفصیل پر ایک علیحدہ رسالہ موسوم بہ "مکارم الاخلاق" بھی لکھا ہے[2]

عراق اور آذربایجان کے ترکمان سلاطین

جس زمانے میں ایران کے مشرقی حصے کی زمام اقتدار سلطان ابوسعید اور سلطان حسین بایقرا کے ہاتھ میں تھی اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ اس وقت ایران کے مغرب میں ترکمان بادشاہ جہان شاہ قراقوینلو، اوزن حسن آق قوینلو اور اس کا بیٹا یعقوب بڑے طمطراق سے حکومت کر رہے تھے۔

---

[1]۔ حبیب السیر ۴: ۲۵۵

[2]۔ ایضاً ۴: ۲۵۶

جامی کے ان ترکمان سلاطین کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے۔ یہ شاہانِ وقت جامی کی نسبت جس عزت و احترام کا اظہار کرتے اس کا اندازہ تاریخ و سیر کی کتب کے مطالعہ سے ہو جاتا ہے بلکہ خود جامی کی تحریروں سے بھی نمایاں ہے۔

جہان شاہ قراقوینلو

حکومت ۸۴۱ — ۸۷۲ ہجری / ۱۴۳۷ — ۱۴۶۸ عیسوی

ایک طرف قراقوینلو خاندان (جامی کے ممدوح) تیموریوں کے خون کا پیاسا تھا۔ دوسری طرف اوزن حسن نے جہان شاہ کو قتل کر کے قراقوینلو خاندان کے سلسلۂ بادشاہت کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔ لہٰذا جامی نے اپنی تصانیف میں قراقوینلو سلاطین کو بہت کم جگہ دی ہے۔ البتہ انشائے جامی میں جہان شاہ کو لکھا گیا ایک منظوم مکتوب موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہان شاہ شعر موزوں کر لیتا تھا۔ اس کا تخلص "حقیقی" تھا۔ اسے تصوّف سے بھی لگاؤ تھا۔

قراقوینلو خاندان کی تشیع سے وابستگی اور اہلِ بیت کے فضائل میں اُن کا غلوّ مشہور رہے۔

جہان شاہ نے جب اپنا دیوان، جامی کی خدمت میں ارسال کیا تو مولانا نے جواباً ایک طویل قطعہ لکھ بھیجا۔ جس کا مطلع ہے۔[1]

بدہ ساقی آن جام گیتی نمای   کہ ہستی ربا بست و مستی فزای[2]

جہانشاہ اور جامی کے باہمی تعلقات کی دوسری سند مولانا کا وہ مکتوب ہے جو انہوں نے بظاہر آذربائیجان کے بنے ہوئے ان پشمینی ملبوسات ملنے پر لکھا ہے جو جہان شاہ نے جامی کو بطور تحفہ ارسال کئے تھے۔[3]

---

[1] انشائے جامی: ۷۰۔ خود جناب حکمت نے بھی کتاب "جامی" ص ۳۵ - ۳۶ پر اس منظوم خط کا متن شائع کیا ہے۔

[2] انشائے جامی: ۷۰

[3] انشائے جامی: ۱۰۷۔ جناب حکمت نے بھی "جامی" ۳۶ پر اس خط کا متن دے دیا ہے۔

اوزن حسن آق قوینلو

حکومت ۸۷۲-۸۸۲ ہجری / ۱۴۶۷ ــــ ۱۴۷۷ عیسوی

تبریز میں امیر حسن بیگ کی حکومت مضبوط ہو جانے کے بعد ۸۷۷ ہجری / ۷۳-۱۴۷۲ عیسوی میں سفر حجاز سے واپسی پر جامی کی تبریز میں اس بادشاہ سے ملاقات ہو چکی تھی۔ اس کا بیٹا یعقوب بیگ برسر اقتدار آیا تو جامی کے اس سے بھی راہ و رسم پیدا ہوئے۔ دربار آذربیجان سے جامی کے یہ گہرے تعلقات یعقوب بیگ کی حکومت کے آخری ایام تک برقرار رہے۔ ان تعلقات کا سراغ جامی کے منظوم و منثور آثار سے بخوبی ملتا ہے۔ مثلاً منشآت جامی میں جامی کا ایک مفصل مکتوب موجود ہے جو اوزن حسن کے اس خط کے جواب میں لکھا گیا ہے جس میں حجاز کے راستے کے محفوظ ہونے اور جنگ گرجستان کی اطلاع دی گئی تھی[1]

علی بن حسین واعظ کاشفی نے "رشحات عین الحیات" میں مولانا جامی اور حسن بیگ کی اس ملاقات کا ذکر کیا ہے جو جمادی الآخر ۸۷۸ ہجری / ۱۴۷۳ عیسوی میں ہوئی۔ وہ لکھتا ہے:

"جب مولانا تبریز پہنچے تو حسن بیگ کے قریبی ندماء قاضی حسن، مولانا ابوبکر تہرانی اور درویش قاسم شغادول نے شہر کے دوسرے امراء اور عمائدین کے ساتھ اُن کا استقبال کیا اور انہیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ مختلف خوبصورت مقامات سے گزار کر شہر لائے۔ مولانا نے حسن بیگ سے ملاقات کی۔ وہ بھی بڑے ادب سے پیش آیا اور شاہی تحائف نذر کیے۔ اُس نے بڑی نیازمندی سے (مزید) قیام کی درخواست کی۔ مگر وہ اپنی معمر والدہ کی خدمت کا بہانہ بنا کر خراسان روانہ ہو گئے[2]

---

[1] انشائے جامی: ۴۲-۴۳، "جامی": ۳۶-۳۷

[2] رشحات عین الحیات ا: ۲۴۳

سلطان یعقوب بیگ

حکومت ۸۸۴-۸۹۶ ہجری / ۱۴۷۹- ۱۴۹۱ عیسوی

مولانا کی مثنویات اور منشآت سے سلطان مذکور سے ان کے وسیع تعلقات کا پتہ چلتا ہے ۔
دیوان جامی میں ایک نصیحت آمیز قصیدہ موجود ہے ، جو انہوں نے سلطان کے ایک خط کے جواب میں
لکھا ۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے :

قاصد رسید و ساخت معطر مشام من   در چین نامہ داشت مگر نامۂ ختن [1]

"سلسلۃ الذہب" کے تیسرے دفتر میں جامی نے یعقوب آق قوینلو کی وفات کے بعد اس کے
حسن سیاست ، مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کی مخالفت کا ذکر کیا ہے اور اس کی موت پر
اظہار افسوس کرتے ہوئے ایک قطعہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے :

بود یعقوب بن حسن شاہی   آسمان جمال را ماہی [2]

مولانا کی مثنوی "سلامان وابسال" کا انتساب اسی سلطان یعقوب کے نام ہے ۔ مثنوی کی
ابتداء اور اختتام پر جامی نے سلطان کا نام بڑے احترام سے لیا ہے ۔ مثلاً کتاب کے آغاز میں
لکھتے ہیں :

شاہ یعقوب آں جہانداری کہ ہست   با علوش ذروۂ افلاک پست

تا

والدش مرکب بدار الخلد راند   از دے این خلق حسن میراث ماند [3]

اسی مثنوی کے مقدمے میں جامی نے سلطان یعقوب کے بھائی یوسف بیگ کی بھی تعریف کی

---

[1] دیوان جامی (گنج بخش) ، ص ۵۷ ۔

[2] سلسلۃ الذہب ، دفتر سوم ، ۲۹۴ " حکایت سیاست یعقوب سلطان آں عوان شیرازی را " جامی : ۳۸-۳۹
میں بھی اس قصیدہ کا متن موجود ہے ۔

[3] سلامان وابسال ، ۱۵/۲ ۔

ہے۔ وہ کہتے ہیں:

والی مصر جلال و احتشام   بود، از آمرزد یوسفش کردند نام[1]

"سلامان وابسال" میں قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس میں جامی نے اپنے ایک خواب کا ذکر کیا ہے۔ وہ عالمِ خواب میں حسن بیگ کو دیکھتے ہیں اور اس سے گفت و شنید کرتے ہیں۔ حسن بیگ بڑھ کر مولانا کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے جس کی تعبیر وہ یہ لیتے ہیں کہ ان کی مذکورہ مثنوی کو شرف قبولیت مل گیا۔ اس خواب کا ذکر وہ مثنوی میں مندرجہ ذیل شعر سے شروع کرتے ہیں:

چوں رسیدم شب بدینجا زین خطاب   در میان فکرتم بربود خواب

تا

گفت ایں لطف و رضا جوئی زشاہ   بر قبول نظم تو آمد گواہ[2]

مولانا کے تیسرے دیوان "خاتمۃ الحیوۃ" میں بھی چند قصائد یعقوب بیگ کی مدح میں موجود ہیں۔ ایک قصیدے میں وہ تبریز میں سلطان کے تعمیر کردہ محل "ہشت بہشت" کی تعریف کرتے ہیں۔ بظاہر یہ عمارت اپنے وقت میں بڑی قابلِ دید رہی ہے۔ کیونکہ سیاحوں اور اطالوی سفراء نے اپنے سفرناموں میں اس محل کے شکوہ اور خوبصورتی کی بے حد تعریف کی ہے[3]

سلطان یعقوب کے درباریوں سے بھی جامی کے علمی تعلقات قائم تھے۔ اس ضمن میں سلطان کے وزیر اعظم قاضی عیسیٰ ساوجی کا نام لیا جا سکتا ہے جو ادیب اور باذوق شخص تھا۔ میر علی شیر مجالس النفائس میں اس کے بارے میں یوں رطب اللسان ہے:

---

[1] سلامان وابسال: ۳۱۶

[2] ایضاً: ۳۲۳-۳۲۴، جامی: ۲۰۱

[3] دیکھئے: صحائف الاخبار از منجم باشی، سفرنامہ تاجر اطالوی، بحوالہ جامی: ۲۰۰۔ جناب حکمت نے ان عمارتوں کی تعریف میں جامی کے چند اشعار بطور نمونہ نقل کئے ہیں۔

"سلطان یعقوب نے اُن (قاضی صاحب) کو ایسا نوازا اور ادب ملحوظ رکھا کہ اس وقت اہلِ عراق میں سے کسی بادشاہ نے کسی کو کم نوازا ہوگا . . . . شاعری سے اُن کا شغف ایسا تھا کہ روزانہ دس غزلیں کہہ دیتے۔ یہ شعر انہی کا ہے۔

ہر کس بگشت گلشن و گلزار خویشتن
ما و دلی چو غنچہ گرفتار خویشتن[۱]"

انشائے جامی میں ایک مفصل مکتوب موجود ہے جو مولانا نے قاضی عیسیٰ کے خط کے جواب میں لکھا اور ان کے لئے رسالہ "تفسیر سورۂ اخلاص" تالیف کر کے ارسال کیا۔[۲]

صاحب "حبیب السیر" نے امیر کمال الدین حسین[۳] کے حالات میں ایک دلچسپ حکایت درج کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ امیر کو نمائندہ بنا کر ہرات سے سلطان یعقوب کے پاس تبریز بھیجا گیا اور وزیر اعظم قاضی عیسیٰ کے لئے دیئے گئے تحائف میں کلیات جامی کا ایک نسخہ بھی رکھ دیا گیا۔ جب امیر کمال الدین، کتابدار سے کتابیں وصول کر رہا تھا تو "فتوحات المکیہ"[۴] کا ایک ویسا ہی نسخہ جو ضخامت اور حجم میں کلیاتِ جامی سے مشابہہ تھا لے لیا اور بے خیالی میں اپنے سامان میں رکھ دیا۔ آگے کیا ہوا، مؤلف "حبیب السیر" کی زبانی سنیئے:

"امیر جب سلطان یعقوب کی خدمت میں پہنچا اور تحائف پیش کئے تو بادشاہ نے بڑے اخلاقِ کریمانہ سے پوچھا "اتنے لمبے سفر میں اکتا گئے ہو گے؟" امیر حسین نے جواب دیا "ایسی

---

[۱] بحوالہ جامی از حکمت : ۴۱

[۲] انشائے جامی : ۷۸ - ۸۱، حکمت نے جامی : ۴۱ - ۴۲ میں اس خط کا اقتباس پیش کیا ہے۔

[۳] امیر کمال الدین حسین ابیوردی (م ۹۲۰ ہجری / ۱۵۱۴ عیسوی) نے شروع میں میر علی شیر کی ملازمت کی۔ ۹۰۰ ہجری میں بلخ میں سلطان بدیع الزمان نے انہیں آستانۂ علیہ شاہیہ کا صدر بنا دیا۔ حبیب السیر ۴ : ۳۵۰ - ۳۵۱

[۴] الفتوحات المکیۃ فی معرفۃ اسرار المالکیۃ والملکیۃ، شیخ ابن عربی (م ۶۳۸ ہجری) کی تصنیف ہے۔ کشف الظنون ۲ : ۱۲۳۸

کوئی بات نہیں، دراصل میرا رفیقِ سفر ایسا تھا کہ اکتاہٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا" سلطان یعقوب میرزا نے حقیقتِ حال دریافت کی تو جناب سیادت مآب نے فرمایا "ہرات سے چلتے وقت اعلیٰ حضرت بادشاہ نے جناب قاضی (عیسیٰ) کے لئے کلیات حضرت مولوی (جامی) کا ایک نسخہ دیا تھا وہ میرے ہمراہ تھا، جب ذرا اکتاہٹ ہونے لگتی میں ایک نظر اس کتاب افادت مآب پر ڈال لیتا"۔ شاہ نے فرمایا "کلیات کا نسخہ لایا جائے ذرا ہم بھی تو دیکھیں" امیر حسین نے کسی کو بھجوا کر وہ مجلد کتاب دربار میں منگوائی۔ جب اُسے کھولا گیا تو وہ "فتوحات" نکلی۔ ظاہر ہے اس "اتفاق" سے جناب سیادت مآب بڑے شرمندہ ہوئے اور "نتیجہ" میر علی شیر کے منظورِ نظر نہ بن سکے"۔[1]

آذربائیجان کے دوسرے امراء میں سے بادشاہ شیروان فرخ یسار شیروان شاہ سے بھی جامی کے تعلقات تھے۔ یہ قدیم خاندان کسی زمانے میں شیروان کے علاقے پر حکومت کرتا تھا۔ فارسی شعراء کا اُن کے دربار میں ہمیشہ ایک خاص مقام رہا۔ ایران کے دیگر علاقوں کے اساتذۂ سخن کے ساتھ اُن کی خط و کتابت رہتی تھی۔ "انشائے جامی" میں فرخ یسار کے خط کے جواب میں جامی کا ایک خط ملتا ہے۔[2]

عثمانی سلاطین

جب نویں صدی ہجری کے دوسرے نصف میں جامی کے علمی کمالات کا طوطی بول رہا تھا تو اس وقت ایشیائے کوچک کے تمام ممالک اور جزیرۂ بلقان پر عثمانی خاندان کے دو مشہور بادشاہ حکومت کر رہے تھے۔ ان دونوں بادشاہوں کا ذکر جامی کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اُن کے جامی سے تعلقات بھی قائم تھے۔ وہ سلاطین یہ ہیں:

---

[1] حبیب السیر ۴: ۲۵۰ - ۲۵۱

[2] جامی: ۲۴۳ پر اس خط کا مضمون موجود ہے۔

۱۔ سلطان محمد خان ملقب بہ فاتح (۸۵۵ - ۸۸۶ ہجری / ۱۴۵۱ - ۱۴۸۱ عیسوی)۔

۲۔ سلطان بایزید خان دوم (۸۸۶ - ۹۱۸ ہجری / ۱۴۸۱ - ۱۵۱۲ عیسوی)۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ مولانا جامی کے کمالات اور فضائل کی شہرت اُن کی زندگی ہی میں مشرقی ایران سے لے کر استنبول تک پہنچ چکی تھی جو اس وقت اسلامی تہذیب اور فارسی زبان و ادب کے اثرات کی آخری حد تھی۔

منشآت فریدون بیگ میں سلطان بایزید دوم کے مولانا جامی کے نام دو مراسلے اور ان کے جوابات شامل ہیں[1] ان خطوط سے وہ احترام و تکریم مترشح ہے جو سلطان، مولانا کے لئے بجالاتا تھا۔ سلطان نے اپنے ہر مکتوب کے ساتھ مولانا جامی کو مبلغ پانچ سو طلائی فلوری[2] بھیجے۔

دیوان جامی میں ایک قطعہ موجود ہے جو سلطان محمد قیصر روم کو لکھا گیا۔ اس میں مولانا نے سلطان کی فتوحات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قطعہ کا مطلع یہ ہے:

طاب ریاک اے نسیم شمال   قم وسر نحو قبلۃ الامال[3]

مثنوی "سلسلۃ الذہب" کا تیسرا دفتر جو مولانا نے سفر حجاز کے بعد تالیف کیا، اس کا انتساب سلطان بایزید عثمانی کے نام ہے[4]۔ مثنوی کے اختتام پر وہ سلطان کی بھیجی ہوئی اشرفیوں اور تحفے کا

---

[1] منشآت فریدون بیگ ا: ۳۶۱، استنبول، بحوالہ جامی: ۲۲۰، ۲۴۔ جناب حکمت نے اس مکاتبت کو شائع کیا ہے۔

[2] فلوری Florin ایک طلائی سکہ کا نام ہے جو اس زمانے میں یورپی ممالک میں رائج تھا اور اب بھی ہالینڈ میں اسی نام سے مروج ہے۔ خود جامی نے سلطان بایزید کو اپنے جامی خط میں اس جانب اشارہ کیا ہے۔

فرنگی اصل لیکن شاہ دیندار
رہانیدستشان از دست کفار

بحوالہ: جامی: ۲۱۰

[3]: دیوان جامی (گنج بخش): ۱۰۱، جامی: ۸۴ میں یہ مکمل قطعہ موجود ہے۔

[4]: سلسلۃ الذہب ۳: ۲۶۳ - ۲۶۵

بطور تعمیہ ذکر کرتے ہیں [1]

جامی کے تیسرے دیوان "خاتمۃ الحیوۃ" میں بھی سلطان بایزید خان کی مدح میں چند قصائد موجود ہیں۔ایک قصیدہ انوری کے مشہور قصیدے کے جواب میں لکھا گیا ہے۔جامی کے قصیدے کا مطلع اور مقطع یہ ہے:

ہر کرا در دہاں زبان باشد — در ثنائے شہ جہاں باشد
بایزید الدرم کہ تاج سراں — بر درش خاک آستاں باشد [2]

علاوہ ازیں جامی کا ایک ایسا منظوم قصیدہ موجود ہے جو سلطان کے ایک نثری خط کے جواب میں بھیجا گیا۔اس قصیدے میں وہ سلطان کے مکتوب اور تحائف کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ قصیدے کا مطلع یہ ہے:

چو دیدم آں نسق نظم و نثر دانستم — کہ مشکل است شدن بر جواب آں ظافر [3]

جامی اور صفوی سلاطین

سلطان حسین میرزا بایقرا کی وفات (۹۱۱ ہجری) اور ازبکوں کی خراسان پر فوج کشی سے ایران میں تیموری سلطنت دم توڑ گئی۔سلطان حسین کے بیٹے بدیع الزمان اور مظفر حسین اپنے باپ کی وفات کے بعد مشرقی ایران میں تیموری اور شاہرخی تاج و تخت کی حفاظت نہ کر سکے۔

---

[1] سلسلۃ الذہب ۳: ۳۰۸، از شعر

خاصہ شاہی کہ از مسافت دور
مدت قطع آں سنین و شہور
کف جود ویش متضاعف ساخت
بحر را شرمسار ز آں کف ساخت

[2]: دیوان جامی (گنج بخش)، ۸۳۹   [3]: جامی، ۵۰ پر اس قصیدے کے چند اشعار درج ہیں۔

اسی اثنا میں ایران کے مغربی افق پر شاہ اسماعیل صفوی کے بخت و اقبال کا ستارہ نمودار ہوا۔ ۹۱۶ ہجری / ۱۵۱۰ عیسوی میں خراسان میں محمد خان شیبک ازبک کے ساتھ مشہور جنگ لڑنے اور "مرو" میں اُسے ہلاک کر دینے کے بعد اب سارا خراسان اس کے سامنے خالی پڑا تھا۔ چنانچہ ۹۱۷ ہجری / ۱۵۱۱ عیسوی اور ۹۱۸ ہجری / ۱۵۱۲ عیسوی میں اس نے خراسان پر دوبارہ چڑھائی کی اور وہاں ازبکوں کی بچی کھچی حکومت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ یوں سلطنت تیموریہ کی جگہ دولت صفویہ نے لے لی۔ چونکہ جامی کے سن وفات ۸۹۸ھ سے ۹۱۶ ہجری تک ابھی بیس سال بھی نہیں گذر پائے تھے اس لئے صفویوں کا جامی کے بارے میں رویّہ قابلِ توجہ ہی نہیں بلکہ قابلِ ذکر بھی ہے۔

ہرات میں مولانا جامی کا شمار ممتاز بزرگانِ دین اور اجل علمائے اہلِ سنت و جماعت میں ہوتا تھا اور آپ متعصب رافضیوں پر طعن و تنقید کرنے کی وجہ سے مشہور تھے، لہٰذا سلاطین صفوی (جو خود شیعہ تھے) مولانا کو پاک اعتقاد شیعہ نہ سمجھتے بلکہ اُن پر طعن و تشنیع کرتے۔ کتاب "الشقائق النعمانیہ فی احوال علماء الدولۃ العثمانیہ" کا مصنف، سلطان محمد خان عثمانی (۸۵۵ - ۸۸۶ ہجری) کے عہد کے علمائے طبقۂ سابعہ کے ذیل میں جامی کے حالات میں یوں رقمطراز ہے:

> "کہتے ہیں جب اردبیلیوں کا طاغوتی گروہ خراسان پہنچا تو مولانا کے بیٹے کی قبر کھود کر اُس کی لاش کسی دوسرے علاقے میں دفن کر دی اور جب ایک دوسرا گروہ اردبیلیوں پر مسلط ہوا تو انہوں نے بھی وہی کام کیا لیکن قبر میں کچھ نہ پایا البتہ جو چند خشک لکڑیاں وہاں سے ملیں انہیں جلا ڈالا" [1]

اگرچہ فارسی مآخذوں میں مذکورہ واقعہ ہماری نظر سے نہیں گذرا لیکن قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہو گی۔

یہ روایت بھی قابلِ ذکر ہے کہ جب شاہ اسماعیل صفوی نے ہرات پر قبضہ کر لیا تو حکم دیا کہ جس کتاب میں بھی "جامی" کا نام ملے اس کی "جیم" کا نقطہ کھرچ کر اوپر ڈال دیا جائے تاکہ "خامی" پڑھا جائے۔ جامی کے بھانجے مولانا ہاتفی اِس تحریف پر بہت ملول اور متاثر ہوئے اور

---

[1] الشقائق النعمانیہ فی احوال علماء دولۃ العثمانیہ از طاش کبری زادہ: ۲۹۴ مصر، بحوالہ جامی: ۱۱۵

یہ قطعہ لکھا:

بس عجب دارم ز انصاف شہ کشور گشای | آنکہ عمری پرورش گردوں غلامی کردہ است
کز برای خاطر جمی لوند نا تراشش | نقطۂ جامی تراشیدہ است و خامی کردہ است

ایک دفعہ شاہ اسماعیل دیوانِ ہاتفی کا مطالعہ کر رہا تھا، اتفاق سے مذکورہ قطعہ پڑھا تو ہنس پڑا[۱]
قاضی نور اللہ شوشتری مصنف "مجالس المومنین"[۲] کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ وہ تمام اکابر سلف کو شیعہ قرار دیں لیے اُن کی کتابیں دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے متداول افکار کی آئینہ دار ہیں وہ بھی جامی کے تشیع کے بارے میں خاموش ہیں۔ ظاہر ہے اُن کا ذکر بحیثیت "معاند" اور "مخالف" ہی کیا ہے۔

سلاطینِ صفویہ اور علمائے شیعہ کی جامی پر اِس عدم توجہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا کے آثار کو تین چار صدیوں تک خود ایران میں وہ مقبولیت اور شہرت حاصل نہ ہو سکی جو اس کے برعکس انہیں ہندوستان اور ماوراء النہر میں مل چکی تھی۔

اس کے باوجود مولانا جامی کی عظمت، فضیلت اور علمی مقام اِس قدر بلند تھا کہ شاہ اسماعیل اوّل کے زمانے ہی میں انکے احترام سے انکار نہ کیا جا سکا۔ خود شاہ اسماعیل کے لڑکے اور خراسان کے فرمانروا سام میرزا نے جب تذکرہ "تحفۂ سامی" لکھا تو اپنے معاصر علماء و شعراء کی فہرست میں جامی کا نام سب سے اوپر رکھا اور لکھا:

"جامی اپنی نہایت پُر جوش اور بلند طبع کے سبب کسی تعارف کی محتاج نہیں، کیونکہ اُن کے

---

[۱] تذکرہ حسینی از میر حسین دوست سنبھلی: مطبوعہ لکھنؤ: ۶۹ - ۳۶۶ اور مجمع الفصحا تالیف رضا قلی خان ہدایت مطبوعہ تہران جلد دوم حصہ اول: ۱۷ - ۱۱۶ پر ہاتفی جامی کے حالات میں یہ حکایت موجود ہے۔

[۲] قاضی نور اللہ شوشتری (۱۵۴۹ء - ۱۶۱۰ عیسوی) کے حالات اور "مجالس المومنین" پر تبصرے کے لئے دیکھیے: رود کوثر از ڈاکٹر شیخ محمد اکرام: ۳۹۹ - ۴۰۵ لاہور ۱۹۷۰ء

فضائل کی شہرت پہلے ہی مشرق سے لے کر مغرب تک جا پہنچی ہے اور اُن کے فضل کا خوان اِس گوشے سے اُس گوشے تک پھیلا ہوا ہے۔

ز دیوان شعراست ایں بلکہ جامی
کشیدہ است خوانی بر ہم کریماں
ز انواع نعمت در او ہر چہ خواہی
بیابی، مگر مدح و ذم لئیماں"[1]

سام میرزا نے اپنے تذکرے میں مولانا جامی کے بھانجے مولانا ہاتفی کے بھی تفصیلی حالات درج کئے ہیں[2] ۹۱۷ھ ہجری میں خرجرد جام میں شاہ اسمٰعیل کی ہاتفی سے ملاقات کا حال مصنف نے سادگی سے اور بلا امتیاز کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"شاہ نے انہیں (ہاتفی) شاہی فتوحات منظوم کرنے پر مامور کیا، جسے مولانا نے قبول کر لیا اور تقریباً ایک ہزار اشعار لکھ ڈالے۔ لیکن اس کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔"[3]

جامی کے ہند (و پاکستان) کے ساتھ تعلقات

انشائے جامی میں بعض ایسے مکتوبات ملتے ہیں۔ جن کا مکتوب الیہ ایک ہندوستانی شخص "ملک التجار" نامی ہے۔ اس ضمن میں اکثر مکتوبات اُن خطوط کے جواب میں ہیں جو ملک التجار یا اس کے بیٹے خواجہ علی نے جامی کو لکھے تھے۔ ان خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ ملک التجار کوئی قابل احترام اور ممتاز شخص تھا اور اُسے عرفان و تصوف سے بھی لگاؤ تھا۔ وہ مولانا کو بڑے ذوق و شوق سے مفصل خطوط لکھتا۔ مولانا بھی جواباً تصوف کے باریک نکات سے بھرپور اور عربی و فارسی اشعار سے مزین طویل مکتوبات

---

[1] تحفۂ سامی: ۱۴۳

[2] ایضاً: ۱۶۰-۱۶۴

[3] ایضاً: ۱۶۴

ارسال کرتے۔ ایک مکتوب میں جامی نے اُسے "جلال الدین غیاث الاسلام" کا لقب دیا ہے[1]

ہم نے یہاں مو` نا جامی کے عہد کے ایسے فکری و ادبی نشیب و فراز، معاصرین کی تاریخ اور سیاسی حالات کا مقدور بھر جائزہ لے لیا ہے جو اُن کے افکار عالیہ کی تخلیق اور لافانی آثار کے ظہور میں دخل انداز رہے۔ اس عہد کی علمی و سیاسی تاریخ پر مزید تفصیلات مطلع السعدین و مجمع البحرین تالیف عبدالرزاق سمرقندی، تاریخ روضۃ الصفا تالیف میرخواند تاریخ حبیب السیر تالیف خواند میر تذکرۃ الشعراء تالیف دولت شاہ سمرقندی، تصانیف میر علی شیر نوائی اور اس صدی کی دوسری کتابوں سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

[1] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔ مقدمہ کتاب ہذا۔ ص ۴۶۔

بابِ دوّم

جامی کے حالاتِ زندگی

مصوّر فرہاد اسلمی
جامی چہ حاجت ست بگفتن کہ زد رقم
بر لوح چہرہ ہر مژہ حسب حال تو

جامی کے حالاتِ زندگی

مآخذجاتِ جامی:

جامی کی عظیم شخصیت کے حالاتِ زندگی پر ہمارے پاس جو مآخذ و منابع ہیں وہ دوسرے اکابر کی نسبت نہ صرف تعداد میں زیادہ ہیں بلکہ ان کے مندرجات بھی زیادہ قابلِ اعتماد ہیں۔ ہم نے ان کی درجہ بندی یوں کی ہے:

۱۔ پہلے مرحلے میں ہم نے وہی اصول اپنایا ہے کہ کسی ادیب یا شاعر کے حالات خود اسی کے آثار سے اخذ و تلاش کئے جائیں۔ چنانچہ ہم نے جامی کے حالاتِ زندگی کے لئے ان کی تصانیف سے استفادہ کیا۔ ہماری خوش قسمتی یہ رہی ہے کہ ہر دور میں لوگوں نے جامی کی کتابیں، کیا عربی، کیا فارسی اور کیا منثور، کیا منظوم، بڑے احترام سے سنبھالے رکھیں اور یوں وہ کسی عیب اور نقص کے بغیر اور حوادثِ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ ہم تک پہنچ گئیں۔ جامی کی کلیات کے متعدد مخطوطات جن میں سے بعض مؤلف کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، صحیح و سالم موجود ہیں۔[۱]

---

[۱] احمد منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۳ : ۱۸۵۲ میں کلیاتِ جامی کے بعض نادر نسخوں کی تفصیل موجود ہے جو مصنف کی زندگی میں ۸۷۷ھ اور ۸۹۶ھ کے درمیان لکھے گئے۔ وفاتِ جامی (۸۹۸ھ) سے ایک سو سال بعد لکھے جانے والے کلیاتِ جامی کے نسخے کی تعداد اس سے کہیں زیادہ (باقی صفحہ ۱۷۶ پر)

دوسرے لفظوں میں جامی کے حالات زندگی کے لئے ان کے اپنے آثار کسی بیرونی مآخذ کی نسبت زیادہ اور بہتر آئینہ دار ہیں۔

۲۔ دوسرے مرحلے میں جامی کے وہ حالات ہمارے سامنے ہیں جو ان کے شاگرد رشید مولانا رضی الدین عبدالغفور لاری (م ۹۱۲ھ) نے نفحات الانس کے حواشی پر تکملہ میں لکھے ہیں، چونکہ لاری تصوف کے مراحل اور روحانی کیفیات میں اپنے استاد کے محرم راز تھے اس لئے انہوں نے اپنے استاد و مرشد کے اندرونی احساسات اور باطنی افکار کو بھی موضوع سخن بنایا ہے۔ ہم نے نفحات الانس با حواشی لاری ایک مکمل کم غلط مخطوطہ

(بقیہ از صفحہ ۱۲۵) ہے۔ جہاں تک جامی کے خود نوشتہ کلیات کے مخطوطات کا تعلق ہے، مذکورہ فہرست میں کتابخانہ ملی تہران کے دو مخطوطات، مورخ ۷۷۸ھ کو بخط جامی بتایا گیا ہے اور اکادمی علوم شوروی لینن گراڈ کے نسخہ نمبر D۲۰۴ (۱۶۰۵) مورخ ۱۲ ذی الحجہ ۸۹۰ھ کی نسبت بھی یہی خیال ظاہر کیا گیا ہے، حالانکہ ان مجموعوں میں جامی کی بعض ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جو ۸۷۷ھ یا ۸۹۰ھ سے بعد تصنیف و تالیف ہوئیں۔

تاریخ ادبیات افغانستان، مطبوعہ افغانستان: ۱۱۲ میں ہے کہ جامی کا رسالہ مناسک الحج، رباعی کی صورت میں چہل حدیث کا ترجمہ اور شرح قصیدۂ ابن فارض کے کچھ اجزا بخط جامی، کابل میوزیم میں محفوظ ہیں۔

قومی عجائب گھر پاکستان، کراچی میں ہم نے کلیات جامی کے دو نادر نسخے دیکھے ہیں:

N. M. 1957-913 نستعلیق خوش بقلم سلطان علی ربیع الثانی ۸۷۲ھ بمقام ہرات۔

N. M. 197/..161 نستعلیق خوش بقلم محمد بن محمد معروف بہ بقال شوال ۸۷۷ھ۔

خدا بخش لائبریری پٹنہ کے مخطوطہ نمبر ۱۸۶ کے تحت سلسلۃ الذہب دفتر اول اور دیوان جامی کو بخط جامی بتایا جاتا ہے۔

سے استفادہ کیا ہے[1]

۳۔ جامی کے وہ مفصل اور مشروح حالاتِ زندگی جو فخر الدین علی صفی بن حسین کاشفی نے اپنی کتاب "رشحات عین الحیات" میں درج کئے ہیں[2]۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگوں کا یہ تذکرہ، جامی کی وفات سے صرف گیارہ سال بعد ۹۰۹ھ میں تألیف ہوا۔ اس کا مصنف نہ صرف جامی کا معاصر تھا بلکہ قریبی رشتہ دار بھی تھا۔ جامی اور وہ دونوں "ہم زلف" تھے، یعنی دونوں خواجہ کلاں بن خواجہ سعد الدین کاشغری کے داماد تھے (اس نسبت کا تفصیلی ذکر صاحبِ رشحات نے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جامی کے ایک بیٹے کا نام صفی الدین محمد تھا جس کی وفات کے ایک سال بعد جامی نے اس کا لقب "صفی"، علی بن حسین واعظ کاشفی کا تخلص قرار دے دیا اور علی بن حسین کے لقب "فخر" سے اپنے بیٹے کی تاریخ ولادت ۸۸۰ھ نکالی[3]) لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ صاحب رشحات نے جامی کے جو حالات تحریر کئے ہیں وہ ان سے ذاتی طور پر مکمل آگاہ تھا۔

۴۔ ہمارا چوتھا مآخذ وہ رسالہ ہے جو جامی کے دانشور دوست میر علی شیر نوائی نے ان کے حالات پر اُن کی وفات کے بعد ترکی زبان میں لکھا۔ چونکہ مصنف

---

[1] یہ نسخہ مکتوبہ ۱۰۲۶ھ، جناب عباس اقبال آشتیانی، تہران کے پاس ہے، لیکن ہم نے یہاں "تکملہ حواشی نفحات الانس" بہ تصحیح بشیر ہروی، مطبوعہ افغانستان ۱۳۴۳ شمسی سے استفادہ کیا ہے۔

[2] جناب حکمت نے "رشحات عین الحیات" کے ذاتی مملوکہ مخطوطہ سے استفادہ کیا، لیکن ہمارے پیش نظر "رشحات عین الحیات" با تصحیح علی اصغر معینیان، مطبوعہ تہران ۲۵۳۶ شاہنشاہی ہے۔

[3] رشحات عین الحیات ۱: ۲۵۴۔

نے اس کے مندرجات کو پانچ حصوں یعنی ایک مقدمہ، تین مقالات اور ایک خاتمہ پر تقسیم کیا ہے اور اس کے خیال میں کتاب کے مندرجات قارئین کے لئے باعثِ حیرت ہوں گے اس لئے اس نے کتاب کا نام "خمسۃ المتحیرین" رکھا۔[۱]

میر علی شیر نے اپنے معاصر تقریباً تین سو پچاس شعراء کا مختصر تذکرہ بنام "مجالس النفائس" لکھا ہے[۲]۔ اس میں چند سطور جامی کے بارے میں بھی ہیں، جن کا اختتام ایک ترکی رباعی پر ہوتا ہے۔ اس رباعی میں وہ مولانا کی فضیلت دائم و قائم رہنے کے لئے دعاگو ہے۔

۵۔ پانچویں درجے پر جامی کی معاصر یا قریب العہد کتابیں ہیں جن میں تذکرہ نگاروں یا مؤرخوں نے اختصار کے ساتھ جامی کے حالاتِ زندگی تحریر کئے ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے مآخذ یہ ہیں:

(ا) سب سے پہلے ہم جامی کے ممدوح سلطان حسین بایقرا کی تصنیف "مجالس العشاق" کا نام لیں گے، جس کی مجلس پنجاہ و پنجم میں مولانا کے مختصر حالاتِ زندگی اور عشقِ مجازی کے قصے بیان ہوئے ہیں۔

(ب) اس کے بعد "تذکرۃ الشعراء" کا نام آتا ہے، جسے امیر دولت شاہ سمرقندی نے ۸۹۲ھ میں جامی کی وفات سے چھ سال پہلے لکھا۔ کتاب کے آخر میں اس نے

---

[۱] "خمسۃ المتحیرین" کے فارسی ترجمہ از محمد نخجوانی (مترجمہ ۱۳۱۹ شمسی) کا مسوّدہ جناب حکمت کے استعمال میں رہا ہے۔

[۲] مجالس النفائس ترجمہ فخری ہراتی و حکیم شاہ محمد قزوینی، ایک ساتھ باہتمام علی اصغر حکمت تہران، ۱۳۲۳ شمسی میں شائع ہو چکی ہے، لیکن یہ تراجم ہمیں دستیاب نہیں ہو سکے۔

اپنے ہم عصر اکابر و افاضل کا ذکر کرتے ہوئے جامی کا نام سرفہرست لکھا ہے۔

(ج) پھر تاریخ "حبیب السیر" از خواندمیر (تالیف در ۹۳۰ھ) ہمارے پیش نظر ہے جس کی تیسری جلد کے تیسرے حصے میں سلطان بایقرا کے معاصر شعراء و فضلاء کے ذکر میں جامی کے بھی مختصر مگر مفید حالات درج ہیں چونکہ یہ کتاب جامی کی وفات کے بعد تالیف ہوئی اس لئے وہاں مصنف نے جامی کا مادۂ تاریخ وفات بھی لکھا ہے اور ان واقعات کی جانب بھی اشارہ کیا ہے، جن کا تعلق جامی سے ہے۔

(د) احوالِ جامی پر ایک اور اہم مآخذ "تحفۂ سامی" از سام میرزا ابن شاہ اسمٰعیل صفوی (تالیف در ۹۶۸ھ) ہے۔ یہ تذکرہ دسویں صدی ہجری میں جامی کی وفات کے بعد اس وقت لکھا گیا جب مصنف خراسان کا اقتدار سنبھالے ہوئے تھا اور دارالحکومت ہرات میں مقیم تھا۔ اس نے مولانا کا ذکر نہایت ادب و احترام سے کیا ہے۔ یہ تذکرہ اس نقطۂ نظر سے بھی اہم ہے کہ اس میں جامی کی تصانیف کی فہرست موجود ہے۔

(ہ) جامی کے عام حالات کے لئے ہم نے فخر الدین علی صفی کی دوسری کتاب "لطائف الطوائف" سے استفادہ کیا گیا ہے یہ کتاب ۹۳۹ھ میں لکھی گئی اور اس میں مختلف انسانی طبقوں کی کہانیاں اور لطیفے درج ہیں۔ ایک فصل "لطائف عارف جام" کے لئے مخصوص ہے، جس میں مولانا جامی سے منسوب بے حد دلچسپ حکایات و لطائف درج ہیں۔ ان سے مولانا کی خوش طبعی، خوش ذوقی اور معاصرین کے ساتھ خوشگوار تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔

(و) جامی پر ہمارا عربی مآخذ "الشقایق النعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ" تالیف احمد بن مصطفےٰ طاش کبری زادہ ہے۔ یہ کتاب مصر میں ۱۳۱۰ھ میں "وفیات الاعیان"

کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے۔ وہاں طبقۂ ہفتم میں جو کہ دولت سلطان محمدؒ خان فاتح کے علماء کے لئے مختص ہے، جامی کے قدرے تفصیلی حالات موجود ہیں چونکہ یہ کتاب جامی کے انتقال کے ۷۰ سال بعد ۹۶۵ھ میں لکھی گئی اس لئے اُس کی روایات کی صحت پر بھی اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

مولانا رضی الدین عبدالغفور لاری کا "تکملۂ حواشی نفحات الانس" جامی کے حالات پر ایک مختصر مگر مفید ماخذ ہے۔ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ جامی کے واقعۂ وفات پر بھی روشنی ڈالتا ہے ہم یہاں ملخصاً اس سے واقعات نقل کر رہے ہیں۔

ولادت:

"حضرت ایشان (جامی) علیہ الرحمۃ والرضوان کی ولادت موضع خرجرد، جام[1] میں عشاء کے وقت ۲۳ شعبان المعظم ۸۱۷ھ (۷ نومبر ۱۴۱۴ء) میں ہوئی۔ ان کا اصلی لقب "عماد الدین" تھا مگر "نورالدین" سے مشہور ہوئے۔ ان کا اسم مبارک "عبدالرحمٰن" ہے اور اپنے تخلص "جامی" کی بابت خود ہی وضاحت فرما دی ہے:

مولدم جام و رشحۂ قلمم — جرعۂ جام شیخ الاسلامی است
لاجرم در جریدۂ اشعار — بدو معنی تخلصم جامی است[2]

---

[1] خرجرد (یا خرگرد)، جام کے قریب ایک قدیم آبادی ہے جس میں شاہرخ پادشاہ کا دار الخلافہ بھی رہا ہے۔ تربت جام (ایران) جہاں شیخ احمد جام ژندہ پیل کا مقبرہ ہے، دوسرا قصبہ ہے۔ تعلیقات بر تکملہ حواشی نفحات الانس: ۸۱، مجمل فصیحی ۳: ۲۰۳ تہران۔

[2] جامی اپنے دیوان "فاتحۃ الشباب" میں جامی کی وجہ تسمیہ یوں بتاتے ہیں:

"چو مولد این فقیر ولایت جام است کہ مرقد مطہر و مشہد معطر شیخ الاسلام احمد۔

(باقی صفحہ ۱۳۱ پر)

والد:

ان کے والد ماجد احمد بن محمد دشتی تھے۔ دشت، اصفہان کا ایک محلہ ہے، مولانا محمد (جامی کے جدّ امجد) کے عقد میں امام محمد شیبانیؒ کی اولاد سے صاحبزادی تھی جن کے بطن سے حضرت جامی کے والد احمد پیدا ہوئے۔[1]

(بقیہ از صفحہ ۱۳۰) الجامی قدس اللہ سرہ السامی آنجاست و این معنی را رشحہ ای از جام ولایت وی میدانم تحقیق نسبت را بہ ولایت جام شیخ الاسلام، جامی تخلص کردہ" دیوان جامی (گنج بخش): ۹ نیز دیکھئے تکملہ حواشی نفحات الانس: ۸۰ و ۸۱-۸۲۔

[1] رشحات عین الحیات ۱: ۲۲۳-۲۲۴ میں درج ہے کہ جامی کی نسبت امام محمد شیبانی تک پہنچتی ہے جو حنفی مذہب کے مجتہد تھے اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے دوست تھے۔ مولانا جامی کے والد نظام الدین احمد دشتی اور جد مولانا شمس الدین محمد دشتی اہل علم و تقویٰ تھے جو حوادث روزگار کے سبب اپنے وطن مالوف سے ولایت جام میں آ گئے اور قضا و فتویٰ کا کام سنبھالا۔ جامی کی جدہ امام محمد شیبانی کی اولاد سے تھیں کیونکہ امام مذکور کی اولاد سے قوام الدین محمد بھی اپنے وطن سے ہجرت کر کے جام آ گئے تھے، انھوں نے اپنی بیٹی مولانا شرف الدین حاجی شاہ مفتی کے حبالۂ نکاح میں دے دی۔ مفتی صاحب کی بیٹی، مولانا شمس الدین محمد دشتی کے نکاح میں آئی جن میں جامی کے والد نظام الدین احمد پیدا ہوئے، جب تک جامی کے آباء ولایت جام میں مقیم رہے وہ اپنے نام کے ساتھ نسبت مکانی "دشتی" ہی لکھتے رہے لیکن جب وہاں سے ہرات چلے گئے تو دشتی کے بجائے "جامی" لکھنے لگے۔

ملا عبدالنبی فخر الزمانی قزوینی نے تذکرہ میخانہ (تالیف در ۱۰۲۸ھ) ص ۱۰۰، تہران ۱۳۴۰ شمسی میں جامی کے جدّ کا نام قوام الدین حسن لکھا ہے جو جامی کے قرابت دار صاحب رشحات کی روایت کی موجودگی میں صحیح نہیں ہے۔

وفات :

حضرت جامی کی عمر اکاسی سال (برابر با اعداد حروف کاس ") تھی کہ ۱۸ محرم الحرام ۸۹۸ھ (۹۔ نومبر ۱۴۹۲ء) کو ان کی زندگی کا جام چھلک گیا۔

واقعۂ وفات :

حضرت جامی کی عمر کے آخری سال میں اُن سے ایسی علامات ظاہر ہو رہی تھیں جیسے وہ ہم سے جدا ہو جائیں گے۔ وہ ہجر کی رُت کی باتیں کرتے اور احباب کو مفارقت سے تسلی دیتے اور اُن کی زبانِ مبارک پر یہ دو اشعار جاری رہتے :

دریغا کہ بے ما بسی روزگار ۔۔۔ بروید گل و بشگفد نوبہار

بسی تیر و دیماہ و اردیبہشت ۔۔۔ بیاید کہ ما خاک باشیم و خشت[1]

بیماری کے آثار ظاہر ہونے سے چند روز پہلے حضرت اپنے مسکن مألوف سے شہر کے بعض نواحی مقامات کو تشریف لے گئے۔ جس گاؤں سے حضرت کا اپنا تعلق تھا وہاں خلافِ معمول زیادہ دن ٹھہرے۔ جب قیام طول پکڑ گیا تو احباب و مریدین کو بڑا اضطراب ہوا انہوں نے حضرت سے واپسی کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا: "اب ہمیں ایک دوسرے سے دل اٹھا لینا چاہیے۔" پھر عارضہ لاحق ہونے سے تین دن پہلے ایک مرید سے یوں مخاطب ہوئے: "تم گواہ رہو کہ ہمیں کسی سے کسی طرح کی کوئی وابستگی نہیں رہی۔"

جب حضرت واپس گھر تشریف لے آئے تو بیمار پڑ گئے، جمعہ کا دن تھا، بیماری کا چھٹا اور محرم الحرام کا اٹھارواں روز تھا کہ چاشت کے وقت حضرت کی نبض کی حرکت سے پتہ چل گیا کہ اب وہ دار القرار کی جانب سفر کی تیاری میں مصروف ہیں اس اثناء میں ان کی نظر طاقِ خانہ پر پڑی تو فرمایا "دو سال پہلے بھی ہم نے خود کو نزع کی حالت

---

[1] یہ اشعار بوستانِ سعدی کے ہیں۔

سلطان عقل و دانش جامی که یافت در خلد

از باده وصالش ، ارواح قدس جامی

تاریخ فوت او را ، از عقل خواستم گفت

آه از فراق جامی . آه از فراق جامی

قطعهٔ تاریخ فوت مولینا نورالدین عبدالرحمن جامی بمناسبت احتفال پنجصد و پنجاهمین
سال ولادت آنجناب که در سال هزار و سه صد و چهل و سه ۱۳۴۳ ش
در کابل برپا شد تحریر گردید .

عزیزالدین وکیلی

میں پایا، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عظیم الشان مجلس برپا ہے، ہمیں اپنے احوال میں کوئی کدورت محسوس ہوئی تو آیت الکرسی کی تلاوت شروع کر دی، جس کی نورانیت سے وہ کدورت جاتی رہی۔" مجھے (لاری) فوراً وہ بات یاد پڑی کہ یہ اسی آیت الکرسی کی نورانیت متجلّی ہے، کیونکہ حضرت ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے اسی وقت آیت الکرسی پڑھنا شروع کی اور دوسرے مخادیم سورۂ یٰسین کی تلاوت کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد اچانک حضرت نے فرمایا: "ہاں اسی طرح"۔ جیسے انہیں کسی امر سے مطلع کیا گیا ہو۔ انہوں نے یہ دو لفظ کہے اور فوراً نماز کے کپڑے پہن لئے۔ ہاتھ سینے پر رکھے اور بلند آواز میں، جیسا کہ حضرت کا طریقہ تھا، دعائے "وَجہتُ وجہی للذی"[1] پڑھنے لگے۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی، جیسے وہ صحت کے دنوں میں ادا کیا کرتے تھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ قل ہو اللہ پڑھی۔ ان پر کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ طاری نہیں تھی اور وہ "المؤمنون ینقلبون من دار الی دار"[2] کی تصویر نظر آ رہے تھے۔

جب نمازِ جمعہ کی سنتوں کی اذان کہی گئی تو حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرما گئے....

ہفتے کی صبح، بادشاہ وقت ... سلطان حسین بہادر خاں بیماری اور ضعف کے باوجود حضرت کے گھر گیا۔ (فرطِ غم سے) اس کا دل جل رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ عالی مرتبت شہزادوں، نامور

---

[1] الانعام: ۷۹۔

[2] مؤمنین ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

امراء و وزراء اور اکابر روزگار نے بڑی تعظیم سے حضرت کا جنازہ اٹھایا۔
اور اسے حضرت مخدوم (قبر سعد الدین کاشغری) کے جوار میں لائے۔ زمین نے
سیپ کی طرح منہ کھولا اور اُس قیمتی موتی کو اپنے سینے میں جگہ دی۔ حضرت
بادشاہ (حسین بایقرا) کو پاؤں میں درد کے سبب حضرت (جامی) کا جنازہ
اٹھانے کی حسرت دل ہی میں رہی۔ معاصر شعراء نے مرثیے اور قطعات
تاریخ کہنے شروع کئے اور حضرت امیر کبیر... نظام الدین علی شیر نے وہ
مراثی اور تاریخ سنے اور خود بھی ایک مرثیہ کہا.... اس کے بعد امیر
نے حضرت کی قبر کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد رکھی[1] اور مزار پر (قرآن
خوانی کے لئے) حفاظ مأمور کئے[2]۔"

مولانا جامی کے دوسرے دیوان میں ایک قصیدہ بعنوان "رشح بال بشرح حال" موجود
ہے[3]۔ جسے انہوں نے اپنی وفات سے پانچ سال قبل ۸۹۳ھ میں لکھا تھا۔ اسی اشعار
کے اس قصیدے میں انہوں نے اپنے مختصر حالات بیان کئے ہیں:

۱۔ تاریخ ولادت:

بسال ہشتصد و ہفدہ زہجرت نبوی — کہ زد ز مکہ بہ یثرب سرادقات جلال
ز اوج قلۂ پرواز گاہ عزّ و قدم — بدین حضیض ہوان شست کردہ ام پر و بال

[1] شاہ اسمٰعیل صفوی نے ہرات پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے مذہبی تعصب کی بناء پر یہ شاندار عمارت گرادی گئی۔ ۱۹۷۰ء میں ہرات میں حضرت جامی کی قبر دیکھ چکا ہوں اس کی حالت خستہ اور توجہ کی محتاج تھی۔

[2] یہ تمام مضمون تکملہ حواشی نفحات الانس: ۳۹-۴۳ سے تلخیص و ترجمہ کیا گیا ہے۔

[3] دیوان جامی (گنج بخش): ۵۶۴-۵۶۸۔
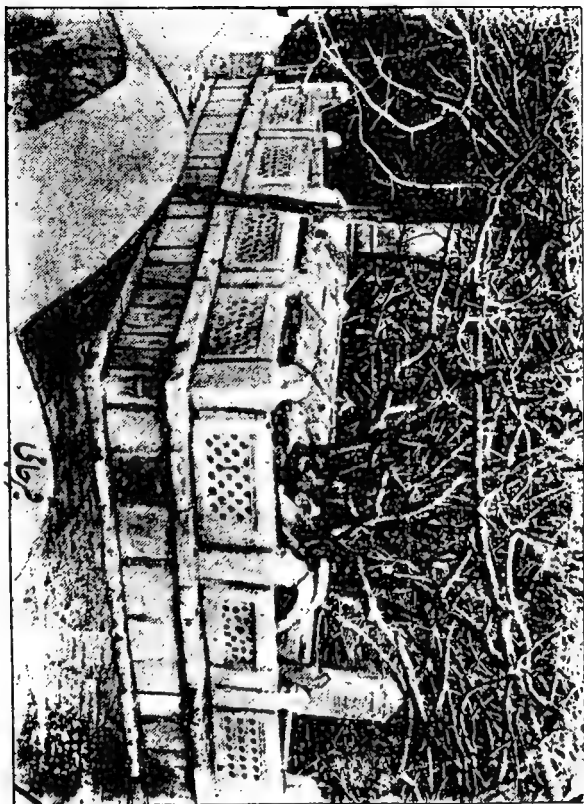
سایہ بر تربتِ جامی فگن ای سرو بلند
نیست از سرو عجب گر فگند سایہ بخاک

۲۔ قصیدہ لکھنے کی تاریخ :

بہشتصد و نود و سہ کشیدہ ام امروز　　زمام عمر درین تنگنای حس و خیال

۳۔ تعلیمات :

در آمدم پس ازآن در مقام کسب علوم　　حمارسانِ فنون را فتادہ در دنبال

ان اشعار میں جن علوم کا ذکر ہے وہ یہ ہیں : نحو، صرف، منطق، حکمت مشائی، حکمت اشراقی، حکمت طبیعی، حکمت ریاضی، فقہ، اصولِ فقہ، حدیث، قرأت قرآن و تفسیر قرآن۔

۴۔ وادئ تصوف میں قدم رکھنا :

زدم قدم بصف صوفیان صافی دل　　کہ نیست مقصد شان از علوم جز اعمال

اس کے بعد وہ ایک ایک کر کے اپنے مراحلِ سیر و سلوک کی وضاحت کرتے ہیں۔

۵۔ شاعری :

ز طور طور گذشتم و لے نشد ہرگز　　ز فکر شعر نشد حاصلم فراغت بال

ہزار بار ازیں شغل توبہ کردم لیک　　ازآں نبود گریزم چو سائر اشغال

۶۔ قصیدے کے اختتام پر ایک مناجات ہے جس میں خدا کو انبیاء، رسولِ اکرم، خلفائے راشدین، اصحاب، تابعین، تبع تابعین، راہروان راہِ حق اور واصلان حریم قدس کی قسم دی گئی ہے۔

تحصیل علم

جامی کی ابتدائی تحصیلات کے متعلق صفی الدین علی نے "رشحات عین الحیات"

میں بڑی مفید تفصیل دی ہے۔[1] ان کے مدرسین، اساتذہ، کسب علم کے لئے کئے گئے اسفار اور جامی کے نبوغ و استعداد پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ صاحب رشحات نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے:

"وہ چھوٹی عمر ہی میں اپنے والد محترم کے ساتھ ہرات آئے اور مدرسۂ نظامیہ میں ٹھہرے۔ وہاں علوم عربی کے ماہر جنید اصولی کے درس میں داخل ہو گئے، جن کی شہرت بڑی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ جامی کو "مختصر تلخیص"[2] پڑھنے کا شوق ہوا۔ جب جامی اس درس میں داخل ہوئے تو بعض طلبہ "شرح مفتاح"[3] اور "مطول"[4] پڑھ رہے تھے۔ جامی اگرچہ ابھی شرعی حدّ بلوغت تک نہیں پہنچے تھے لیکن خود میں وہ کتب سمجھنے کی استعداد پاتے تھے۔ لہٰذا وہ بھی "مطول" اور "حاشیۂ مطول"[5] پڑھنے لگے، پھر وہ مولانا خواجہ علی سمرقندی کے حلقۂ درس میں داخل ہو گئے۔ خواجہ سمرقندی مدقق روزگار اور حضرت سید شریف جرجانی

[1] رشحات عین الحیات ۱: ۲۳۵ - ۲۳۸

[2] مختصر تلخیص۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے "تلخیص المفتاح" تالیف خطیب دمشق (م ۷۳۹ھ) پر شرح لکھی ہے۔ کشف الظنون ۱: ۴۷۴۔

[3] شرح مفتاح۔ سکاکی کی "مفتاح العلوم" کے تیسرے حصے پر تفتازانی نے شرح لکھی ہے۔ تذکرہ مصنفین درس نظامی: ۱۰۴۔

[4] مطول "تلخیص المفتاح" پر تفتازانی کی شرح ہے۔ مذکورہ بالا تینوں کتابیں علم معانی و بیان میں ہیں۔

[5] اس حاشیہ سے غالباً "حاشیۂ میر" مراد ہے جو میر سید شریف نے "مطول" پر لکھا۔ تعلیقات بشیر ہروی بر تکملہ حواشی نفحات الانس: ۵۳۰۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نامور شاگرد تھے جو طریقۂ مطالعہ (تدریس) میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جامی چالیس دن ہی میں ان سے فارغ ہو گئے اور مولانا شہاب الدین محمد جاجرمی[1] کے حلقۂ درس میں چلے گئے۔ مولانا جاجرمی اپنے وقت کے بہترین باحث تھے اور ان کا سلسلۂ تلمذ حضرت مولانا سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ملتا تھا۔ جامی فرمایا کرتے: "ہم جو چند روز اُن کے درس میں گئے تو ان سے دو کار آمد باتیں سُنیں، ایک یہ کتاب "تلویح[2]" پڑھاتے وقت وہ مولانا زادۂ خطائی[3] کے اعتراضات کا رد کرتے۔ پہلے دن جب انہوں نے ان (مولانا زادۂ خطائی) کا اعتراض دُور کرنے کے لئے دو تین مقدمات بیان کئے تو ہم نے انہیں جھٹلا دیا۔ دوسری نشست میں انہوں نے بڑے غور و خوض کے بعد جواب دیا جو قدرے منطقی تھا۔ دوسری بات، فن بیان میں ان کا مطوّل تلخیص سے تھوڑا اختلاف تھا۔ گو وہ بنیادی طور پر اس کی کوئی زیادہ تردید نہیں کرتے تھے اور صرف کتاب کی عبارت اور الفاظ پر اَڑے ہوئے تھے، تاہم ان کی توجیہ میں کچھ وزن تھا۔" اس کے بعد جامی سمرقند میں قاضی زادۂ روم[4]

---

[1] شہاب الدین محمد جاجرمی بظاہر مولانا شمس الدین محمد جاجرمی سے الگ شخصیت ہے۔ تعلیقات ہروی بر تکملہ: ۵۴۔

[2] تلویح تفتازانی کی "تنقیح الاصول" از عبیداللہ بن مسعود (م ۷۴۷ھ) پر شرح ہے۔ کشف الظنون ۱: ۴۹۶۔

[3] عثمان بن عبداللہ خطائی حنفی معروف بہ مولانا زادہ (نظام الدین) ایک (باقی صفحہ ۱۴۰ پر)

کے مدرسہ میں چلے گئے قاضی زادہ محقق روزگار تھے. پہلی ملاقات ہی میں جامی کی ان سے بحث چل نکلی جو طول پکڑ گئی. آخر کار جناب قاضی کو جامی کی بات سے اتفاق کرنا پڑا. میرزا الغ بیگ کے ہاں عہدۂ صدارت پر فائز ایک متبحر عالم دین مولانا فتح اللہ تبریزی[۲] بیان کرتے ہیں کہ وہ بھی اس مجلس مباحثہ میں موجود تھے. قاضی زادۂ روم نے سمرقند میں اپنے مدرسہ میں مجلس کا اہتمام کیا. دنیا کے سبھی اکابر و افاضل وہاں موجود تھے. قاضی روم اس مجلس میں زیادہ تر صاحب استعداد اور خوش طبع لوگوں کا ذکر کرتے رہے مولانا عبدالرحمٰن جامی کے بارے میں فرمایا: "جب سے سمرقند آباد ہوا ہے جودت طبع اور قوت تصرف میں جام کے اس نوجوان کے پائے کا کوئی شخص دریائے آمویہ[۳] عبور کر کے ادھر نہیں آیا. قاضی روم کے شاگرد مولانا ابو یوسف سمرقندی کا کہنا ہے کہ جب حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی سمرقند آئے تو اتفاق سے فن ہیئت میں ایک کتاب کی شرح پڑھنے لگے. قاضی روم نے اس کتاب کے حواشی

(بقیہ از صفحہ ۱۳۹) اصولی اور بیانی عالم تھے انہوں نے تفتازانی کی کتابوں پر حواشی لکھے۔ ۹۰۱ھ/ ۱۴۹۶ء میں وفات پائی. معجم المؤلفین ۵: ۲۵۸.

(حواشی صفحہ ہٰذا) [۱] قاضی زادۂ روم صلاح الدین موسیٰ بن احمد قاضی محمود کے نواسے تھے اور سلطان مراد عثمانی (۷۶۱-۷۹۲ھ) کے عہد میں برسہ کے قاضی تھے. ۸۴۱ھ/ ۳۸-۱۴۳۷ء سے پہلے وفات پا چکے تھے. تعلیقات بر تکملہ حواشی نفحات الانس: ۵۵، معجم المؤلفین ۱۱: ۳۱۹ و ۱۳: ۴۷.

[۲] مولانا فتح اللہ تبریزی علوم محسوس و منقول میں ماہر تھے اور مدتوں سلطان سعید کی ملازمت کی. درس تدریس بھی کرتے. ربیع الآخر ۸۶۷ھ/ ۱۴۶۳ء میں وفات پائی. حبیب السیر ۴: ۱۰۲.

[۳] دریائے آموی و جیحون مراد ہے.

پر سالہا سال سے کچھ تعلیقات لکھ رکھی تھیں. جامی روزانہ ہر نشست میں ان میں سے ایک دو کی حک و اصلاح کر دیتے. قاضی اس کام پر جامی کے بےحد ممنون ہوئے. چنانچہ وہ اپنی شرح ملخص چغمینی بھی اٹھا لائے (اور جامی کو دکھائی) جامی نے اس میں وہ تصرفات کئے جو جناب قاضی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے.

ایک دن ہرات میں مولانا علی قوشچی[1] ترکوں کی طرح ایک عجیب و غریب گٹھری باندھے، جامی کی مجلس میں آئے اور شبے کی آڑ میں فن ہیئت کے چند بےحد مشکل سوالات سامنے رکھے. جامی نے "ترکی بہ ترکی" جواب دیا کہ مولانا قوشچی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں. جامی نے مولانا کو چھیڑتے ہوئے فرمایا: "مولانا آپ کی گٹھری میں اس سے بہتر کوئی شے نہیں تھی؟" اس کے بعد مولانا قوشچی ہمیشہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے کہ اس دن مجھ پر یہ بات دوبارہ واضح ہو گئی کہ اس دنیا میں واقعی کسی نفس قدسی[2] کا وجود ہے. بعض مخادیم

---

[1] مولانا علاؤالدین علی قوشچی بچپن ہی سے مرزا الغ بیگ (۸۱۰-۸۵۳ھ) کے منظور نظر تھے. ان کی تصانیف میں سے شرح تجرید خواجہ نصیرالدین طوسی مشہور ہے. آخری عمر میں روم چلے گئے اور وہیں وفات پائی. حبیب السیر ۴: ۳۸، اختلافی بحث کے لئے دیکھئے: تعلیقات بر تکملہ حواشی نفحات الانس: ۴۹-۵۱.

[2] نفس قدسی فلسفے کی اصطلاح میں اس قوت کو کہتے ہیں جس میں تفکر کی مدد کے بغیر ہی مختصر ترین مدت میں مشکل مسائل کو سمجھ لیا جائے ابن سینا نے "الاشارات والتنبیہات" میں اس کی بہترین شرح کی ہے. تعلیقات بر تکملہ حواشی نفحات الانس: ۵۱.

فرماتے کہ یہ ملکہ اس لئے ہے کہ سلسلۂ خواجگان (نقشبند) قدس اللہ تعالےٰ
ارواحہم سے نسبت، عقل کی معاون ہوتی ہے اور قوت مدرکہ کو بڑھاتی ہے۔
چھٹی کے ایام وہ فراغت اور آسودگی سے گذارتے۔ ان کی طبع درّاک
اندیشہ ہائے دُور و دراز میں مشغول رہتی۔ جب درس کو جاتے تو اکثر ایسا
ہوتا کہ کسی ہم سبق سے کتاب لے کر چند لمحے مطالعہ کر لیا اور درس میں
جا پہنچے۔ لُطف کی بات یہ ہے کہ آپ ہی سب (طلبہ) پر غالب
رہتے۔ مولانا معین تونی[1] کہتے ہیں کہ جب جامی مولانا علی کے درس میں داخل
ہوئے تو کسی صاحب استعداد کی طرف سے جو شبہ بھی سامنے آتا، جامی
فوراً اسے دُور کر دیتے۔ وہ ہر روز مجلس میں اپنے حاصلِ مطالعہ سے دو تین
خصوصی شبہات اور اعتراضات اٹھا جاتے۔ جامی بعض ایسے علوم کے اکتساب
کی خاطر جن کا تعلق اور تقاضا سننے سے ہے، اپنے معاصرین کے درس میں
جاتے رہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں کسی کی شاگردی کی ضرورت
نہیں تھی بلکہ وہ دنیا بھر کے مدرسین پر غالب تھے۔ ایک دن اُن کے
اساتذہ اور معلمین کی بات چل نکلی تو انہوں نے فرمایا: "ہم نے کسی استاد
کے سامنے ایسا سبق نہیں پڑھا کہ وہ ہم پر غالب ہوتے بلکہ ہر بحث میں
ہمیشہ ہمارا پلہ ہی بھاری رہا یا کبھی برابر رہتے۔ کسی شخص کا بھی ہم پر استادی
کا حق ثابت نہیں۔ درحقیقت ہم اپنے باپ کے شاگرد ہیں جن سے ہم

---

[1] مولانا معین الدین تونی، سلطان سعید کے زمانے کے اکابر علماء میں سے تھے۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد ان کے درس سے مستفید ہوتی۔ حبیب السیر ۴: ۱۰۳۔

نے زبان سیکھی" ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ انہوں نے علوم صرف و نحو اپنے
والد سے پڑھے، اس کے بعد علوم عقلی او معارف یقینی میں انہیں کسی کی
(راہنمائی کی) چنداں ضرورت نہ پڑی"[1]

یہ تھا صاحب رشحات کا وہ مقالہ جس میں بڑی خوبصورتی سے جامی کی تحصیلات، مدرسین اور علوم ظاہری میں طے کردہ ان کے مراحل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ البتہ اس تحریر میں (جامی کی طرف سے) خودستائی اور فخر و مباہات کا جو عنصر پایا جاتا ہے وہ بظاہر اس ارادت کا نتیجہ ہے جو صاحب رشحات کو اپنے استاد محترم (جامی) سے تھی۔ ورنہ جامی ایسے درویش صفت، متواضع اور روحانی فضائل کے مالک شخص سے یہ باتیں بعید معلوم ہوتی ہیں۔

جامی کے شاگرد عبدالغفور لاری نے بھی اپنے استاد کے اکتساب علم پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ تکملۂ نفحات الانس میں صاحب رشحات کی فراہم کردہ معلومات کے علاوہ جامی میں علم کی جستجو کے ملکہ، انہماک اور اس کے لئے بزرگوں سے ہمت طلبی پر بعض ایسے نکات درج کئے ہیں جن کا ذکر یہاں مفید رہے گا۔ وہ لکھتے ہیں:

"فقیر (لاری) کو آنحضرت (جامی) علیہ الرحمۃ والرضوان کے آستان رفیع الشان پر پہنچنے سے پہلے تردد تھا کہ جو مرتبۂ شعر (گوئی) کی بدولت انہیں حاصل ہے، وہ گہرے تفکر اور دقیق تامل کے بغیر میسر نہیں آسکتا، اور یہ امر مرتبۂ کمال کے منافی اور جمعیت خاطر کے متناقض ہے۔ لیکن جب میں اُن کی خدمت میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ کوئی شغل بلکہ حوادث زمانہ میں سے کوئی واقعہ یا حادثہ بھی

---

[1] جامی کا اکتساب علم تکملہ حواشی نفحات الانس: ۱۱ میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

ان کے ظاہری و باطنی اشغال کے راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا اور وہ اپنی کیفیت میں کسی تبدیلی کے بغیر اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں وہ اپنا بہترین وقت بلا تکلف درجہت درس (روحانی) دینے میں صرف کرتے۔"[۱]

جامی کے منظوم آثار میں بڑی کثرت سے بالتصریح یا بالکنایہ مختلف علوم اور ان کی اصطلاحات کی طرف اشارات ملتے ہیں، جن سے ہم مولانا کے ان علوم میں تبحر کا قیاس کر سکتے ہیں۔ مثلاً مثنوی "تحفۃ الاحرار" میں ایک قطعہ بعنوان "شرح حال علمائے ظاہر کہ بدعوے ولاف خود را فقیہ و دانا می پندارند" درج ہے جس میں صرف ظاہری رسمی علوم کے اکتساب پر اکتفا کر لینے اور علوم باطنی سے صرفِ نظر کرنے کی مذمت کی گئی ہے اس قطعہ میں ان علمی کتابوں کے نام اور اصطلاحات ملتی ہیں جو اس وقت رائج تھیں۔

یہاں اس قطعہ سے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں:

تا بیری از ہمہ فردا سبق	زاں کتب امروز بگرداں ورق
علم کہ خواند برہ ، ناصواب	باشد از آں علم سیہ رو کتاب
نورِ دل از دیدۂ سینا مجوی	روشنی از چشم نہ بینا مجوی
جانب کفر است اشاراتِ او	باعث خوفست بشاراتِ او
فکر شفابخش ہمہ بیماریست	میل نجاتش ز گرفتاریست
قاعدۂ طب کہ بقانون نہاد	پائے نہ از قاعدہ بیروں نہاد
لیک نہاں ساخت بر اہل طلب	روئے مسبب بحجاب سبب
خاصیت علم سبب سوزیست	شیوۂ جاہل سبب آموزیست

---

[۱] تکملہ حواشی نفحات الانس : ۹

وز تفاسیر آنچہ مشہور است — کہ ز تحریف مبتدع دوراست
وز اصول و فروع شرع ہدیٰ — آنچہ الیق نماید و اولےٰ
وز فنونِ ادب چہ نحو و چہ صرف — آنچہ باید در آن علوم شگرف
وز رسالات اہلِ کشف و شہود — وز مقالات اہلِ ذوق و وجود
آنچہ باشد بعقل و فہم غریب — کہ شود منکشف بفکر لبیب
وز دواوین شاعران فصیح — وز مقولات ناظمان ملیح
آنچہ قبضت کند ببسط بدل — چہ قصاید چہ مثنوی چہ غزل
چون ترا جمع گردد این اسباب — روی دل ز اختلاط خلق بتاب[1]

جامی کے روحانی پیشوا

جامی کے روحانی پیشواؤں کے بارے میں ہم ملخصاً وہی تفصیل درج کر رہے ہیں جو اُن کے شاگرد عبدالغفور لاری نے دی ہے[2]:

"حضرت (جامی) کو ان دنوں تفرقۂ دل اور صورتِ آب و گل سے تعلق کی بنا پر جمعیت خاطر نہ تھی، چنانچہ وہ ہرات سے سمرقند چلے گئے، چندے وہاں قیام کیا اور کسب فضل و کمال کرتے رہے۔ پھر یوں ہوا کہ ایک رات، بلکہ صبح سعادت و اقبال کہیے .... کہ حضرت مفارقت صوری اور داغِ دوری سے مغموم تھے کہ خود کو خواب میں قدوۃ العرفاء الکاملین واسوۃ

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱: ۷۶-۷۷۔

[2] تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۱۲-۱۴۔

الکبراء العارفین المتوجہ الی اللہ بالکلیہ والداعی الیہ بانوار الجلیہ سعد الملۃ و الدین الکاشغری قدس اللہ سرہ کے حضور پایا اور بگوش ہوش سنا کہ حضرت فرما رہے ہیں "جاؤ بھائی کوئی دوست دیکھو کیونکہ تمہارے لئے ناگزیر ہے"۔ ؎

معشوقہ زد از میکدہ ام بانگ تعال داد از مے عشقم قدح مالامال
از درد سر خرد شدم فارغ بال برداشتم فغان بتقاضای وصال

حضرت جامی اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور ان کی طبیعت میں ہلچل مچ گئی۔ چنانچہ سامانِ ذوق وشوق لئے خراسان روانہ ہو گئے اور وہاں حضرت مخدوم (خواجہ سعد الدین کاشغری) کی ملاقات سے مشرف ہوئے۔

دیدم پیری کہ زیر این چرخ کبود چون او دگری زبود خود پاک نبود
بود آئینہ کہ عکس خورشید وجود جاوید در او بصورت اصل نمود

تھوڑی مدت ہی میں حضرت کو اپنے بے پناہ خلوص نیت اور حسنِ عقیدت کی بناء پر قوی شوق (وجذب) حاصل ہو گیا اور وہ دلباختہ ہو گئے۔ چنانچہ اُن کے ہم سلسلہ ایک بزرگ حیران ہو کر فرمایا کرتے "سلسلۂ خواجگان قدس اللہ سرہم العزیز نے حضرت جامی کو کیسے جلدی دلباختہ کیا۔"

حضرت مخدوم (کاشغری) مرحوم قدس اللہ روحہ ہمیشہ ہرات کی جامع مسجد کے دروازے پر فقراء سمیت مجلس آراء ہوتے۔ یہ مسجد جامی کے گھر کے قریب ہی واقع تھی۔ چونکہ جامی کا راستہ وہی تھا اس لئے جتنی

بارھی وہاں سے گذر ہوتا حضرت مخدوم فرماتے "اس شخص میں عجیب قابلیت ہے، ہم تو اس پر فریفتہ ہیں، معلوم نہیں اسے کیسے اپنی گرفت میں لائیں؟" اور جب پہلے روز جامی حضرت مخدوم قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا "لیجئے شاہباز ہمارے دام میں آ گیا"۔

حضرت جامی علیہ الرحمہ والرضوان کی نسبتِ طریقت تین واسطوں سے حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاء الدین المعروف بہ نقشبند قدس سرہ سے جا ملتی ہے کیونکہ حضرت مخدوم (کاشغری) قدس سرہ کو حضرت مولانا نظام الدین خاموش[1] سے نسبت تھی اور انہیں خواجہ علاء الحق والدین المشتہر بہ عطار قدس سرہ سے[2]۔ خواجہ علاء الدین قدس سرہ خواجہ بزرگ روح اللہ روحہ وافاض علی العالم فتوحہ کے مرید تھے۔"

"رشحات عین الحیات" بالخصوص انہی مشایخ نقشبندیہ کا تذکرہ ہے جن سے جامی کو اپنی زندگی میں واسطہ رہا۔ اُن سے اکتساب کیا اور وہ ان کے معتقد تھے۔ مصنفِ رشحات نے ان مشایخ کا ذکر جامی کے حوالے سے کیا ہے، جس سے اُن کے دورۂ سیر سلوک پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں[3]:

---

[1] مولانا نظام الدین خاموش (م ۸۶۴ھ/ ۶۰-۱۴۵۹ء) کے حالات کے لئے دیکھئے: رشحات عین الحیات ۱: ۱۹۰-۲۰۵۔

[2] خواجہ علاء الدین عطار (م ۲۰ رجب ۸۰۲ھ/ ۱۴۰۰ء) کے مفصل حالات کے لئے ملاحظہ ہو: رشحات عین الحیات ۱: ۱۳۹-۱۵۸، تذکرۂ مشایخ نقشبندیہ از نور بخش توکلی: ۱۳۴-۱۳۹، لاہور ۱۹۷۶ء۔

[3] رشحات عین الحیات ۱: ۲۴۲-۲۴۶۔

حضرت مخدوم (جامی) کی مشائخ کبار سے ملاقاتیں

بچپن سے وفات تک

خواجہ محمد پارسا[1]: مولانا سعد الدین قدس سرہٗ کے علاوہ حضرت جامی نے جن اکابر کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی ان میں سے سرفہرست حضرت خواجہ محمد پارسا قدس اللہ تعالیٰ ہیں۔ جامی "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں: "جب حضرت خواجہ حجاز جانے کے لئے ولایت جام سے گذر رہے تھے اور یہ غالباً اواخر جمادی الاوّل یا جمادی الاخریٰ (۸۲۲ھ) کا واقعہ ہے تو میرے والد ارادتمندوں اور مخلصوں کی ایک کثیر جماعت ساتھ لے کر ان کی زیارت کے لئے شہر سے باہر گئے۔ اس وقت میری عمر پورے پانچ سال بھی نہیں ہو پائی تھی۔ میرے والد نے کسی سے کہا کہ مجھے کاندھے پر اٹھا کر ان کی پالکی کے سامنے رکھے۔ حضرت خواجہ ملتفت ہوئے اور ایک سیر کرمانی مٹھائی عنایت فرمائی۔ اب یہ واقعہ بیتے ساٹھ سال ہونے کو آ رہے ہیں لیکن آج بھی اُن کے جمال پر انوار کی پاکیزگی کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے ہے اور ان کے دیدار مبارک کی لذت میرے دل میں موجود ہے۔ خاندان خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم سے میرا پُرخلوص رابطہ، اعتماد، اعتقاد، ارادت اور محبت (شاید) انہی کی نگاہ کی برکت کا نتیجہ ہے۔ امید ہے کہ اس نسبت کی طفیل میرا شمار ان کے محبّوں اور عقیدتمندوں کے حلقہ میں ہو گا۔ بمنہٖ وجودہٖ۔"[2]

---

[1] خواجہ محمد پارسا بخاری (۷۵۶ - ۸۲۲ھ / ۱۳۵۵ - ۱۴۱۹ء) کے احوال و آثار کے لئے دیکھئے: رشحات عین الحیات ۱: ۱۰۱ - ۱۰۴، ماہنامہ "نور اسلام" شرقپور "اولیائے نقشبند نمبر حصہ اوّل" جلد ۲۴، شمارہ ۳-۴، مارچ اپریل ۱۹۷۹ء مقالہ محمد اختر چیمہ، مترجمہ سید عارف نوشاہی زیر عنوان "حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی بخاری" ص ۲۳۹ - ۲۶۸۔

[2] نفحات الانس ص ۳۹۲ - ۳۹۷۔

مولانا فخر الدین لورستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ: ان کا شمار اپنے وقت کے مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ جامی ان کی نسبت "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں "مجھے یاد پڑتا ہے کہ مولانا فخر الدین لورستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ خرجرد جام میں میرے والدین کی سرائے میں قیام پذیر تھے، میں اس وقت اتنا چھوٹا تھا کہ انہوں نے مجھے اپنے زانو پر بٹھالیا۔ وہ اپنی انگلی سے خلا میں عمر اور علی ایسے مشہور نام لکھتے اور میں پڑھتا جاتا۔ وہ تبسم فرماتے اور (میری استعداد پر) حیران بھی ہوتے۔ یہی وہ شفقت اور نوازش تھی جس نے میرے دل میں طریقۂ نقشبندیہ کی محبت و ارادت کا بیج ڈالا جو روز بروز نشوو نما پا رہا ہے۔ خدا کرے میں ان کی محبت سے جیوں اور ان کی محبت میں مروں اور انہی کے حلقۂ محبان میں سے اٹھایا جاؤں۔ اللّٰھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ السالکین[1]"

خواجہ برہان الدین ابو نصر پارسا قدس سرہ[2]: انہیں اکثر خواجہ ابو نصر کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا تھا۔ جامی "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں: "ایک دن ان کی مجلس میں شیخ محی الدین بن عربی قدس اللہ تعالیٰ سرہ اور ان کی تصانیف کا ذکر ہو رہا تھا تو انہوں نے اپنے والد بزرگوار سے روایت کی کہ وہ فرمایا کرتے تھے "فصوص جان ہے اور فتوحات دل، جو شخص "فصوص" کو اچھا سمجھتا ہے اس کا متابعتِ نبوی (ص) کا دعویٰ قوی ہو جاتا ہے[3]"

۱؎ نفحات الانس: ۴۵۳۔

۲؎ خواجہ ابو نصر پارسا (م ۸۶۵ھ/۱۴۶۰-۶۱ء) کے حالات کے لئے دیکھیے: رشحات عین الحیات ۱: ۱۱۱-۱۱۳، نفحات الانس: ۳۹۶-۳۹۷۔ ۳؎ نفحات الانس: ۳۹۶۔

حضرت شیخ بہاء الدین عمر قدس اللہ تعالیٰ روحہ[1] جن کے متعلق جامی کی رائے ہے کہ ان کا استغراق اور استہلاک بڑا قوی تھا۔ وہ عقابی نظروں سے خلا میں ایسے دیکھتے جیسے فرشتے، جن کا مقر، ہوا ہے، خلائق کو دیکھتے ہیں ـــــ جامی بتاتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت شیخ سے ملاقات کے لئے گاؤں "جغارہ"[2] گیا۔ وہاں شہر سے بھی کچھ لوگ آئے بیٹھے تھے۔ شیخ کا طریقہ یہ تھا کہ جو کوئی بھی شہر سے آتا اس سے پوچھتے کہ کیا خبر ہے؟ چنانچہ وہ ہر ایک سے الگ الگ دریافت کرتے جاتے کہ تم شہر سے کیا خبر لائے ہو، ہر کوئی جواباً کچھ کہہ دیتا۔ میری باری آئی تو پوچھا "ہاں بھئی تمہارے پاس کیا خبر ہے؟" میں نے کہا "کچھ نہیں" فرمایا۔ "راستے میں کیا دیکھا؟" میں نے عرض کیا، "کچھ بھی نہیں دیکھا۔" تب وہ (حاضرین سے) فرمانے لگے "جو کوئی بھی درویش کے پاس آئے اُسے ایسے ہی آنا چاہیے، نہ تو اُسے شہر کی خبر ہو نہ وہ راستے میں کسی شے پر دھیان دے۔" پھر یہ شعر پڑھا:

دلارامی کہ داری دل در او بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند[3]

---

[1] شیخ بہاء الدین عمر جغارگی (م ۸۵۷ھ/ ۱۴۵۳ء) کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: نفحات الانس: ۴۵۵-۴۵۶۔

[2] جغارہ، ہرات کے قریب ایک گاؤں ہے۔

[3] نفحات الانس کے تہران اور لاہور ایڈیشن (۱۳۴۵ھ) میں جامی کے جغارہ جانے کا واقعہ مذکور نہیں، صرف مندرجہ شعر کے بارے میں جامی نے لکھا ہے کہ شیخ یہ پڑھ کر مریدوں کو تلقین کیا کرتے اور انہیں (جامی) بھی یاد رہ گیا ہے۔

خواجہ شمس الدین محمد کوسوی[1] قدس اللہ تعالیٰ روحہ: ان کے بارے میں جامی کہتے ہیں کہ وہ واعظ تھے اور ہمارے خواجہ سعد الدین، مولانا شمس الدین محمد اسد، مولانا جلال الدین ابو یزید پورانی اور دیگر معاصر مشائخ اُن کی مجلس وعظ میں شریک ہوتے اور ان کے بیان کردہ حقائق و معارف کو پسند کرتے. مولانا شرف الدین علی یزدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہمیں خواجہ کی مجلس وعظ میں جانے کی ترغیب دیا کرتے. بعض احباب بتاتے ہیں کہ جب بھی حضرت مخدوم (جامی) حضرت خواجہ کوسوئی کی مجلس میں جاتے تو خواجہ فرماتے "آج ہماری محفل میں شمع فروزاں ہے." اور پھر خواجہ کی زبان پر حقائق و معارف رواں ہو جاتے. حضرت مخدوم (جامی) فرمایا کرتے کہ خواجہ کوسوئی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ محی الدین بن العربی کی کتابوں کے معتقد تھے اور مسئلہ توحید کو ان کے نظریے کے مطابق سر منبر، علمائے ظاہر کے سامنے اس طرح بیان کرتے کہ کسی کو انکار کی مجال نہ ہوتی. قرآن، حدیث، اقوال مشائخ کے اسرار و رموز میں وہ حد درجہ تیز فہم تھے. جو کثیر معارف دوسروں کو غیر معمولی تامل و تفکر کے بعد حاصل ہوتے وہ ان پر معمولی توجہ ہی سے کھل جاتے. وعظ اور سماع کے دوران میں ان پر شدید وجد طاری ہو جاتا. (اس عالم میں) وہ بڑی باتیں کرتے جن کی تاثیر تمام حاضرین مجلس پر ہوتی. بعض اوقات خواجہ، اپنے ہاں آئے ہوئے لوگوں کو ان کے اپنے نفس پر غالب صفات کی شکل میں دیکھتے. ایک دن کہنے لگے کہ ہمارے اصحاب کبھی کبھی انسانی

---

[1] خواجہ شمس الدین محمد کوسوی (کوسو، ہرات کا ایک گاؤں ہے جو آب "کہسان" سے موسوم ہے) (م ۲۶ جمادی الاوّل ۸۶۳ھ/۱۴۵۹ء) کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: حبیب السیر ۴: ۶۰، نفحات الانس: ۴۹۶ - ۴۹۸.

شکل سے باہر ہو جاتے ہیں۔ لیکن جلد ہی اپنی اصلی حالت پر لوٹ آتے ہیں۔ انہوں نے ایک دو آدمیوں کے نام بھی لئے اور بتایا کہ جب وہ میرے سامنے آتے ہیں تو وہ مجھے چار چشمی کتے دکھائی دیتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ ان کی خدمت میں حاضر کسی کے دل میں کوئی خیال گزرتا تو وہ اس کا اظہار اس طرح کر دیتے کہ (متعلقہ شخص کے سوا) کسی کو خبر تک نہ ہوتی[1]

مولانا جلال الدین پورانی رحمۃ اللہ علیہ[2]: جامی اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں ان کے پہلو میں نماز پڑھ رہا تھا تو انہیں اس قدر مغلوب و مستہلک پایا جیسے انہیں اپنی خبر ہی نہ ہو۔ جب وہ قیام کرتے تو دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے کبھی بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر[3]

مولانا شمس الدین محمد اسد[4]: ان کے ہاں بھی جامی کی بڑی آمد و رفت تھی۔ وہ نفحات الانس میں رقمطراز ہیں: "ایک دفعہ میں ان کا شریک سفر تھا۔ باتوں باتوں میں وہ کہنے لگے کہ ان دنوں مجھ پر ایک ایسا حادثہ گذرا جس کی مجھے کوئی توقع نہیں تھی اور میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر مختصراً اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا

---

[1] نفحات الانس: ۴۹۷۔

[2] مولانا جلال الدین ابو یزید پورانی (پوران، ہرات سے مشرق میں واقع ایک گاؤں ہے) متوفی ۱۰ ذیقعدہ ۸۶۲ھ/۱۴۵۸ء کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ حبیب السیر ۴: ۶۰، نفحات الانس ۵۰۱، ۵۰۲۔

[3] نفحات الانس: ۵۰۳۔

[4] مولانا شمس الدین محمد اسد (م ۱ رمضان ۸۶۴ھ/۱۴۶۰ء مدفون گازرگاہ۔ ہرات) کے حالات کے لئے دیکھئے: حبیب السیر ۴: ۱۱۰، نفحات الانس: ۴۵۶۔ ۴۵۷۔

جس سے میں ان کی مقام جمع تک رسائی سمجھ گیا۔"[1]

علی بن حسین کاشفی نے "رشحات عین الحیات" میں جامی کے پیر و مرشد خواجہ ناصر الدین عبید اللہ معروف بہ خواجہ احرار جن کی ارادت کا دم جامی نے ساری عمر بھرا ہے، کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے۔[2] جامی اور خواجہ احرار کے مابین جو قلبی اور روحانی تعلق قائم تھا اس کا جامی کے منثور و منظوم آثار و افکار پر اثر نمایاں ہے۔ ان تعلقات کی تفصیل کے لئے ہم دوبارہ "رشحات عین الحیات" سے اقتباس نقل کرتے ہیں:

"حضرت مخدومی (جامی) اور حضرت ایشاں (خواجہ احرار) کی چار ملاقاتیں ہوئی ہیں، دو دفعہ سمرقند میں، تیسری بار ہرات میں، جب خواجہ احرار میرزا سلطان ابو سعید کے عہد حکومت میں ماوراء النہر سے خراسان تشریف لائے ہوئے تھے، اور چوتھی دفعہ مرو میں جب حضرت خواجہ سلطان ابو سعید کی درخواست پر مرو آئے ہوئے تھے، تو حضرت جامی ان سے ملاقات کے لئے ہرات سے مرو گئے۔ ہماری نظر سے حضرت جامی کی ایک تحریر گذری (جس میں وہ بتاتے ہیں) کہ مرو کے نواح میں خواجہ عبید اللہ مد اللہ ظلالہ نے اس حقیر سے دریافت کیا: "تمہاری عمر کیا ہو گی؟" میں نے کہا: "تقریباً پچپن سال" یہ سن کر وہ فرمانے لگے: "تو پھر ہماری عمر (تم سے) بارہ سال زیادہ ہو گی۔"

واضح رہے کہ اس ملاقات سے پہلے اور بعد میں دونوں حضرات کے درمیان کافی مکاتبت ہو چکی تھی حضرت جامی کا خواجہ احرار کی نسبت کمال اخلاص

---

[1] نفحات الانس: ۴۵۷۔

[2] رشحات عین الحیات، جلد دوم، طبع تہران خواجہ احرار کے حالات پر مشتمل ہے۔

اور ارادت ان کی منظوم و منثور تصانیف سے ہر خاص و عام پر آشکار ہے۔ وہ نظمیں اور تحریریں اس قدر مشہور ہیں کہ یہاں انہیں لکھنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت خواجہ کے نام حضرت جامی کے رقعات و مراسلات بھی ان کی سچی محبت اور پرخلوص عقیدت سے لبریز ہیں ہم یہاں بطور تیمن و تبرک اور سند و ہدایت جامی کے دو رقعات نقل کر رہے ہیں:

۱۔ "بعد از رفع نیاز عرضہ داشت این بیچارہ گرفتار آنکہ گاہے میخواہم کہ گستاخی کردہ از خرابی احوال خود نسبت بملازمان آن آستانہ اندکے اعلام کنم، میترسم کہ خرابی احوال این فقیر موجب ملال بازیافتگان شود و "ذکر الوحشۃ وحشۃ" بہر حال کہ ہست آرزوئے آن میباشد کہ نظر بخرابی این درماندہ بکنند، طریقۂ ترحم کہ از اخلاق کرام است نسبت باین ضعیف مرعی دارند، سبب گرفتاری خود جز آن نمیدانم۔ شعر

ہر کہ را دیو از کریباں وا برد
بے کشش سازد سرش را وخورد

والسلام والاکرام۔"

۲۔ "عرضہ داشت آنکہ اشتیاق و آرزو مندی عتبہ بوسی بسیار است ہر چند با خود میگویم: این کار دولتست کنون تا کرا رسد، لیکن ہوای آنکہ خود را بر آن آستان بیند بسیار است۔ امید از الطاف بے نہایت حق سبحانہ آنکہ این فقیر بے بال و پر، بے ہمت، بے قدم را بمحض عنایت قدمی روزی گرداند تا ہر چہ گونہ کہ باشد از مضیق حبس خودی نجات یافتہ، متوجہ آستان بوسی توانم شد۔ والسلام"[1]

---

[1] رشحات عین الحیات ا: ۲۴۷-۲۴۹۔

خواجہ ناصر الدین عبید اللہ آپ خراسان اور ماوراء النہر میں سلسلۂ نقشبندیہ کے پیشوا اور جامی کے معاصر تھے۔ جامی نے ہر مقام پر ان کی عظمت و جلالت کا اعتراف کیا ہے اور انہیں اپنی کتابوں میں "استاد" اور "مخدوم" کے القاب سے یاد کیا ہے۔ خواجہ اپنے عہد کی ممتاز شخصیت تھے۔ سلطان ابو سعید گورگان اپنے تمام ملکی امور میں ان سے رہنمائی حاصل کرتا اور ہر کام میں اُن سے توسّل اور شفاعت پر بھروسا رکھتا تھا۔ ایک دفعہ خواجہ کے کہنے پر عوام پر سمرقند و بخارا کے مالیات معاف کر دیے۔ جب شاہ نے اپنا دار الحکومت سمرقند سے ہرات منتقل کیا تو اس نے دو دفعہ خواجہ کو خراسان مدعو کیا۔ پہلی دفعہ خواجہ ہرات تشریف لائے اور دوسری بار مرو۔ معین الدین اسفزاری نے ۸۶۵ھ کے واقعات میں خواجہ کے سفرِ مرو کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب خواجہ ماوراء النہر سے مرو پہنچے تو سلطان سعید نے استقبال و اعزاز کے مراسم بجا لانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ وہ دو مرتبہ خود خواجہ سے ملنے آیا اور ایک دفعہ خواجہ اس کے پاس گئے سلطان سے باہمی مشوروں کے بعد وہ عراق چلے گئے۔[۱]

جامی نے مثنوی "سلسلۃ الذہب" کے پہلے دفتر میں خواجہ احرار کے مرو تشریف لے جانے کا واقعہ، سلطان ابو سعید کا ان کے لئے آداب بجا لانے اور خواجہ نے انہیں (جامی کو) جو نصیحت فرمائی تھی اس کا بطور خاص ایک حکایت میں ذکر کیا ہے۔ آگے چل کر اسی منظوم حکایت میں جامی بتاتے ہیں کہ آستانۂ خواجہ احرار حاجت مندوں کا ملجأ ہے وہ ماوراء النہر اور خراسان میں اہلِ جہان کی مشکلات کو آسان فرماتے ہیں، نیاز مندوں کی حاجت برآری کے لئے وہ اعلیٰ حکام کو رقعات لکھتے ہیں، انہی کے حکم

---

[۱] رک: کتاب ہذا، ص ۸۹۔

سے محصول کا قانون منسوخ کیا گیا۔[1]

خواجہ احرار کو خراسان کا دوسرا سفر اس وقت پیش آیا جب سلطان ابو سعید جنگِ آذربایجان کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ سلطان نے مشورہ اور حصولِ برکت کے لئے انہیں مرو بلایا تھا۔

مثنوی "تحفۃ الاحرار" میں جامی نے بڑے والہانہ الفاظ میں سلسلۂ نقشبندیہ سے اپنی وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ پہلے وہ قطبِ اعظم، مجدّدِ سلسلۂ نقشبندیہ خواجہ بہاء الدین بخاری معروف بہ نقشبند کی مدح و منقبت بیان کرتے ہیں[2]۔ اس کے بعد اپنے پیر و مرشد، شیخ طریقت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ کی دعا کے ساتھ اپنی نظم کو پایۂ اختتام تک پہنچایا ہے۔ خواجہ احرار کے بارے میں وہ کہتے ہیں:

زد بجہان نوبت شاہنشہی　　کوکبۂ فقر عبید اللّٰہی
آنکہ ز حرّیت فقر آگہست　　خواجۂ احرار عبید اللہ است[3]

ایک قطعہ میں جامی نے ان اقدامات کی طرف اشارہ کیا ہے جو خواجہ نے چنگیزی مالیات وغیرہ منسوخ کروانے اور پادشاہانِ وقت کے ہاں مظلوموں کی داد رسی کے لئے کئے۔ وہ قطعہ ملاحظہ ہو:

دادہ چو تو کلک گہر ریز را　　شستہ ستم نامۂ چنگیز را
خامہ او کردہ ز نسخ رقاع　　محو خط نامۂ ظلم از بقاع

---

[1] سلسلۃ الذہب سے حکمت نے یہ اشعار نقل کئے ہیں۔

[2] تحفۃ الاحرار: ۳۱۲-۳۸۴۔

[3] ایضاً: ۳۸۴۔

رفعۂ او نوردہ ہر سواد   بقعۂ او ثانی خیر البلاد
حلقۂ اصحاب کہ گرد وبند   بہرہ ور از ذکر وز ورد وبند[۱]

تحفۃ الاحرار ہی کے شروع میں جامی نے خواجہ احرار کے ساتھ اپنی تین ملاقاتوں کا ذکر کر کے اپنے طے کردہ ان مراحل سلوک کو بیان کیا ہے جن میں انہیں تصوّف کے تین مراتب (علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین) کا وصول ہوا۔ جامی نے یہ نظم ایک خاص وجدانی کیفیت میں بڑے جوش و جذبہ سے لکھی ہے انہوں نے مدارجِ سلوک طے کرنے اور اپنے شیخِ طریقت سے ارادت کے اظہار میں بڑی شیریں زبانی اور نغز بیانی سے کام لیا ہے۔[۲]

جامی کے تیسرے دیوان "خاتمۃ الحیوۃ" میں سات بندوں پر مشتمل ایک مرثیہ ہے جو انہوں نے خواجہ احرار کے انتقال پر لکھا۔[۳] اس کا مطلع ہے:

موج زن ے بینم از ہر دیدہ طوفان غمی   میرسد در گوشم از ہر لب صدای ماتمی

اس بند کے آخر میں وہ کہتے ہیں:

خواجہ رفت و مابداغ فرقتش ماندیم اسیر   کم مبادا ہرگز از فرق مریدان ظلّ پیر

دوسرے بند میں جامی لکھتے ہیں:

خواجۂ کش معنی فقر از ازل ہمراہ بُود   ناصر الدین نصرت الدنیا عبیداللہ بُود

پانچویں بند میں وہ فرماتے ہیں:

---

[۱] تحفۃ الاحرار: ۳۸۴۔

[۲] ایضاً: ۳۸۹-۳۹۴۔

[۳] دیوانِ جامی (گنج بخش): ۸۴۷

این مصیبت نیست خاص ماوراءالنهریان — تیره شد هر شهر ازین ناخوش خبر شهریان

اسی دیوان میں جامی نے خواجہ احرار کی وفات پر دو قطعات تاریخ بھی لکھے ہیں[1]. ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

بہشتصد و نود و پنج در شب شنبہ — کہ بود سلخ مہ فوت احمد مرسل

کشید خواجۂ دنیا و دین عبیداللہ — شراب صافی عیش ابد ز جام اجل

جامی کے اعزا و اقارب

علی بن حسین کاشفی نے "رشحات عین الحیات" میں جامی کی گھریلو زندگی، اولاد اور ان کے رشتہ داروں کے بارے میں خاطر خواہ تفصیلات دی ہیں[2]. وہ لکھتے ہیں:

عقد:

"حضرت مولانا سعد الدین کاشغری قدس اللہ سرہٗ کے صاحبزادے خواجہ کلاں کی دو بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک حضرت مخدوم (جامی) کے نکاح میں تھیں اور دوسری میرے عقد میں آئیں.

دو کوکب شرف از برج سعد ملت و دین
طلوع کرد و برآمد بسان دُر ز صدف
ازآن یکی بضیا گشت بیت عارف جام
وزین حضیض و بال صفی شد اوج شرف

---

[1] دیوان جامی (گنج بخش)، ۸۵۰ ـ ۸۵۱ ـــــ جامی کی سلسلۂ نقشبندیہ سے ارادت سے متعلق ملاحظہ فرمایے: عبدالحی حبیبی: "طریقت جامی" مقالہ مندرج در "تجلیل ... نورالدین عبدالرحمن جامی"، افغانستان ۱۳۴۳ شمسی، صفحہ ۱۴ تا ۲۷.

[2] رشحات عین الحیات ۱: ۲۸۳ ـ ۲۸۶.

اولاد:

حضرت جامی کے ہاں اس زوجہ سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔[1]

۱۔ پہلا لڑکا صرف ایک دن زندہ رہا۔ ابھی اس کا نام نہیں رکھا گیا تھا۔

۲۔ دوسرا بیٹا خواجہ صفی الدین محمد تھا جو ایک سال کی عمر پاکر فوت ہوگیا۔ جامی کو اس کی وفات کا بڑا صدمہ ہوا۔ جیسا کہ ان کے پہلے دیوان میں موجود اس مرثیہ سے پتہ چلتا ہے جو اس کی وفات پر لکھا۔

یہ بڑا عجیب اتفاق ہے کہ جامی نے اس کی وفات کے بعد اس کا لقب "صفی" میرا تخلص ٹھہرایا اور میرے لقب "فخر" سے اس کی تاریخ ولادت (۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء) نکالی۔ جیسا کہ وہ اپنی اس رباعی میں فرماتے ہیں:

فرزند صفی دین محمد کہ جہان ∗ شد زندہ با و چنانکہ تن زندہ بجان
چون شد بوجود او جہان فخر کنان ∗ شد سال ولادت وی از لفظ "فخر" عیان

امیر نظام الدین علی شیر نے اس کی تاریخ وفات ایک چار لفظی جملے سے نکالی اور حضرت مخدوم (جامی) کو ارسال کی۔ وہ جملہ یہ ہے:

"بقای حیات شما باد" = ۸۸۱ھ (۱۴۷۶ء)

---

[1] رضا قلی خان ہدایت نے تذکرہ ریاض العارفین (طبع تہران) ص ۱۵۰ و ۳۸۹ میں مولانا حسین واعظ کاشفی کو مولانا جامی کا داماد اور فخر الدین علی صاحب رشحات کو جامی کا نواسہ لکھا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ جامی کی چار بیٹوں کے سوا کوئی مادینہ اولاد نہیں تھی۔ فخر الدین علی اگر جامی کے نواسے ہوتے تو رشحات میں [illegible] مزید بحث و تفصیلات کے لئے دیکھئے: مقدمہ ڈاکٹر معینیان بر رشحات عین الحیات [illegible] ص ۶۲-۶۶

۳۔ جامی کا تیسرا بیٹا خواجہ ضیاء الدین یوسف تھا، جس کی تاریخ ولادت جامی نے یوں رقم کی: "ولادت فرزند ارجمند ضیاء الدین یوسف ابنۃ اللہ نباتاً حسناً فی النصف الآخر من لیلۃ الاربعاء التاسع من شہر شوال سنۃ اثنین و ثمانین و ثمانمائۃ" بدھ کی رات کا آخری پہر، ۹ شوال ۸۸۲ھ (جنوری ۱۴۷۸ء) ایک دن حضرت جامی پرانی مسجد کے شمال میں واقع حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خادم، خواجہ ضیاء الدین کو کندھوں پر اٹھائے، گھر سے باہر نکلا۔ اس وقت ضیاء الدین کی عمر تقریباً پانچ سال ہو گی۔ جب وہ قریب پہنچا تو کہنے لگا "بابا (جامی)! میں نے خواجہ عبیداللہ کو نہیں دیکھا۔" جامی متبسم ہوئے اور فرمایا: "بیٹے تم نے انہیں دیکھا ہے، لیکن تجھے یاد نہیں پڑتا۔" پھر کہا: انہی دنوں میں نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ عبیداللہ اسی مقام پر تشریف فرما ہیں اور مسجد کے شمال میں واقع ایک چھت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ میں ضیاء الدین کو ہاتھوں پر اٹھا کر ان کے پاس لے گیا اور عرض کیا کہ اس بچے پر نظر عنایت فرمایئے، اور اسے قبولیت سے مشرف کیجئے۔ حضرت خواجہ نے ضیاء الدین کو میرے ہاتھوں سے اٹھا لیا اور اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ کر ایک بیحد سفید شے اس کے منہ میں ڈالی جس سے اس کا منہ بھر گیا بلکہ وہ چیز زائد ہی تھی۔ تب انہوں نے بچہ میرے حوالے کر دیا اور میری آنکھ کھل گئی۔" جامی نے یہ واقعہ خرد نامۂ اسکندری کے دیباچے میں خواجہ احرار کی مدح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔[1]

---

[1] خرد نامۂ اسکندری: ۹۱۹ــــ صاحبزادہ ضیاء الدین یوسف ۲۵ شوال ۹۱۹ھ/ ۱۵۱۳ء کو فوت ہوئے۔ حاشیۂ رشحات عین الحیات ۱: ۲۸۵۔

۴۔ جامی کے چوتھے بیٹے کا نام خواجہ ظہیر الدین عیسیٰ تھا۔ جو خواجہ ضیاء الدین کی ولادت سے نو سال بعد پیدا ہوا۔ جامی نے اس کی تاریخ ولادت یوں مرقوم کی ہے: "ولادت فرزند ارجمند ظہیر الدین عیسیٰ وقت الظہر من یوم الخمیس خامس محرم سنہ احدی وتسعین وثمانمائۃ انبتہ اللہ نباتاً حسناً ورزقہ سعادۃ الدارین محمد وآلہ الطیبین الطاہرین" (ظہر جمعرات کا دن، ۵ محرم ۸۹۱ھ / جنوری ۱۴۸۶ء) تقریباً چالیس دن کی عمر پاکر یہ لڑکا بھی وفات پا گیا۔ جامی نے اس کی تاریخ ولادت و وفات پر دو قطعات لکھے:

فرزند ظہیر الدین پنجم ز محرم — در منتصف ظہر شد آرام دل ما
جز ذٰلک عیسیٰ نشد از غیب اشارت — جستیم چو نامش ز رقم نامۂ اسما
ملفوظ ز عیسیٰ چو شمارند نہ مکتوب — تاریخ ولادت بودش "ذٰلک عیسا"
۸۹۱

(۲)

نور دیدہ ظہیر دین کہ فتاد — دادن و بردنش بہم نزدیک
بود برقی ز آسمان کرم — "زادن و مردنش بہم نزدیک"

بھائی:

جامی کے ایک بھائی مولانا محمد تھے،[1] جن کے حالات زندگی "مجالس النفائس" میں درج ہیں، بظاہر وہ بھی صاحب علم وفضل تھے اور علوم ظاہری سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ راگوں اور علم موسیقی میں بھی انہیں مہارت تھی۔ میر علی شیر نے ان سے یہ رباعی

---

[1] مولانا محمد جامی کا انتقال ۸۷۷ھ / ۷۳-۱۴۷۲ء میں ہوا۔ ان کی قبر مولانا سعد الدین کاشغری کی قبر (ہرات) کے سامنے ہے۔ مزارات ہرات: ۱۱۰ (متن) اور ۵۵-۵۶ (تعلیقات)۔

منسوب کی ہے :

این بادہ کہ من بے تو بلب می آرم — نے از پے شادی وطرب می آرم

زلف سیہ تو روز من کردہ سیاہ — روز سیہ خویش بشب می آرم

جامی نے اپنے بھائی کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا، جس میں اُن کی غزل پر تضمین کی ہے[1]

بہن : مولانا عبداللہ ہاتفی جامی (م ۹۲۷ھ) مولانا جامی کے بھانجے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مولانا جامی کی کوئی بہن بھی تھی۔ مترجم۔

جامی کے اسفار

تذکروں سے جامی کے کئی اسفار معلوم ہوتے ہیں جن کی تاریخی ترتیب یوں ہے :

۱۔ بچپن میں اپنے والد کے ہمراہ جام سے ہرات آنا اور خواجہ علی سمرقندی کے مدرسہ میں داخل ہونا۔

۲۔ جوانی میں شاہرخ کے عہد (۸۱۷ - ۸۵۰ھ) میں ہرات سے سمرقند جانا۔

۳۔ سمرقند سے ہرات واپسی کا سفر، علاؤالدین علی قوشچی سے ملاقات اور اکتساب علم۔ اسی سفر میں وہ مولانا سعدالدین کاشغری کے معتقد ہوئے۔

۴۔ خواجہ عبیداللہ احرار کی زیارت کے لئے ہرات سے مرو کا سفر۔

۵۔ ۸۷۰ھ/۶-۱۴۶۵ء میں خواجہ عبیداللہ سے ملنے دوبارہ سمرقند گئے۔

۶۔ ۷۸-۸۷۷ھ/۷۳-۱۴۷۲ء میں خراسان سے حجاز تک کا سفر۔ راستے میں ہمدان، کردستان، بغداد، کربلا، نجف، مدینہ، مکہ، دمشق، حلب اور تبریز سے گزرنا اور خراسان واپسی[2]

[1] جامی : ۸۰-۸۱ میں یہ مرثیہ اور تضمین درج ہے۔ [2] رشحات عین الحیات : ۲۶۴ میں یہ

۷۔ ۸۸۴ھ/ ۷۹-۱۴۷۸ء میں فاراب تا شقند میں خواجہ عبیداللہ سے ملاقات کی غرض سے تیسرا سفر۔

(بقیہ از صفحہ ۱۶۳)

ہرات سے روانگی	۱۶ ربیع الاوّل ۸۷۷ھ/ ۲۱ اگست ۱۴۷۲ء
بغداد پہنچنا	اواسط جمادی الاخر
دجلہ کے کنارے	نصف شوال
دجلہ سے قافلہ کی روانگی	۲۰ شوال
نجف سے روانگی	۱ ذیقعدہ
مدینہ منوّرہ میں نزول	۲۲-۳۰ ذیقعدہ
مکّہ مکرمہ پہنچنا	۶ ذی الحجہ
شام کی طرف سفر	۱۵ ذی الحجہ
دوبارہ مدینہ حاضری	۲۵ ذی الحجہ
مدینہ سے روانگی	۲۷ ذی الحجہ
دمشق میں نزول	محرم کے آخری عشرہ کے وسط میں، ۸۷۸ھ
دمشق سے خراسان روانگی	۴ ربیع الاوّل
حلب میں نزول	۱۲ ربیع الاوّل
حلب سے قلعہ بیرہ روانگی	۲۰ ربیع الثانی
تبریز پہنچنا	۲۴ جمادی الاوّل
خراسان کو روانگی	۶ جمادی الثانی
ورامین سے ایک منزل پہلے	رجب کا چاند نظر آنا

(باقی صفحہ ۱۶۵ پر)

مذکورہ چھٹا سفر مولانا کا سب سے اہم اور طویل سفر ہے جس میں انہیں کئی حادثات و واقعات پیش آئے۔ ہم "رشحات عین الحیات" سے اس سفر کی روداد نقل کر رہے ہیں[1]

"جامی ماہ ربیع الاوّل کے وسط سن ۸۷۷ھ میں حجاز کے سفر پر نکلے ..... جب وہ اس سفر کی تیاری میں مصروف تھے تو خراسان کے احباب نے ان سے یہ سفر منسوخ کرنے کی درخواست کی اور کہنے لگے کہ روزانہ آپ کی بدولت غریبوں کے کئی کام سنورتے ہیں اور جو مشکلات شاہی دربار میں آپ کی سفارش سے حل ہوتی ہیں خود اس کا ثواب ایک پیدل حج سے کم نہیں ہے جامی نے خوش طبعی سے جواب دیا "ہم پیدل حج کرتے کرتے تھک چکے ہیں اب ایک سواری حج بھی ہو جائے"۔

چنانچہ وہ ہرات سے نکلے اور نیشاپور، سبزوار، بسطام، دامغان،

(بقیہ از صفحہ ۱۶۴)

واپس ہرات پہنچا   جمعہ ۱۸ شعبان ۸۷۸ھ (۳ جنوری ۱۴۷۴ء)

مولانا لاری نے جامی کے سفر حجاز کے ضمن میں لکھا ہے:

"در آخرین اوقات ایشان را جذبہ ای روی نمودہ است و کیفیت عظیم دست دادہ عنان توجہ بصوب کعبہ و جانب قبلہ نہادہ اند، تا بہ کوسور رسیدند آنجا ایشان را اقامتی شدہ و دغدغہ صحبت حضرت مخدوم (سعد الدین) و شوق دیدار مبارک حضرت ایشان غالب گشتہ عنان عزیمت تافتہ اند و بصحبت آن حضرت شتافتہ" (تکملہ حواشی نفحات الانس، ص ۱۴)

[1] رشحات عین الحیات: ۱: ۲۵۴-۲۶۲۔

ان شہروں کا نقشہ جہاں جامی تشریف لے جاتے رہے

سمنان اور قزوین سے ہوتے ہوئے ہمدان پہنچے۔ ہمدان کے حاکم شاہ منوچہر نے بڑے خلوص اور نیازمندی کا مظاہرہ کیا اور حضرت جامی کو ان کے قافلے سمیت تین راتیں اپنے ہاں ٹھہرایا اور ان کے اعزاز میں شاہی ضیافتیں منعقد کیں۔ اپنے ملازمین اور متعلقین کی ایک کثیر جماعت جامی کے ہمراہ روانہ کی۔ ان لوگوں نے جامی کا قافلہ بحفاظت کردستان سے گزار کر بغداد کی سرحد تک پہنچایا۔ جامی یکم جمادی الاخر کو بغداد میں داخل ہوئے اور چند دنوں بعد امیر المؤمنین حسین علیہ السلام کے روضۂ مقدسہ کی زیارت کی غرض سے "حلّہ" روانہ ہوئے۔ جب کربلا پہنچے تو یہ غزل لکھی:

کردم ز دیدہ پائے سوئے مشہد حسین
ہست ایں سفر بمذہب عشاق فرض عین[1]

اس کے بعد وہ دوبارہ بغداد آ گئے۔ ان دنوں جو ایک عجیب واقعہ پیش آیا وہ روافض کی شورش تھی۔ انہیں (جامی کی مثنوی) "سلسلۃ الذہب" کے بعض اشعار پر اعتراض تھا۔ ہوا یوں کہ جام کا فتحی نامی شخص جو محض پڑھنے کی شُدھ بُدھ رکھتا تھا اور سالہا سال سے آستانہ حضرت مخدوم (جامی) کا خادم چلا آ رہا تھا، اس سفر میں جامی کے ہمراہ تھا۔ ایک دن کچھ نفسانی خواہشات کی بناء پر اس کی حضرت جامی کے ایک خادم سے تلخ کلامی ہو گئی اور بات بڑھتے بڑھتے ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ فتحی اپنی نہایت گندی طبیعت اور کثیف فطرت کے سبب حضرت جامی کی خدمت سے الگ

---

[1] رشحات عین الحیات ۱: ۲۵۵-۲۵۶ میں مکمل غزل درج ہے۔

ہو کر اپنے ہم جنس اور ہم ذوق رافضیوں کے ساتھ جا ملا اور اپنا بوریا بستر بھی وہیں لے گیا۔ جامی نے سلسلۃ الذہب کے دفتر اوّل میں قاضی عضد رحمۃ اللہ کی بعض کتب سے ایک تمثیل نقل کی ہے کہ اکثر لوگ عبادت کے وقت (خدا کی بجائے) کسی موہوم شے کے خیال میں گرفتار ہوتے ہیں[1] فتحی نے اس تمثیل کے ابتدائی اور آخری اشعار چھوڑ کر درمیان سے چند ایسے اشعار لے لئے جو اس فرقہ کے عقائد کا ماحصل ہیں اور پھر روافض کو دکھائے۔ چنانچہ ایک بجد متعصب رافضی نے اس فتنہ کو ہوا دینے کے لئے چند اشعار از خود بنا کر ان کے ساتھ لگا دیے۔ اس طرح قرب وجوار کے غالی اور جاہل رافضیوں کو ایک بہانہ ہاتھ لگ گیا اور وہ اشاروں اور کنایوں سے حضرت جامی کے قافلہ کے لوگوں کو شر انگیز باتوں سے چھیڑنے لگے۔ آخر کار ایک روز بغداد کے ایک وسیع مدرسے میں ایک عظیم مجلس منعقد ہوئی، جس میں حضرت جامی نے شرکت کی۔ حنفی اور شافعی قضات ان کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ مد مقابل حسن بیگ کا بھتیجا مقصود بیگ اور حسن بیگ کا سالہ خلیل بیگ، جو کبھی بغداد کے حکمران رہے تھے، ترکمان امراء کے پہلو میں براجمان ہوئے۔ بغداد کے عوام مدرسہ کی چھت پر چڑھ گئے۔ کتاب "سلسلۃ الذہب" سامنے لائی گئی اور سب کے سامنے سیاق وسباق کے ساتھ حکایت کا مضمون پڑھا گیا۔ حضرت جامی نے خوشی سے فرمایا کہ جب ہم نے "سلسلۃ الذہب" میں حضرت امیر (حضرت علی) اور ان کی اولاد بزرگوار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف کی

---

[1] سلسلۃ الذہب ا: ۵۲۔

توہم خراسان کے سُنیوں سے خوفزدہ تھے۔ مبادا وہ ہمیں رافضی خیال کریں.
لیکن ہمیں کیا علم تھا کہ ہم بغداد میں رافضیوں کی ایذا کا شکار ہو جائیں گے۔
جب حاضرینِ مجلس، حکایت کے مضمون سے کما حقہ آگاہ ہوئے تو انگشت
بدنداں رہ گئے اور یک زبان ہو کر پکار اُٹھے کہ اس اُمت میں سے ہرگز کسی نے
حضرت امیر کے اوصاف اس خوبی سے بیان نہیں کئے اور ان کے مناقب
میں ایسا مبالغہ نہیں کیا۔ پھر حنفی اور شافعی اقضی القضات نے وہاں
موجود دیگر اکابر سمیت اس حکایت کی صحت پر صاد کیا۔ اس کے بعد انہی
قاضیوں اور اکابر کے روبرو روافض کے سرغنہ نعمت حیدری سے پوچھا
گیا کہ تم شرعی نقطۂ نظر سے بات چیت کرنا چاہتے ہو یا طریقت کی بنیاد
پر۔ وہ بولا: "دونوں طرح سے"۔ حضرت جامی نے فرمایا: پہلے اٹھو اور شرعی حکم
کے مطابق مونچھوں کے بڑھے ہوئے وہ بال درست کرو جو مدت سے تم
نے نہیں کٹوائے۔ ادھر جامی نے یہ بات کہی اُدھر شیروان کے بعض لوگ
جو جامی کی حمایت کے لئے اس مجلس میں آئے بیٹھے تھے، لپکے اور نعمت حیدری
کو گھیر لیا اور قینچی پہنچتے پہنچتے اس کی آدھی مونچھیں عصا پر رکھ کر چھری
سے کاٹ ڈالیں اور باقی قینچی سے کاٹ دیں، جب اس کی مونچھیں
تمام کٹ چکیں تو جامی نے فرمایا چونکہ یہ کام تو نے اپنے ہاتھ سے (اپنی
مرضی سے) انجام نہیں دیا لہٰذا تو اہلِ طریقت کی نظر میں از روئے طریقت
مردود ہے اور لباسِ فقر تم پر حرام ہے۔ لہٰذا، اب تمہیں ضرورت کے مطابق
شیخ وقت کے پاس جانا چاہیے تاکہ وہ تیرے حق میں فاتحہ و تکبیر پڑھے۔
(کیا تم جانتے ہو کہ) اہلِ طریقت کے قاعدے کے مطابق اس شیخ کے لئے

ضروری ہے کہ وہ کچھ مدت کربلا میں رہ کر سادات سے تکبیر کا اذن لے کر واپس مجادلہ پر آئے۔ پھر نعمت حیدری کو سامنے لایا گیا جس نے "سلسلۃ الذہب" پر بعض لغو اشعار کا الحاق کیا تھا اور دشمنی اور تعصب میں پیش پیش تھا۔ اسے برا بھلا کہا گیا۔ حکام نے بھی اسے ملامت کی۔ پھر اسی مجلس میں اُسے ٹوپی پہنا کر بطور سزا و تشہیر گدھے پر الٹا سوار کر کے عوام و خواص کے سامنے بغداد کے بازار میں اور شہر کے ارد گرد گھمایا گیا۔ حضرت جامی نے ان واقعات اور اہلِ بغداد کی اس اذیت رسانی پر یہ غزل لکھی:

بگشای ساقیا بلب شط سر سبوی	وز خاطرم کدورت بغدادیان بشوی
مہرم بلب نہ از قدح می کہ ہیچکس	زابنای این دیار نیرزد بگفتگوی
از ناکسان وفا و مروت طمع مدار	وز طبع دیو خاصیت آدمی مجوی
در راہ عشق زہد و سلامت نمی خرند	خوش آنکہ با جفا و ملامت گرفت خوی
عاشق کہ نقب زد بنہان خانۂ وصال	دارد فراغتی ز نفیر سگان کوی
بیرنگی است دنی صفتی وصف عاشقان	این شیوہ کم طلب ز اسیران رنگ و بوی
جامی مقام راست دون نیست این زمین	برخیز تا نہیم بخاک حجاز روی[1]

جامی چار مہینے بغداد میں ٹھہرے اور اسی سال عید الفطر کے بعد حجاز روانہ ہو گئے اور مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رُخ کیا۔ آنحضرت کی نعت میں ایک ترکیب بند لکھا جس کا مطلع یہ ہے:

---

[1] دیوانِ جامی (ترمان)، ۸۰۰-۲۷۹۔

اصبحت زائراً لک یا شحنة النجف

اصبحت زائراً لک یا شحنة النجف

بهر طواف مرقد تو نقد جان بکف

بهر طواف مرقد تو نقد جان بکف

تو قبله دعایی و اهل نیاز را

روی امید سوی تو باشد ز هر طرف

عزیزالدین وکیلی [illegible] تحریر نمود

محمل رحلت ببند ای ساربان کز شوق یار
میکشد ہر دم برویم قطرہ ہای خون قطار[1]

شوال کے آخر میں قبلۂ عزت و شرف، حریم حرمت شہر "نجف" پہنچے اور اس متبرک و مبارک مقام پر یہ غزل لکھی :

قد بدا مشہد مولای انیخوا جملی
کہ مشاہد شد از آن مشہدم انوار جلی[2]

حضرت امیر علیہ السلام کے روضۂ اقدس کی زیارت سے مشرف ہو چکے تو حضرت امیر کی منقبت میں ایک قصیدۂ غرا لکھا جس کا مطلع ہے :

اصبحت زائرا لک یا شحنۃ النجف
بہر نثار مرقد تو نقد جان بکف[3]

سید شرف الدین محمد لیث نقیب[4] نے جو اس وقت اس علاقے کے سید السادات اور نقیب النقباء تھے اپنی اولاد و احفاد اور دوسرے اکابر سمیت حضرت جامی کا استقبال کیا اور آداب تعظیم و توقیر بجا لائے، تین دن اور تین رات ان کی شاندار مہمانداری کی اور ان کے شایان شان خاطر و مدارت بجالاتے رہے۔ ذیقعدہ کا چاند نظر آیا تو

---

[1] دیوان جامی (گنج بخش) : ۷۰
[2] رشحات عین الحیات : ۲۵۹-۲۶۰ میں یہ مکمل غزل موجود ہے۔ دیوان جامی (گنج بخش) : ۱۰۹
[3] دیوان جامی (گنج بخش) : ۱۸۔
[4] سید محمد لیث کا ذکر حبیب السیر ۴ : ۶۱۰ میں موجود ہے۔

حضرت مخدوم (جامی) اپنے قافلے سمیت صحرا میں داخل ہوئے اور مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رُخ کیا۔ راستے میں آنحضرتؐ کے معجزات پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا جس کا پہلا شعر یہ ہے :

بانگ رحیل از قافلہ برخاست خیز ای ساربان
رختم بنہ بر راحلہ آہنگ رحلت کن روان

اور اس کا دوسرا مطلع ہے :

یارب مدینہ است این حرم کز خاکش آید بوی جان
یا ساحت باغ ارم یا عرصۂ روض الجنان[1]

بائیس دن کے بعد یہ قافلہ مدینہ پہنچا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کی زیارت سے فارغ ہو کر مکۂ معظمہ روانہ ہو گیا۔ دس دن کے سفر کے بعد ذی الحجہ کے اوائل میں یہ لوگ مکہ پہنچ گئے، حرم میں پندرہ دن ٹھہرے، مناسک حج ادا کئے اور دوبارہ مدینہ چلے گئے۔ روضۂ نبوی کی مکرر زیارت کے وقت یہ غزل لکھی :

بکعبہ رفتم و زآنجا ہوای کوی تو کردم
جمال کعبہ تماشا بیاد روی تو کردم[2]

روضۂ نبوی کی زیارت کے بعد آپ شام روانہ ہو گئے اور دمشق میں پینتالیس روز قیام کیا وہاں قاضی محمد خیضری[3] سے ملاقاتیں ہیں جو اس علاقہ

---

[1] دیوانِ جامی (گنج بخش) : ۱۴۰۔

[2] رشحات عین الحیات : ۲۶۱ میں مکمل غزل درج ہے، دیوان جامی (پژمان) : ۱۶۲ ۔

[3] قطب الدین محمد بن محمد خیضری (۸۲۱-۸۹۴ھ / ۱۴۱۸-۱۴۸۹ء) (باقی ۱۷۴ پر)

کے قاضی القضات اور محدث روزگار تھے۔ حدیث میں وہ نہایت عمدہ سند رکھتے تھے۔ حضرت جامی نے ان سے احادیث سنیں اور سندِ حدیث حاصل کی۔ جتنے روز جامی وہاں مقیم رہے جناب قاضی نے وہ مہمان نوازی کی کہ باید و شاید۔ وہاں سے جامی، حلب روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو سادات ائمہ اور قضات نے مختلف تحائف پیش کئے، ادھر قیصر روم کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ جامی خراسان سے حجاز آئے ہوئے ہیں تو اس نے حضرت جامی کے دیرینہ خادم خواجہ عطاء اللہ قرمانی کو اپنے خواص اور پانچ ہزار اشرفی نقد اور ایک لاکھ اشرفی موعود سمیت جامی کی خدمت میں روانہ کیا اور ان سے بڑی نیازمندی سے التماس کی کہ آنجناب چند روز مملکت روم پر بھی اپنا سایۂ التفات ڈالیں اور اہلِ روم کو اپنے قدوم شریف سے نوازیں۔ اتفاق یہ ہوا کہ اس سے پہلے کہ قیصر روم کے نمائندے دمشق پہنچتے جامی بحکم خداوندی دمشق سے حلب جا چکے تھے، جب شاہی نمائندے دمشق پہنچے تو جامی کو نہ پاکر بیحد مایوس ہوئے۔ جامی ابھی حلب ہی میں مقیم تھے کہ دمشق سے خبر پہنچی کہ قیصر روم کے آدمی انہیں لینے آئے ہیں۔ جامی اس خیال سے کہ کہیں وہ لوگ حلب پہنچ کر اور منت و زاری کر کے انہیں ساتھ نہ لے جائیں، حلب میں مزید رُکے بغیر تبریز چلے گئے۔ راستے میں چونکہ رومی اور آذربائیجانی فوجوں کی لڑائی کے سبب انقلاب و اضطراب کی کیفیت تھی،

(بقیہ از صفحہ ۱۷۳) محدث، حافظ، اصولی، فقیہ، مورخ اور نسّاب تھے اور ان موضوعات پر اُن سے کئی کتابیں یادگار ہیں۔ معجم المؤلفین ۱۱: ۲۴۷-۲۴۸۔

اس لئے حلب کے ترکمان حکمران محمد بیگ نے، جسے حسن بیگ سے بھی قرابت داری تھی، اسی حسنِ عقیدت اور کمال اخلاص کی بناء پر جو اُسے حضرت جامی سے تھا، تین سو سواروں کا دستہ اپنے اقرباء اور درباریوں سمیت ان کے قافلے کے ساتھ روانہ کیا جو انہیں کردستان اور دیگر خطرناک مقامات سے بحفاظت گزار کر تبریز پہنچا آیا۔ (جب مولانا جامی تبریز پہنچے) تو حسن بیگ کے قریبی ندماء قاضی حسن، مولانا ابوبکر تہرانی اور درویش قاسم شغال و نے شہر کے دوسرے امراء اور عمائدین کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور انہیں نہایت عزّت و احترام کے ساتھ مختلف خوبصورت مقامات سے گزار کر شہر لائے۔ مولانا نے حسن بیگ سے ملاقات کی وہ بھی بڑے ادب سے پیش آیا اور شاہی تحائف نذر کئے۔ اس نے بڑی نیاز مندی سے مولانا سے (مزید) قیام کی درخواست کی۔ مگر وہ اپنی معمّر والدہ کی خدمت کا بہانہ بنا کر خراسان روانہ ہو گئے۔ حضرت جامی جب ہرات پہنچے تو میرزا سلطان حسین مرو میں تھا۔ اسے حضرت کی واپسی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے چند خاص معتمدوں کو تحائف دے کر حضرت کی خدمت میں روانہ کیا اور ساتھ ایک مکتوب بھی دیا جس سے شاہ کا وفورِ اخلاص و نیاز ٹپکتا ہے۔ اس نے اپنا مکتوب اس شعر سے شروع کیا:

اھلا بمقدمک الشریف فانہ　　　فرح القلوب و نزہۃ الارواح"

میر علی شیر نے "خمسۃ المتحیرین" میں جامی کی ہرات واپسی اور سلطان اور جامی کے مابین ہونے والے رباعی کے تبادلے کا ذکر یوں کیا ہے:

"جب حضرت جامی سفرِ مکّہ سے واپس آئے تو سلطان، بلخ میں تھا۔ اس نے

تہنیت نامہ دے کر ایک قاصد اُن کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ ان کی سلامتی کی خبر لائے۔ ساتھ یہ رباعی لکھی[1]:

انصاف بدہ ای فلک مینا۔ فام   تا زاین دو کدام خوبتر کرد خرام

خورشید جہانتاب تو از جانب صبح   یا ماہ جہانگرد من از جانب شام

جامی نے اس رقعہ کے جواب میں تفصیلی خط لکھا اور یہ رباعی مرقوم فرمائی:

با کلک تو گفت نامہ کای گاہ خرام   صد تحفہ خوش بردم آورده ز شام

گر پای تو در میان نباشد، نرسد   مہجوران را ز جانب دوست پیام

ہم یہاں جامی کی ایک غزل نقل کر رہے ہیں جو بظاہر انھوں نے سفر حجاز سے واپسی پر لکھی[2]:

للہ الحمد کہ بعد از سفر دور و دراز   میکنم بار دگر دیدہ بدیدار تو باز

مژہ برہم نزنم پیش تو آری نہ خوش است   کہ تو را چہرہ بود بازو مرا دیدہ فراز

....

جامی از شوق مقام تو نوائی کہ زند   بہر عشاق رہ راست بود سوی حجاز

(ہم نے یہ مکمل غزل اسی کتاب کے صفحہ ۲۴۱ پر درج کی ہے۔ مترجم)

---

[1] رشحات عین الحیات ۱: ۲۶۳ میں یہ رباعی علی شیر سے منسوب ہے۔

[2] دیوان جامی (گنج بخش): ۳۰۱

جامی کے خصائل و فضائل

جامی کی اپنی کتب اور ان کے حالات پر دوسرے مورخین کی تحریریں پڑھنے سے جامی کے وہ اوصاف اور خصائل قاری پر نمایاں ہو جاتے ہیں جن کی بدولت ان کی تحریریں فارسی ادب کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے زندہ ہوگئیں اور ان ہی کی اعلیٰ صفات کی برکت سے ان کا نام نامی مشرق و مغرب میں گونج رہا ہے۔

جامی کے ان خصائل پر بحث کرنا درحقیقت ان کی روحانی زندگی کی تاریخ رقم کرنے کے مترادف ہے اور ایک محقق بہرحال ایسی تاریخ کو مادی زندگی کی تاریخ پر فوقیت دیتا ہے۔ ہمیں نہ صرف بڑے غور و خوض سے ان صفات کا مطالعہ کرنا چاہیے بلکہ ان سے کامیابی کا راز بھی تلاش کرنا چاہیے۔ ہمارے نوجوان طلبہ پر لازم ہے کہ وہ اس معتبر دانشور کے اخلاقِ حسنہ کو اپنے سفرِ زندگی میں مشعلِ راہ بنائیں۔ یہ اسی اخلاق اور خوبیوں کا کرشمہ تھا کہ خراسان کے دُور افتادہ گاؤں سے ایک گمنام لڑکا اٹھا اور شہرۂ آفاق ہوگیا۔ پھر اس کی رفعتِ مقام یہ تھی کہ بڑے بڑے بادشاہ بھی اس کے آگے دوزانو ہو کر کسبِ فیض و برکت کے لئے ہاتھ پھیلاتے تھے۔

یہاں ہمارا موضوع مولانا جامی کی عادات و اطوار پر تحقیق کرنا ہے۔ یہ عادات فطری تھیں خواہ کسبی۔ لیکن جامی کی تحریروں پر ان کے اثرات بہرحال موجود ہیں۔

علم حاصل کرنے کا ملکہ

جامی کی تصانیف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی نمایاں خوبی کسب علم و دانش کا شوق ہے جو ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا، وہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک ہمیشہ ایک طالب علم کی طرح تعلیم و تعلّم میں مصروف رہے انہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی اکتساب علم سے غفلت نہیں برتی[1] ان کی شخصیت ایسے لوگوں کے لئے نمونۂ تقلید ہے جو علم و معرفت کے حصول کے لئے میدانِ عمل میں قدم رکھتے ہیں۔

ذاتی استعداد، غیر معمولی قوتِ حافظہ، فطانت اور ذکاوت ایسے اوصاف راہِ علم میں جامی کے ہم گام تھے جو معارف و علوم و فضائل کی تمام منازل طے کرنے میں ان کے معاون واقع ہوئے۔ جامی کے شاگردوں اور ارادتمندوں کا ان فضائل کی بدولت جامی کی نسبت یہ عقیدہ تھا کہ وہ صاحب "نفس قدسی" ہیں۔ حصول علم میں ثابت قدمی، پابندی اور تنظیم بنیادی شرائط ہوتی ہیں جو مولانا جامی میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ مولانا عبدالغفور لاری اپنے استاد کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> "حضرت (جامی) شورش عشق اور شعر و شاعری سے شغل کے دوران میں بھی علم و معارف کا اکتساب کرتے رہے ہیں۔ مطالعہ کی عادت، قوت مباحثہ اور اپنے ہم سبقوں اور ہم درسوں بلکہ اساتذہ پر اُن کی سبقت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اُن کی چھٹیاں بڑی آسودگی سے گزریں، وہ تن

---

[1] جامی اکسٹھ سال کی عمر میں دمشق پہنچے اور وہاں محمد خیضری سے احادیث سنیں اور سند حدیث حاصل کی۔ تفصیل صفحہ ۱۷۰ پر گزر چکی ہے۔

نئے افکار میں ڈوبے رہتے۔ وہ فرماتے کہ ہم جس حال میں بھی ہوتے ہیں کچھ نہ کچھ غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ البتہ پڑھائی کے دنوں میں ان کی تمام تر توجہ اپنے سبق پر ہوتی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کسی ہم سبق سے کتاب لے کر مطالعہ کر لیا اور درس میں جا پہنچے اور (لطف کی بات یہ ہے) آپ ہی سب (طلبہ) پر غالب رہتے۔

گو ان کی تحصیل علم کی مجموعی مدت بہت کم رہی ہے لیکن ان کی دانشمندی اور اصول و فروع کے حقیقی و رسمی علوم میں ان کا تبحر کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ عمر کے آخری تیس سال وہ تارک رہے لیکن علمی موضوع پر جب بھی بات چل نکلتی تو وہ پہلے ہی سے اس کے (جواب کے) لئے تیار ہوتے اور اس طرح تشریح و توضیح کرتے کہ گمان ہوتا یہ مرتبہ انسانی بس سے باہر ہے۔

ماوراء النہر کے ایک عالم کو علم ہیئت میں کوئی مشکل مسئلہ درپیش تھا حالانکہ اس کی شہرت خود اسی علم میں تھی اور وہ اس میں مہارت تامہ رکھتا تھا لیکن مدتوں اس گتھی کو سلجھا نہ سکا۔ اتفاق سے اس کی ملاقات حضرت سے ہو گئی۔ ان سے استفسار کیا۔ حضرت نے جھٹ اس کا شبہ رفع کر دیا۔ وہ بزرگ کہتا ہے کہ اس روز مجھے معلوم ہوا کہ ان میں "نفس قدسی" موجود ہے۔[1]

لاری آگے چل کر لکھتے ہیں:

"حضرت نے جس کتاب کا مطالعہ کیا ہوتا صرف اسی کی طرف رجوع کرتے اور

---

[1] تکملہ حواشی نفحات الانس: ۹-۱۰۔

بحکم العلم نقطۃ کثرھا الجاہلون[1] (علم صرف ایک نقطہ ہے، جاہلوں نے اسے زیادہ کیا ہے) پہلے حقیقی مقصود کو دوسرے کے ذہن میں منتقل کرتے. انہیں جو مسئلہ بھی پیش آتا جب تک اس کی پوری تحقیق نہ کر لیتے اور اطمینان نہ ہو جاتا کسی دوسرے مسئلے کو ہاتھ نہ لگاتے. وہ فرمایا کرتے ــــ "جب تک ایک بات قطعی نہیں ہو جاتی ہم اسے آگے نقل نہیں کرتے."[2]

مولانا کو خود بھی مطالعہ کا شوق تھا اور انہوں نے اپنی مثنویات اور منظومات میں اپنے صاحبزادے اور قارئین کو بھی مفید کتابیں پڑھنے کی نصیحت کی ہے. ان کی یہ رباعی ملاحظہ ہو :

خوشتر ز کتاب در جہاں یاری نیست ، در غمکدۂ زمانہ غمخواری نیست

ہر لحظہ از و بگوشۂ تنہائی ، صد راحتی است و ہرگز آزاری نیست[3]

مثنوی یوسف و زلیخا میں کہتے ہیں :

بکن زین کارخانہ در کتب روی ، خیالِ خویش را دہ با کتب خوی

ز دانایان بود این نکتہ مشہور ، کہ دانش در کتب دانا ست در گور

انیس کنج تنہائی کتاب ست ، فروغ صبح دانائی کتاب ست

بود بی مزد و منت اوستادی ، ز دانش بخشدت ہر دم گشادی

ندیمی مغز داری، پوست پوشی ، بہ ستر کار گویائی خموشی

---

[1] جامی نے سلسلۃ الذہب دفتر اوّل میں اسے نکتے کو خوب واضح کیا ہے .

[2] تکملۂ حواشی نفحات الانس : ۱۱ .

[3] بحوالہ جامی : ۸۹ .

درونش ہمچو غنچہ از ورق پر — بقیمت ہر ورق زان یک طبق در
عماری کردہ از رنگ ادیم ست — دو صد گل پیرہن در وی مقیم ست
ہمہ مشکین عذاران توی بر توی — ز لبس رقت نہادہ روی بر روی
زیکرنگی ہمہ ہم روی و ہم پشت — گرایشان را زند کس بر لب انگشت
بتقریر لطایف لب گشایند — ہزاران گوہر معنی نمایند
گہی اسرار قرآن باز گویند — گہ از قول پیمبر راز گویند
گہی باشند چون صافی درونان — بانوار حقایق رہنمویان
گہی آرند در طی عبارات — بحکمتہای یونانی اشارات
گہی از رفتگان تاریخ خوانند — گہ از آیندہ اخبارت رسانند
گہی ریزندت از دریای اشعار — بجیب عقل گوہر ہای اسرار
ہر یک زین مقاصد چون نہی گوش — مکن از مقصد اصلی فراموش[1]

مثنوی "تحفۃ الاحرار" میں جامی نے علم حاصل کرنے کی فضیلت یوں بیان کی ہے:

تاج سر جملہ ہنرہاست علم — قفل گشای ہمہ درہاست علم
در طلب علم کمر چست کن — دست ز اشغال دگر سست کن
با تو پس از علم چگویم سخن — علم چو آید بتو گوید چہ کن
علم کثیر آمد و عمرت قصیر — آنچہ ضروریست بدان شغل گیر
ہر چہ ضروریست چو حاصل کنی — بہ کہ عمارت گری دل کنی[2]

---

[1] یوسف زلیخا: ۲۴۲ ـ ۲۴۳ ـ
[2] تحفۃ الاحرار: ۴۱۴ ـ

وارستگی اور تجرد

جامی کی ایک اور نمایاں خصوصیت اس مادی دنیا یا دنیاوی مادیات سے قطع تعلق ہے۔ درویشی کی جو بھی جامع تعریف ہوسکتی ہے وہ اپنے تمام تر مفہوم کے ساتھ مولانا کی فطرت میں موجود تھی۔ یہ جوہر تواضع، فروتنی، ترک ریا، مذمت نفس اور خلوص عقیدت کی صورت میں ان کی حرکات وسکنات اور اقوال و افعال میں جلوہ گر ہوا۔ انہوں نے کبھی پیر و مرشد ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگرچہ وہ ہمیشہ اذکار و ریاضت میں مشغول رہتے لیکن زندگی کے ضروری امور سے بھی کبھی غافل نہیں رہے۔

شریعت کے تقاضوں کو وہ مکمل طور پر پورا کرتے۔ ان میں وہ صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں جن کی تلقین مشایخ اپنی تعلیمات میں ہمیشہ اپنے پیروکاروں کو کیا کرتے ہیں۔ ان اعلیٰ صفات سے مزین ہونے کے باوجود انہوں نے کبھی ریاکاری نہیں کی۔ مولانا لاری ان کے فضائل و اوصاف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت جامی علیہ الرحمۃ والرضوان کا کوئی لمحہ بھی باطنی اشغال سے خالی نہ گزرتا وہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ (ایسے لوگ جنہیں نہ تجارت غفلت میں ڈال دیتی ہے نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے روکتی ہے۔ (نور، ۳۷) کی مجسم تصویر تھے۔ ان کا ظاہر خلق اور باطن حق سبحانہ کے ساتھ رہتا۔ حوادث روزگار ان پر اثر انداز نہ ہوسکے۔ مختلف لوگ ان کی مجلس شریف میں فتنہ انگیز باتیں کرتے لیکن وہ انہیں درخور اعتنا نہ سمجھتے اگر کبھی انہوں نے کسی ایسی بات پر توجہ دی تو وہ پادرہوا ہو کر رہ گئی۔ وہ فرماتے کہ طریقۂ خواجگان کا حسن یہ ہے کہ ہر مقام پر ہر کسی کے ساتھ برتاؤ کیا جا سکتا ہے:

سررشتۂ دولت ای برادر بکف آر — وین عمر گرامی بخسارت مگذار

دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ کار   میدار نہفتہ چشم دل جانب یار[1]

"سلسلۂ نقشبندیہ کا اخلاق ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ مشتبہ شے سے اجتناب کرتے۔ اگر سلاطین و حکام کے دستر خوان پر کوئی مشکوک چیز موجود ہوتی تو اکثر اوقات ان (جامی) کے لئے دوسرا کھانا منگوایا جاتا۔ ورنہ وہ بقدر ضرورت کھانا کھا کر ہاتھ کھینچ لیتے اور ساتھ ہی فرماتے کہ جب کبھی ایسا امر واقع ہوتا ہے تو طبیعت چندروز تک مکدر رہتی ہے۔ ان کی اپنی مجلس میں بھی ایسا ہی ہوتا کہ اگر کوئی چیز اس نوعیت کی ہوتی تو اکثر اوقات خود اُن کے لئے دوسرا کھانا لایا جاتا مگر اس طرح کہ اہل مجلس کو پتہ نہ چلتا اور وہ بدگمان نہ ہوتے ....

ان کا معمول یہ تھا کہ نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد وہ ایک ساعت جماعت کے ساتھ بیٹھتے، جب مجلس سے اٹھتے تو ایک ساعت سلسلہ (نقشبندیہ) کے اشغال میں مصروف رہتے اور فرماتے کہ سونے سے پہلے یہ اشغال بہت اہم ہیں تاکہ ان کی برکت تمام رات رہے۔ اشغال سے فارغ ہوتے تو آرام فرماتے۔ شروع شروع میں تو وہ بہت کم آرام کرتے۔ بلکہ صبح تک بیدار رہ کر نماز اور مراقبہ میں مشغول رہتے۔ لیکن آخری عمر میں رات کے تیسرے پہر ضرور بیدار ہو جاتے اور نماز و مراقبہ میں مشغول ہو جاتے اور فرماتے کہ صبح کے اذکار و اشغال کی برکت سارا دن رہتی ہے۔ نماز فجر کے لئے وہ دوبارہ وضو کرتے۔ نماز سے فارغ ہوتے تو مراقبے میں چلے جاتے

---

[1] بحکم حواشی نفحات الانس : ۱۵-۱۶۔

یہاں تک کہ سورج طلوع ہو کر ایک نیزہ تک آ جاتا۔ دن کے باقی اوقات وہ مراقبہ، تصنیف و تالیف اور مطالعہ میں گذارتے ....

حضرت تشہد کی صورت میں بیٹھتے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ اور مخلوق کی تعظیم کے لئے ان کی کوشش ہوتی کہ قبلہ رُو ہو کر بیٹھیں۔ زیادہ تر وہ زمین پر بیٹھتے اور کھلے بازووں والی قبا پہنتے ..... لباس کی زیبائش میں وہ منفرد تھے لباس جیسا بھی پہنتے وہ دلکش ہوتا۔ کبھی قبا پہنتے، کبھی جبہ، کبھی سر پر عمامہ رکھتے اور کبھی نہیں .....

حضرت کی صحبت کی ایک خاصیت یہ تھی کہ جو بھی اُن کی صحبت میں جاتا اُسے خواہ کس قدر انقباض و ملال ہوتا وہاں پہنچ کر رفع ہو جاتا اور وہ شخص وہاں سے انبساط اور خوشی کی حالت میں لوٹتا۔ جو کوئی بھی ان کی خدمت میں آتا ادنیٰ ہوتا خواہ اعلیٰ، مولانا بیٹھے رہتے اور اس بات کا انتظار کرتے کہ پہلے وہ شخص اٹھے (پھر خود اٹھتے)۔ اس عادت پر قائم رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بعض امراض کا شکار ہو گئے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی کہ مجلس میں نیچے بیٹھیں اور جہاں تک ممکن ہوتا آستانے پر بیٹھتے اور کھانے میں حقیر ترین لوگوں کے ساتھ شریک ہوتے۔ کھانے پینے میں وہ کسی قسم کا کوئی تکلف نہ برتتے بلکہ تکلفات سے بالا کھانوں سے رغبت رکھتے۔

جس کام میں ریا کا شائبہ ہوتا وہ حضرت سے سرزد نہ ہوتا۔ اگر کسی کو دنیاوی امور میں حاجتمند پاتے، البتہ ایسی ضرورت جو محض ہوائے نفس کی وجہ سے نہ ہو تو اسے چپکے سے پورا کر دیتے۔ لیکن اگر وہ ضرورت نفسانی ہوتی تو قطعی توجہ نہ دیتے۔ وہ ریا کو اپنے قریب پھٹکنے نہ دیتے۔ لوگ ان

کے معتقد ہوں یا منکر، انہیں اس سے بالکل غرض نہیں تھی اور نہ لوگوں کی محض توجہ حاصل کرنے کے لئے ریا کی اجازت دیتے۔ حضرت کے زیر کفالت افراد کی دنیاوی ضروریات سے جو بچ جاتا اسے بھلائی کے کاموں پر خرچ کر دیتے۔ انہوں نے "ہرات" میں اندرون شہر ایک مدرسہ تعمیر کروایا: "خیابان"[1] میں مدرسہ اور خانقاہ، اور "جام" میں جامع مسجد بنوائی۔ مدرسہ خیابان جو کہ حضرت کے مزار کے قریب ہی واقع ہے، اکثر املاک اس کے لئے وقف ہیں...

حضرت جامی علیہ الرحمۃ والرضوان محافل میں بہت کم باتیں کرتے بلکہ فرماتے دوستو تم ہی کوئی بات کرو، از خود ہمارے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں۔ چنانچہ احباب باتیں شروع کرتے تب حضرت بھی بیچ میں کوئی بات کہہ دیتے۔ کبھی کبھار خوش طبعی بھی فرماتے۔ ایک رات کہنے لگے کہ جو دوست و احباب بھی مل بیٹھتے ہیں انہیں آپس میں گھل مل جانا چاہیے اور اپنی خوشی اور لذت کو باہم بانٹنا چاہیے ......"

---

[1] خیابان ہرات کے قریب واقع ایک علاقہ ہے اس کی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو: خیابان از فکری سلجوقی۔ کابل ۱۳۴۱ شمسی۔

خلوت میں ان کی زبان پر سلسلۂ نقشبندیہ کا ذکر اور حقایق و معارف جاری رہتے۔ ایسے لوگ جو سلسلۂ نقشبندیہ سے باہر ہوتے ہر چند وہ صاحبِ فضل و کمال ہوتے مگر ان کے سامنے اس قسم کی باتیں زبان پر نہ لاتے:

جامی غم دوست را بعالم ندہی ‏ ‏ ‏ ‏ با ہر کہ نہ اوست شرح این غم ندہی

مرغ غم او بحیلہ شد با مارام ‏ ‏ ‏ ‏ خاموش کہ مرغ رام را رم ندہی[1]

عزتِ نفس اور استغنا

مولانا جامی کی دوسری اہم صفاتِ حسنہ، استغنا، عزتِ نفس، طمع و حرص سے اجتناب ہیں انہوں نے خود کو کبھی دوسروں کا محتاج نہیں بنایا۔ یہ صفات نہ صرف ان کے اشعار و گفتار سے مترشح ہیں بلکہ ان کے سوانح نگاروں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً:

علی بن حسین کاشفی "رشحات" میں لکھتے ہیں:[2]

"اوائل زندگی میں ایک دن مولانا شیخ حسین[3]، مولانا داؤد[4]، مولانا معین[5]

---

[1] ملخصاً از تکملہ حواشی نفحات الانس: ۱۸۔۲۱۔

[2] رشحات عین الحیات ۱: ۲۳۸۔

[3] غالباً مولانا کمال الدین شیخ حسین (م ۸۸۸ھ/۱۴۸۳ء) مراد ہیں، جو نہ صرف عظیم عالم دین تھے بلکہ سلطان سعید نے انہیں ہرات میں مالی امور کا محتسب بھی مقرر کر رکھا تھا، حبیب السیر ۴: ۱۰۸۔

[4] غالباً "مولانا عصام الدین داود خوافی مراد ہیں۔ جنہیں سلطان سعید نے شہزادہ سلطان محمود میرزا کا اتالیق مقرر کیا تھا۔ حاشیہ شرح شمسیہ ان کی تصنیف ہے، حبیب السیر ۴: ۱۰۶۔۱۰۷۔

[5] رک: معین تونی صفحہ ۱۴۱، حاشیہ ۱۔

جو باہم بیٹھ کر علمی بحث کیا کرتے تھے ـــ وظیفہ حاصل کرنے کے لئے اکٹھے شاہرخ کے بعض امراء کے ہاں گئے۔ وہ لوگ انہیں (جامی) بھی بازو سے پکڑ کر زبردستی ہمراہ لے گئے۔ امیر کے دروازے پر کچھ دیر انتظار کیا (پھر کہیں شرف باریابی ملا)۔ ملاقات کے بعد جب یہ لوگ باہر نکلے تو (جامی نے) فرمایا "اس دفعہ تو آپ کی بات مان لی آئندہ میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔" چنانچہ اس کے بعد وہ کبھی ارباب جاہ و دنیا کے دروازے پر نہیں گئے۔ بلکہ ہمیشہ فقر و فاقہ میں بھی صبر اور قناعت سے کام لیا۔ شیخ نظامی قدس سرہ کے یہ اشعار ان پر کس قدر صادق آتے ہیں:

چوں بعہد جوانی از بر تو ۔۔۔ بدر کس نرفتم از در تو

ہمہ را بردرم فرستادی ۔۔۔ من نمی خواستم تو میدادی

جامی فرمایا کرتے کہ ہم نے جوانی میں کبھی خود کو ذلیل و خوار نہیں کیا جیسا کہ ہرات اور سمرقند کے اکثر فضلاء و علماء قاضی روم اور مولانا خواجہ علی سمرقندی کے ہم رکاب پیدل چلتے۔ ہم نے کبھی ایسے لوگوں سے تعاون نہیں کیا اور نہ مدرسین کی عادت کے مطابق ہمیں ان کی ملازمت سے کوئی دلچسپی ہے۔ اسی لئے ہمارے وظیفہ کے حصول میں مشکلات پائی جاتی تھیں۔"

ہم یہاں کلام جامی سے چند اشعار نقل کر رہے ہیں جو ان کی شرافتِ نفس اور خودداری کا پتہ دیتے ہیں۔ "خرد نامۂ اسکندری" میں وہ کہتے ہیں:

طلب را نمی گویم انکار کن ۔۔۔ طلب کن ولیکن بہنجار کن

بمردار جوئی چو کرکس مباش ۔۔۔ گرفتار ہر ناکس وکس مباش

پی لقمہ چون سگ تملق مکن ۔۔۔ بفتراک دونان تعلق مکن

رھان گردن از بار غل طمع　　فشاں دامن از خار ذل طمع[1]

انسان کی روحانی شرافت اور اس کے مقام کی عظمت پر مولانا نے مثنوی "سبحۃ الابرار" میں انسان کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے:

ای گل تازہ کہ از باغ الست　　بجهان آمدہ ای دست بدست
پردۂ سبز فلک غنچۂ تست　　باشد این جامہ بقدش زتوچیست
باغبان گرچہ کند غنچہ ہوس　　قصد او جلوۂ گل باشد و بس
گل توئی زین چمن و غیر تو خار　　شیوۂ خار پرستی بگذار
گلبن اندر رہت از خار درشت　　کہ بکف زر کشد و گاہ بمشت
غنچہ مشتی است ز زر گل چو کفی　　پی ایثار تو از هر طرفی
چشم نرگس بتماشای تو باز　　نای بلبل ز نوای تو باز
یاسمن بزم ترا الخلخلہ سای　　نارون فرق ترا چتر گشای
سبزہ در آرزوی مفرشیت　　باد خرسند بہ محمل کشیت
محملت راست بہر پیش و پسی　　لالہ از بانگ فتادہ جرسی
آئینہ روی ترا آب زلال　　شانہ کش موی ترا باد شمال
طرفہ حالی کہ زخیل تو ہمہ　　و ندرین بزم طفیل تو ہمہ
تو زحال ہمہ پوشیدہ نظر　　گشتہ مشغوف دو سہ خردۂ زر
می زند بر محک آگہیت　　گونۂ زرد زر دهد بہیت
بس بود وجہ تو این زردی زر　　سرخ روئی ز زر خواجہ مجوی

---

[1] خردنامۂ اسکندری: ۹۲۴۔

چون بنفشہ قد خود ساختہ خم گر سر افگندہ نشینی و دژم
بہ کہ افتی چو گل از خندہ بہشت غافل از سرزنش خار درشت
دست خالی ز درم یا دینار گر سر افراز شوی ہمچو چنار
بہ کہ با خار و خس آئی ہمسر مشت چون غنچہ پر از خردۂ زر[1]

وہ اپنے ایک قصیدہ میں استغنا اور علو ہمتی کے بارے میں کہتے ہیں :

لب نیالایند اہل ہمت از خوان خسان در خور دندان انجم گردۂ ماہ و خور است
طامعان از بہر طعمہ پیش ہر خس سر نہند قانعان را خندہ بر شاہ و وزیر کشور است
ماکیان از بہر دانہ می برد سر زیر کاہ قہقہہ بر کوہ و بر در شیوۂ کبک دراست[2]

جامی اپنے ایک قطعہ میں ناممکنات کا ذکر کرتے ہوئے اسی استغنا کے بارے میں کہتے ہیں :

بدندان رخنہ در پولاد کردن بناخن راہ در خارا بریدن
فرو رفتن بآتش دان نگونسار بپلک دیدہ آتشپارہ چیدن
بفرق سر نہادن صد شتر بار ز مشرق جانب مغرب دویدن
بسی بر جامی آسان تر نماید کہ بار منت دو نان کشیدن[3]

ممکن ہے کوئی عیب جو نقاد مولانا جامی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے یہ کہے کہ انہوں نے اپنی ان تمام ظاہری اور باطنی خوبیوں، شرافت طبع، عزت نفس اور استغنا کے باوجود بادشاہان وقت کی مدح میں قلم کیوں اٹھایا اور قصیدہ گو شعراء کی طرح جن کا مقصد صلے

---

[1] سبحۃ الابرار : ۴۷۹ (عقد یازدہم) وہاں آخری چھ اشعار موجود نہیں ہیں۔
[2] دیوان جامی (گنج بخش) : ۲۷۔
[3] ایضاً : ۵۳۵۔

میں سیم و زر کے چند سکّے حاصل کرنا ہوتا ہے، قصیدے کیوں لکھے؟

تو اس اعتراض کے جواب میں ہم پروفیسر اگسٹ برکیٹو Auguste Bricteus استاد دانشگاہ لیژرا کے اس نظریے کو دہرائیں گے جو انہوں نے مثنوی "سلامان و ابسال" کے فرانسیسی مقدمہ (مطبوعہ پیرس ۱۹۱۱ء) میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"اپنے ممدوحین کی شان میں بڑی آب و تاب سے قصائد لکھنے پر جو لوگ جامی پر اعتراض اٹھاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں انہیں یہ ماننا پڑے گا کہ اس قسم کے اشعار میں شاعر کو محض شعری فن و صنعت پیش کرنا مقصود رہا ہے۔ دراصل مشرق کے شاعروں کا المیہ یہ رہا ہے کہ وہ یورپ کے ادباء کی طرح شروع سے لے کر آج تک قلم کی کمائی سے جسے اب قانونی نام "رائلٹی" دے دیا گیا ہے، اپنے اقتصادی مسائل حل نہیں کر سکے۔ لہٰذا اُس عہد کے لکھنے والوں کے لئے ناگزیر تھا کہ وہ اپنی تحریروں میں امراء اور سلاطین کا نام عزت و احترام سے لیں تاکہ ان کے خوانِ کرم سے کچھ صلہ پا سکیں۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ جابر بادشاہوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے کے لئے اپنے قلم سے مدد لیں۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں وہ عہد حاضر کے لکھنے والوں کی نسبت زیادہ آسودہ حال تھے کیونکہ انہیں تو اپنے مدح سرا قلم سے ایک ایسے امر من کو متوجہ کرنا ہوتا ہے جس کے سو سر ہیں پھر بھی اسے "عوام" کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ قدیم شعراء و ادباء صرف ایک بادشاہ کی خدمت میں قصیدہ پیش کر کے اتنا کچھ حاصل کر لیتے تھے کہ بقیہ عمر میں بڑی فراغت اور آزادی کے ساتھ اپنے

لطیف افکار اپنی دوسری تصانیف میں سمو سکتے تھے۔"
نقادوں کے اس اعتراض کا مسکت جواب خود جامی نے بھی اپنے تیسرے دیوان کے ایک قطعہ میں دے دیا ہے:

ہست دیوان شعر من اکثر	غزل عاشقان شیدائی
با فنون نصایح است و حکم	منبعث از شعور دانائی
ذکر دونان نیابی اندر وی	کان بود نقد عمر فرسائی
مدح شاهان دراو باستدعاست	نه زخوش خاطری و خود رائی
امتحان را اگر ز سرتا پاش	برروی صد ره و فرود آئی
زان مدایح بخاطرت نرسد	معنی حرص و آز پیمائی
ہیچ جا نبود آن مدایح را	درعقب قطعهٔ تقاضائی[1]

سادگی اور درویشی

جامی اپنے تمام تر ظاہری و باطنی جاہ و جلال کے ساتھ اور معاصر سلاطین و اکابر کی طرف سے قابلِ احترام ہونے کے باوجود بیحد سادہ اور بے تکلف زندگی بسر کرتے تھے۔ جیسے ان کا وجود درویشی اور فقر میں فنا ہو چکا ہو اور ان کی ہستی حقائق و فضائل میں محو ہو گئی ہو۔ وہ روحانی فضائل حاصل کرنے میں اس قدر مستغرق اور مصروف رہے کہ انہیں مادی لذتیں محسوس کرنے اور عیش کوشی کی فرصت ہی نہ تھی۔
عبدالغفور لاری نے مولانا کی روزمرہ زندگی کے بارے میں ایک الگ باب تحریر

---

[1] جامی: ۵۰۔

کیا ہے جس میں وہ ان کے عام چال چلن کا بطور اجمال ذکر کرتے ہیں۔ اس باب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اپنا بیشتر وقت مفید کاموں، ذکر، توجہ اور تہذیب نفس و تزکیۂ باطن کے لئے صوفیہ کے طریقے کے مطابق مراقبے میں گزارتے۔ اپنے وقت کا ایک حصہ وہ عوام کی تربیت اور خدمتِ خلق پر صرف کرتے۔ بے شک ایسی زندگی ہر طالب علم اور سالک کے لئے مکمل نمونہ ہے۔ لاری لکھتے ہیں:

"زیادہ تر وہ زمین پر بیٹھتے اور کھلے بازوؤں والی قبا پہنتے۔ لباس کی زیبائش میں وہ منفرد تھے۔ لباس جیسا بھی ہوتا، دلکش ہوتا، کبھی قبا پہنتے، کبھی جبّہ، کبھی سر پہ عمامہ رکھتے اور کبھی نہیں۔ ان کی تمام حرکات و سکنات پسندیدہ اور خوش آیند ہوتیں۔ ان کی گفتگو میں ملاحت کا عنصر غالب ہوتا۔ ان کی زیادہ تر باتیں پر لطف اور ولولہ انگیز ہوتیں اور اکثر خوش طبعیاں فرماتے۔"[۱]

میر علی شیر نوائی "خمستہ المتحیرین" میں مولانا کی تواضع اور سادگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"علومِ ظاہری اور شاعری خود پسندی کا تقاضا کرتے ہیں، لیکن حضرت (جامی) یہ اوصاف رکھنے کے باوجود اپنے حلقۂ اصحاب میں اس طرح اٹھتے بیٹھتے، کہتے سنتے، کھاتے پیتے، لباس پہنتے کہ جو لوگ دور سے ان کی شہرت سن کر ان کی زیارت کے لئے آتے وہ احباب کے مجمع میں آپ کو اس وقت تک پہچان نہ سکتے جب تک کہ ان کا تعارف

---

[۱] تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۱۹

نہ کردا دیا جاتا۔"

مولانا کی ان صفات کی تائید اور تصدیق خود ان کی اپنی تحریروں سے بھی ہو جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے قلم سے زہد، تواضع، فقر اور درویشی کی جو دعوت دی ہے وہ قلب کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ جب تک کہنے والے کی راستی اور سچائی کی گرمی، بات میں حرارت پیدا نہ کرے وہ سامع کے دل کو بھی جوش نہیں دلا سکتی۔ مولانا کا یہ رقعہ ملاحظہ فرمایئے، جو انھوں نے ایک درویش کو تحریر کیا ہے، اس کے اختصار و ایجاز سے بھی مولانا کی بے حد تواضع، مہربانی اور ترکِ نفس نمایاں ہے:

"سلام اللہ تعالیٰ و رحمۃ اللہ و برکاتہ علیکم بحیات مبارکات و دعوات طیبات منبعث از کمال اخلاص و غایت اختصاص مطالعہ نمودہ شوق و غرام بہ تقبیل انامل شریفہ کہ اشرف مطالب است تصور فرمودہ نیازمندی این کمینہ را بسائر عزیزان بتخصیص فلان و فلان برسانند و چون این فقیر از آن حقیر تراست کہ نامش در آنحضرت بردہ آید یا از سلک ملازمان شمردہ شود.

نگویمت کہ سلامم بآن جناب رسان — نیاز ذرۂ مسکین بآفتاب رسان
ولی درود دو چشم رمند رسیدۂ من — بخاک مقدم آن شاہ کامیاب رسان

دولت دو جہانی و سعادت جاودانی محصل باد۔"[1]

خیر خواہی اور نیکوکاری

مولانا کی فطرت میں خیر خواہی اور بھلائی کا جو جذبہ موجود تھا اس کی بدولت

---

[1] انشای جامی: ۵۔

ان کی ذات منبع خیرات وبرکات بنی رہتی اور وہ ہمیشہ کمزوروں کا ہاتھ تھامتے۔ مظلوموں کی حمایت اور عاجزوں کی مدد کرتے۔ نیکی، محبت، ایثار نفس، محکوموں پر رحم اور گمراہوں کی دستگیری کی تعلیم نہ صرف ان کی تحریروں میں ملتی ہے۔ بلکہ وہ خود بھی ان تمام صفات میں سب کے لئے نمونۂ عمل تھے۔ عبدالغفور لاری لکھتے ہیں:

"اگر کسی کو دنیاوی امور میں حاجتمند پاتے، البتہ ایسی ضرورت جو محض ہوائے نفس کی وجہ سے نہ ہو تو اُسے چپکے سے پورا کر دیتے۔ لیکن اگر وہ ضرورت نفسانی ہوتی تو بالکل توجہ نہ دیتے۔ ریا ان کے قریب سے بھی نہ گذرا تھا۔ لوگ ان کے معتقد ہوں یا منکر، انہیں اس سے قطعی غرض نہیں تھی اور نہ ہی محض لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لئے وہ ریا کرتے۔ حضرت کے زیر کفالت افراد کی دنیاوی ضروریات سے جو بچ جاتا اسے بھلائی کے کاموں پر خرچ کر دیتے۔ انہوں نے ہرات میں اندرون شہر ایک مدرسہ تعمیر کروایا، خیابان میں مدرسہ اور خانقاہ اور جام میں جامع مسجد بنوائی، مدرسۂ خیابان جو کہ حضرت کے مزار کے قریب ہی واقع ہے اکثر املاک اس کے لئے وقف ہیں۔

ایک دن حضرت کی مجلس میں ذکر ہوا کہ فلاں شخص کہہ رہا تھا کہ میں نے فلاں کام خالصاً اللہ کے لئے کیا ہے تو آپ نے فرمایا "غالباً وہ شخص اخلاص کا مفہوم نہیں سمجھتا"۔[۱]

مولانا کے وہ مکتوبات اور رقعات جو سلاطین، وزراء اور ارکان حکومت کے نام ہیں اُن سے بھی یہی مترشح ہے کہ وہ انہیں خلقِ خدا کی مدد اور ظلم وستم ترک کرنے کی تلقین

---

[۱] تکملۂ حواشی نفحات الانس : ۲۰۔

کرتے رہے۔ مثلاً ایک وزیر کے نام مولانا کا رقعہ ملاحظہ ہو جس سے ان کے لہجے کی سچائی اور حسنِ نیت عیاں ہے:

"بعد از عرض اخلاص بلسان محبت و اختصاص معروض آنکہ قرب سلطان صاحب قدرت و مجال قبول سخن در آنحضرت نعمتی بزرگ است و شکر آن نعمت صرف اوقات و انفاس است. بمصالح مسلمانان و رفع مفاسد ظالمان و عوانان. اگر ناگاه عیاذاً باللہ طبع لطیف را از ممر آن شغل گرانی حاصل آید و خاطر شریف را پریشانی روی نماید تحمل آن گرانی را در کفۂ حسنات وزنی عظیم خواہد بود و مصابرت بر آن پریشانی را در جمعیت اسباب سعادت دخلی تمام.

راحت و رنج چون بود گذران — رنج کش بہر راحت دگران

زانکہ باشد بمزرع ابتد — رنج تو تخم راحت جاوید

حق سبحانہ و تعالیٰ توفیق دستگیری از پای افتادگان و پا مردی عنان از دست دادگان زیارت گرداناد. والسلام والاکرام"[1]

اور یہ چند اشعار جو انہوں نے بادشاہوں سے مخاطب ہو کر لکھے ہیں ان کے خیرخواہ مزاج کا پتہ دیتے ہیں:

ای کہ در تاج و نگین داری رُوی — تا بکی تاج و نگین خواہد ماند

ملک ہستی ہمہ طی خواہد شد — نہ زمان و نہ زمین خواہد ماند

تا توانی بجہان نیکی کن — کز جہان با تو ہمین خواہد ماند[2]

---

[1] انشای جامی: ۲۹۔

[2] جامی: ۱۰۲۔

ذوقِ جمالیات

سلطان حسین میرزا بایقرا نے جو مولانا کا معاصر اور جلیس تھا۔ ایک دلچسپ کتاب "مجالس العشاق" لکھی ہے۔ مصنّف کا مقصد تھا کہ دنیا کی اہم اور ممتاز شخصیات کی نسبت یہ ثابت کیا جائے کہ انہیں مجازی محبت اور ظاہری عشق سے بھی شغل رہا ہے۔ البتہ مصنّف اس مجاز کو حقیقت کے راستے میں ایک پُل تصوّر کرتا ہے۔ میرزا نے مولانا جامی کو بھی نہیں بخشا اور ان کے بارے میں لکھا ہے:

"بہت کم ایسا ہوا کہ اُن کی مجلس میں اُن کا کوئی منظورِ نظر موجود نہ ہوتا۔"[1]

اس کے بعد مولانا کے (عشقِ مجازی کے) چند قصے لکھے ہیں اور ان کی کچھ غزلیں درج کی ہیں جسے کسی نہ کسی منظورِ نظر سے منسوب کیا ہے۔

---

[1] مجالس العشاق، مجلس پنجاہ و پنجم، ص ۱۷۷، مطبوعہ نول کشور کانپور ۱۸۹۷ء۔ سمرقند کے ایک خوبرو میرزا ہمدم کے ساتھ جامی کا معاشقہ مشہور ہے۔ اتفاق سے سلطان حسین میرزا بھی اسی پر فریفتہ تھا اور اسے اپنا ہمدم اور مقرب خاص بنایا ہوا تھا۔ لیکن جب سلطان نے دیکھا کہ جامی کا عشق ہوا و ہوس سے بالاتر ہے تو اس نے میرزا ہمدم ان کو بخش دیا۔

اس "عشق و رقابت" کی تفصیل پر دو مستقل کتابیں ہمارے علم میں ہیں۔

۱۔ داستان میرزا ہمدم و جامی، مصنّف نامعلوم۔ فارسی نثر میں لکھی گئی اس داستان کے دو مخطوطات (نمبر ۴۰۰، ۶۹۸۸) کتابخانہ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان راولپنڈی میں موجود ہیں۔ فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش (فارسی) از احمد منزوی ۳: ۹۶-۱۳۹۵۔

۲۔ شرارۂ عشق از صاحبزادہ حبیب اللہ عشرت قندھاری۔ یہ کتاب بھی فارسی میں ہے اور ۱۳۱۶ھ میں تالیف ہوئی۔ مجلہ آریانا (کابل) جلد ۲۲، شمارہ ۹-۱۰ ص ۵۴۲-۵۴۷۔ مقالۂ جناب محمد ابراہیم خلیل، بعنوان "شرارۂ عشق"۔

ہر چند کہ مولانا کا باطنی دامن، ظاہری آلائشوں سے پاک ہے اور ان کا مقام اس سے بالاتر ہے کہ وہ ہوا و ہوس کی پستی قبول کریں؛ پھر بھی یہ مسلّم ہے کہ مولانا میں اس قدر ذوقِ جمالیات ضرور موجود تھا کہ جب وہ خوبصورت چہرے اور دلکش بالوں (والے) کو دیکھتے تو یہ سلگتا ہوا ذوق شعلۂ جوالہ بن جاتا اور محبوبِ ہستی کے جمال کے مظاہر اُن کی حساس طبع کو تحریک دیتے، جس کے نتیجے میں ان کے قلم سے آگ کے شعلے سے زیادہ جلانے والے آثار اور اشعار تخلیق ہوئے، جو آج بھی ویسے ہی شرربار ہیں ایسے اشعار کا شمار فارسی زبان کی بہترین غنائی شاعری اور عشق و شیفتگی کے صفِ اوّل کے آثار میں ہوتا ہے۔

مولانا عبدالغفور لاری نے اپنے استاد کے حالاتِ زندگی میں ان کی نفسیات، کیفیات اور قلبی جذبات و واردات پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ایسی بحث جو اپنے موضوع میں بے مثال ہے اور بزرگوں کی سوانح حیات کا باب جس سے عموماً خالی ہوتا ہے۔ لاری نے اس ضمن میں بڑی شائستگی سے حقِ شاگردی ادا کیا ہے اور بڑے "لطیف" اور "عفیف" پیرائے میں مولانا کے احساسات کے تقاضے کے مطابق ان کے عشق، شوق اور وجد پر گفتگو کی ہے اور جابجا ان کے قطعات اور رباعیات سے اپنے مقالے کو مستند بنایا ہے۔ یہاں لاری کا مقالہ مکمل طور پر درج کرنا تو ممکن نہیں البتہ چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں، جن کی تازگی اور جدت اب بھی برقرار ہے:

> "حضرت جامی ابتدائے حال سے لے کر مرتبۂ کمال تک وجد و عشق سے کبھی بے بہرہ نہیں رہے۔ کششِ عشق اور جذبِ محبت ان پر غالب تھی۔ لیکن اسرارِ عشق چھپانا ان کی فطرت کا خاصا تھا۔ ابتدائے حال میں وہ مجازی محبت یعنی خوبصورت انسانی شکلوں میں گرفتار رہے اور یہ کیفیت ظاہر کرنے

سے احتراز کرتے ان کی عفت اور پاکیزگی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اس کا
تصور بھی محال ہے ؎

آنم کہ بملک عاشقی بی بدلم   در شہر وفا بپاکبازی مثلم
پاک آمدہ ز آلایش علم و عملم   بنہادہ نظر بقبلہ گاہ ازلم

اس قسم کے لوگوں کے ہاں مجازی محبت، روحانی فیض کے تصور سے کی جاتی
ہے نہ کہ نفسانی لذتوں کے خیال سے، انہیں محبت کا درد پانا مقصود ہوتا ہے
خوش گذرانی نہیں۔ جو لوگ نفس و ہوس کے اسیر ہو جاتے ہیں وہ تسکین قلب
کا سامان شہوانی تقاضے پورا کرکے فراہم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں نفسانی لذت
کا نام "روحانی فیض" ہے۔ اسے کسی طرح بھی عشق و عاشقی کا نام نہیں دیا جا
سکتا ؎

قومی کہ نیامدند در عشق تمام   خوانند ہوای نفس را عشق بنام
کی شاید شان در حرم عشق مقام   خود ہست پریشان سخن عشق حرام

اس عشق کی علامت جلنا اور پگھلنا ہے اور نفسانی لذتوں سے چشم پوشی محبوب
سے راحت کا تقاضا اور تسکین حاصل کرنا محض خواہش نفس ہے:

با عشق توام ہوا نماندست و ہوس   با آتش سوزندہ چسان ماند خس
خواہد ز تو مقصود دل خود ہمہ کس   جامی از تو ہمین تو را خواہد و بس[1]

لاری نے اس عظیم عارف کے عارفانہ حالات میں ایک دلچسپ حکایت بیان کی ہے
جو بڑی پُرمعنی ہے اور مولانا کے چھپے ہوئے خیالات کو عیاں کرکے ان کی نفسیاتی عادات اور

---

[1] تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۳-۴

آداب کا پتہ دیتی ہے :

"مولانا جب زندگی کے آخری دنوں میں قصۂ یوسف و زلیخا منظوم کرنے میں مشغول تھے تو فرمایا کرتے "ہمارا دل ایک ایسی خیالی صورت کی طرف شدت سے مائل ہے، جسے ہم اپنے وجود سے باہر تصور نہیں کرتے"۔ اور یہ کہتے ہوئے ان پر باطنی حرارت اور تپش کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ (اس دوران میں انہوں نے) جتنی دفعہ بھی سماع فرمایا تو (وجد و کیف میں دائرے میں) گھومتے اور یہ کیفیت بڑی شدت سے طاری ہوتی اور بڑی دیر تک قائم رہتی۔ حتیٰ کہ گانے بجانے والے عاجز آ جاتے۔ لیکن ان (جامی) کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ آتی۔ آخر کار جب درد حاصل ہو جاتا تو اپنی اصلی حالت پر لوٹ آتے، حالانکہ اس سے پہلے مولانا سماع کے معاملے میں ذرا تردد سے کام لیا کرتے تھے اور فرماتے "جب تک کوئی وارستہ حال نہ ہو اور اپنی موجودہ (طبعی) حالت سے باہر نہ نکلے وہ سماع کیسے کرسکتا ہے؟" میں (لاری) جب حضرت کی زبان سے یہ بات سنتا تو حیران ہوتا۔ آخر ایک دن فرمانے لگے کہ ہم پر ایک ایسی حالت اور کیفیت طاری ہو گئی ہے، جسے سماع کے بغیر دُور نہیں کیا جا سکتا تھا۔"[1]

مولانا جامی کی طبع میں موجود اسی جوش و جذبہ اور ذوق و شوق کا نتیجہ تھا کہ ان کی سب سے زیادہ پُرسوز مثنوی "یوسف و زلیخا" تخلیق ہوئی۔ بعید نہیں کہ یہ پُرجوش اشعار عین اُسی حالت میں لکھے گئے ہوں۔ مولانا، مثنوی مذکور کے شروع میں اپنی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

---

[1] تکملۂ حواشی نفحات الانس : ۷۔

"بحمداللہ کہ تا بودم در این دیر | براہ عاشقی بودم سبک سیر
چو دایہ مشک من بی نافہ دیدہ | بتیغ عاشقی نافم بریدہ
چو مادر بر لبم پستان نہادست | ز خونخواری عشقم شیر دادست
اگرچہ موی من اکنون چو شیرست | ہنوز آن شوق شیرم در ضمیرست
بہ پیری و جوانی نیست چون عشق | دمد بر من دمادم این فسون عشق
کہ جامی چون شدی در عاشقی پیر | سبک روحی کن و در عاشقی میر"[1]

خوش مزاجی اور ظرافت

مولانا جامی کی خصوصیات میں سے ایک اور خصوصیت ان کی خوش مزاجی، ظرافت طبع اور خندہ روئی ہے۔ ان سے بے شمار لطائف و ظرائف منقول ہیں۔ خود ان کی کتب میں بھی مزاح کے نمونے پائے جاتے ہیں جو کھانے میں نمک کی طرح مولانا کے عمیق اور پُر مغز افکار کو شیریں اور دلچسپ بنا دیتے ہیں۔

مولانا فخر علی کاشفی نے "لطائف الطوایف" میں مختلف طبقوں کی حکایات و لطائف جمع کی ہیں، اس کا ایک باب "لطایف عارف جام" کے لئے مختص ہے جس میں مولانا سے متعلق تیس نادر حکایتیں درج ہیں[2]۔ ہم وہاں سے چند حکایات نقل کر رہے ہیں جو نہ صرف مولانا کی خوش مزاجی کا مظہر ہیں بلکہ ان کے حالات زندگی، عقائد اور آداب زندگی پر بھی

---

[1] یوسف و زلیخا: ۵۹۴۔
[2] لطایف الطوایف: باب نہم فصل چہارم، ص ۲۳۱-۲۳۹، تہران ۱۳۳۶ ش۔
نیز دیکھئے مقالۂ گویا اعتمادی تحت عنوان "لطایف و ظرایف جامی" مندرج در "تجلیل ... نورالدین عبدالرحمن جامی" مطبوعہ افغانستان ۱۳۴۳ شمسی، ص ۸۳-۹۴۔

روشنی ڈالتی ہیں۔

۱۔ جب جامی اپنے سفر حجاز کے دوران میں بغداد پہنچے تو پیر جمال عراقی نے اپنے مریدوں سمیت ان کا استقبال کیا۔ عوام و خواص پیر جمال کے معتقد تھے اور ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ پیر اور ان کے تمام مریدوں کا لباس اونٹ کی کھال سے تیار ہوا تھا۔ جب پیر صاحب کی نظر جامی پر پڑی تو بول اٹھے "ہم نے جمالِ الٰہی دیکھا" جامی نے کہا "ہم نے بھی جمال الٰہی دیکھے۔" (یعنی خدا کے اونٹ دیکھے)۔

۲۔ میرزا سلطان ابو سعید کے زمانے میں مولانا شیخ حسین ایک خود مختار محتسب تھے جن کے بارے میں میرزا کہا کرتا کہ وہ میری سلطنت میں شریک ہیں۔ ایک دن مولانا شیخ حسین نے ایک مجوسی کو مسلمان کیا اور اپنی پگڑی اس کے سر پر رکھ دی اور شاہی خزانے سے اس کے لئے لباس منگوا کر اسے (گھوڑے پر) سوار کر کے ڈھول باجے کے ساتھ بازار میں گھمایا۔ جب جامی کے سامنے اس بات کا ذکر ہوا کہ شیخ حسین نے آج ایک مجوسی کو مسلمان بنایا ہے اور اپنی دستار اس کے سر پر رکھ دی ہے تو انہوں نے کہا: "مولانا ساٹھ سال سے اپنی پگڑی مجوسیوں کے سر پر ہی تو رکھتے چلے آ رہے ہیں۔"

۳۔ مرزا بابر کے زمانے میں سمرقند کے ایک فقیہ جن کا نام مولانا "مزید" تھا، ہرات آئے ہوئے تھے۔ ایک دن مرزا کی مجلس میں جامی اور مولانا مزید دونوں موجود تھے۔ بابر نے مولانا مزید سے پوچھا "یزید پر لعنت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟" انہوں نے جواب دیا "یہ جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اہلِ قبلہ سے تھا۔" یہی سوال بابر نے جامی سے بھی کیا اور کہا کہ مولانا مزید تو یہ کہتے ہیں آپ اس بارے میں کیا کہنا چاہیں گے۔ جامی بولے "سو لعنت یزید پر اور سَو اور مزید پر۔"

۴۔ ایک دن مشہور عالم حافظ غیاث الدین محدث[1] بیمار ہوگئے تو مولانا جامی ان کی عیادت کے لئے گئے۔ حافظ صاحب نے تصوف کے مسائل و معارف چھیڑ دیے۔ چونکہ ان کا علم تصوف پر باقاعدہ مطالعہ نہیں تھا اور اس کی اصطلاحات کے استعمال سے کما حقہٗ آگاہ نہیں تھے، اس لئے کچھ مسائل خلاف اصطلاح کہہ ڈالے۔ مولانا جامی سب کچھ چپ چاپ سنتے رہے۔ جب وہ جناب حافظ کے ہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو اس کے بعد جو علماء و فضلاء بھی حافظ صاحب کی عیادت کے لئے آتے، وہ انہیں بتاتے "مولانا عبدالرحمٰن جامی اینجا بود چندان از مسائل غامضہ صوفیہ گفتم و گوش گرفت" (یعنی مولانا عبدالرحمٰن جامی آج یہاں تھا۔ میں نے تصوف کے چند گہرے مسائل بیان کئے اور وہ سنتا رہا)۔ جب مولانا جامی کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو فرمایا "از آن سخنان کہ او گفتہ، گوش میبایست گرفت۔" (یعنی انہوں نے جو باتیں کی ہیں ان پر کانوں کو ہاتھ لگانا چاہیے) دونوں اصحاب نے "گوش گرفتن" کا الگ الگ مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

۵۔ میرزا الغ بیگ کے زمانے میں جامی کچھ عرصہ سمرقند میں بھی رہے تھے۔ ان دنوں وہاں کان گل سے ایک نوجوان آیا ہوا تھا، بانکا چھبیلا، شاعر اور بذلہ گو "خاکی" تخلص کرتا اور اسی نام سے مشہور تھا۔ ایک دن جامی خراسان کے چند شعراء اور ظرفاء کے معیت میں خاکی کے سامنے سے گذرے، وہ سمرقند کے چند طلبہ اور ظرفاء کو لئے بیٹھا تھا۔ خاکی نے آوازہ کسا "کجا میروند خرانِ خراسان؟" (خراسان کے گدھوں نے کدھر منہ اٹھایا ہے؟) جامی نے فی البدیہہ جواب دیا "خاکی نرم میطلبند کہ بر آن غلطند"۔ (نرم مٹی چاہتے ہیں جس پر

---

[1] حافظ غیاث (م ۸۹۷ھ/۱۴۹۲ء) سلطان حسین بایقرا کے زمانے میں ہرات میں مقیم رہ کر طلبہ کو مستفید کرتے رہے۔ حبیب السیر ۴ : ۳۳۷۔

ٹوٹ سکیں)۔

۶۔ ایک شاعر نے جامی کو بتایا کہ اس نے دیوان کمال، دیوان حافظ اور صد کلمۂ حضرت علی کا جواب لکھا ہے۔ جامی نے فرمایا "خدا کو کیا جواب دو گے؟"

۷۔ ایک مہمل گو شاعر، جامی سے کہنے لگا کہ جب میں خانۂ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو تیمن و تبرک کے طور پر اپنا دیوان حجرِ اسود سے رگڑا۔ جامی نے کہا "اچھا تھا اُسے آبِ زمزم سے رگڑا ہوتا۔"

۸۔ شہر کے ایک غبی شیخ زادہ نے جسے شعر و شاعری کا بھی دعویٰ تھا، جامی کی غزل

بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی ہر کہ پیدا میشود از دور پندارم توئی[1]

کی زمین میں ایک غزل لکھ ڈالی۔ جب وہ اپنی غزل مکمل کر چکا تو جامی کی غزل کے مذکورہ مطلع پر اعتراض اٹھایا کہ آپ نے اس مطلع میں فرمایا ہے کہ جو کوئی دُور سے دکھائی دیتا ہے میں سمجھتا ہوں وہ تم ہو وہ کوئی گدھا یا گائے بھی ہو سکتا ہے۔ مولانا جامی نے جواب دیا "پندارم توئی" (چلیے میں سمجھ لوں گا وہ تم ہو)۔

موٹی عقل والا وہ شیخ زادہ اتنا بھی نہیں جانتا تھا کہ جس طرح عربی میں لفظ "من" زیادہ ذی شعور کے لئے استعمال ہوتا ہے اور "ما" شعور سے عاری چیزوں کے لئے، فارسی میں بھی لفظ "کہ" "باشعور کے لئے مستعمل ہے اور "چہ" بے شعور چیزوں کے لئے۔ پس جو کوئی بھی دکھائی دیتا ہے وہ بنی آدم ہی سے ہے۔

۹۔ مولانا جامی کے ایک دوست مولانا ساغری[2] تھے جن کا جامی کے ہاں بڑا آنا جانا تھا مگر ان پر کنجوسی کا الزام تھا۔ رمضان کی پہلی کو وہ جامی کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے، چونکہ چاند نظر آنے

[1] دیوان جامی (پژمان): ۲۶۲۔

[2] فرہنگ سخنوران از عبدالرسول خیام پور: ۲۵۴ "ساغری ہروی"۔

میں شک پڑگیا تھا اس لئے قاضی نے اعلان کروا دیا کہ لوگ وقتِ زوال تک کچھ نہ کھائیں پئیں۔ مولانا ساغری نے صبح کوئی چیز کھالی تو جامی کے ایک مرید کہنے لگے "بھول چوک سے کھا لیا ہوگا۔" مولانا جامی نے جواب دیا "ہاں اگر اپنے حجرے میں کھایا ہے تو بھول ہی سے کھایا ہے۔"

۱۰۔ مولانا ساغری مذکور، شاعر بھی تھے، جامی نے ان کی "شان" میں یہ قطعہ لکھا:

ساغری میگفت دزدان معانی بردہ اند ہر کجا در شعرِ من معنی رنگین دیدہ اند
دیدم اکثر شعرہایش را یکی معنی نداشت راست میگفت آنکہ معنی ہایش را دزدیدہ اند

یہ قطعہ مشہور ہوکر مولانا ساغری تک بھی پہنچ گیا۔ وہ جامی کے پاس آئے اور گلہ کرنے لگے کہ میں آپ کے آستانے کا ایک دیرینہ خادم ہوں، آپ نے ایسا قطعہ لکھا ہے جو سارے شہر میں مشہور ہو چکا ہے، لوگ مجھے سنانے کے لئے وہ قطعہ پڑھتے ہیں اور ہنستے ہیں۔ میں تو اس قطعہ کے ہاتھوں رسوائے عالم ہو گیا۔ جامی نے فرمایا "بھئی ہم نے تو اس قطعے میں "شاعری می گفت" کہا ہے، اب یہ کاتبوں اور شہر کے منچلوں کی ستم ظریفی ہے کہ انہوں نے تحریف کرکے "ساغری می گفت" بنا دیا۔

۱۱۔ زوبی نامی ایک سادہ لوح شخص ناموزوں الفاظ کو آگے پیچھے کرا لیتا اور اسے نظم تصور کرکے لکھ لیتا اور جہاں بھی جاتا، پڑھتا۔ ایک دن وہ جامی کے پاس آیا اور ان سے (شعر گوئی کے لئے) سند طلب کی۔ ان کی بے حد خوشامد اور منت و سماجت کی۔ انہیں بڑوں کا واسطہ تک دیا کہ جیسے تیسے میرے لئے کچھ الفاظ لکھ دیے جائیں، جنہیں میں شعراء اور ظرفاء کے درمیان پڑھ کر فخر کر سکوں۔ جامی نے قلم، دوات اور کاغذ منگوایا اور زوبی کا دل رکھنے کے لئے سرِ مجلس یہ رقعہ لکھا:

"خدمت مولانا زوبی فقیران را بصحبت خود مشرف ساختند و بخواندن

اشعار دلپذیر خو نواخت، پایۂ شعرش از آن بلند تر است کہ در تنگنای وزن و قافیہ گنجد یا کسی تواند کہ آنرا بمیزان طبع سنجد، تجاوز اللّٰہ عنہ وعنی وعن جمیع من تکلم بمالایعنی۔"

(ترجمہ: مولانا زوبی نے ہم فقیروں کو اپنی صحبت سے مشرف کیا اور اپنے خوبصورت اشعار پڑھ کر ہمیں سنائے۔ ان کے شعر کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ وزن اور قافیے کے قالب میں سما نہیں سکتا اور نہ ہی انہیں کوئی میزان طبع پر تول سکتا ہے۔ خدا اُسے اور مجھے اور ان لوگوں کو بخشے جو انہونی اور لایعنی باتیں کرتے ہیں)۔

مولانا جامی کی خوش مزاجی کا اندازہ اس بات سے لگایے کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان سے لطائف منسوب کیے گئے۔ "تذکرہ کرمی"[1] میں اس قسم کی حکایات موجود ہیں۔ دو دلچسپ واقعات ملاحظہ ہوں:

۱۔ جامی پر نزع کا عالم طاری تھا۔ خراسان کے بادہ گسار اُن کے سرہانے اکٹھے ہو گئے اور ان کے بچھڑ جانے کے اندیشے سے آہ و فغاں کرنے لگے، جب جامی خالقِ حقیقی سے جا ملے تو وہ باز بار مندرجہ ذیل اشعار تصرف و تحریف کے ساتھ پڑھتے تھے:

از بزم طرب بادہ گساران ہمہ رفتند　　　ما با کہ نشینیم چو یاران ہمہ رفتند

نی کوہکن بی سرو پا ماند و نہ مجنون　　　از کوی جنون سلسلہ داران ہمہ رفتند

۲۔ نزع کے وقت ہی جامی کے سرہانے بھدی آواز والے چند حفاظ نے سورۂ یٰس پڑھنا شروع کی، اُدھر جامی کو ان کی آواز سے بڑی کوفت ہو رہی تھی۔ چند آیات جیسے تیسے سن لیں، آخر اُن سے رہا نہ گیا اور آنکھیں کھول کر اُن سے کہا "ہائے اب بس بھی کرو کہ

---

[1] تذکرہ کرمی، جامی کی وفات سے تقریباً ایک سو سال بعد سلطان سلیم خان عثمانی کے عہد میں ۹۸۰ھ میں لکھا گیا۔ بحوالہ جامی: ۱۰۸۔

میں مر چکا۔"

جامی کی تصانیف میں بھی ان کے مزاج کی شگفتگی برابر موجود ہیں۔ مثنوی "سلسلۃ الذہب" ان کی خالص علمی اور عرفانی مثنوی ہے مگر اس میں بھی کئی پُرمزاح حکایات درج ہیں۔ مثلاً وہ مشہور حکایت کہ میں تو کنبل چھوڑتا ہوں مگر کنبل مجھے نہیں چھوڑتا۔[1]

مثنوی سبحۃ الابرار عقد ۳۲ میں وہ ماتھے پر بل نہ ڈالنے اور ہمیشہ ہنس مکھ اور شیریں زبان رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔[2]

طبع شعر

مولانا جامی کے روحانی کمالات میں سے بالتحقیق ایک کمال ان کا ملکۂ شاعری ہے جس میں اُن کی استادی اور مہارت ایران، ترکستان اور ہند (و پاکستان) کے تمام فارسی زبانوں کے ہاں تسلیم شدہ ہے، انہیں "خاتم الشعراء" کا لقب بے جا نہیں دیا گیا کیونکہ خراسان، فارس اور عراق میں قدیم اساتذہ کے اسلوب پر شعر و شاعری کی جو بساط بچھی تھی وہ ان کی موت پر الٹ گئی۔ کم از کم ان کی وفات کے بعد سے جو نویں صدی ہجری کی عین شام کو واقع ہوئی، تیرہویں صدی ہجری تک فارسی ادب کے افق پر اس آب و تاب کا کوئی دوسرا ستارہ روشن نہ ہوا۔

اگرچہ یہ پودا اپنی عمر کے آخری حصے میں پھلا پھولا کیونکہ جوانی اور ادھیڑ عمر کی چند غزلوں کے علاوہ جو ان کے پہلے اور دوسرے دیوان میں درج ہیں، ان کی کوئی اہم تصنیف موجود نہیں ہے ان کی سات مثنویوں کا مجموعہ "ہفت اورنگ" اور قصائد و غزلیات

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱: ۱۶۸-۱۷۰، جامی: ۱۰۹-۱۱۰ میں بھی یہ حکایت درج ہے۔

[2] سبحۃ الابرار: ۵۴۸، جامی: ۱۱۰-۱۱۱ میں اس سلسلے کے اشعار اور ایک منظوم حکایت درج ہے۔

تقریباً سلطان حسین بایقرا (۸۷۳ - ۹۱۱ ھ) کے زمانے کی تخلیق ہیں۔
لیکن اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ یہ عظیم شاعر بھی دوسرے شاعروں کی طرح خداداد صلاحیتوں کے ساتھ پیدا ہوا اور ساری زندگی اس کی پُرسوز اور پُرجوش طبع اُسے نثری اور شعری ادب تخلیق کرنے میں راہنمائی کرتی رہی۔ بالخصوص جب جامی سیر و سلوک کی وادی سے گذر رہے تھے تو مسلسل اپنے نہاں جذبات و کیفیات کا اظہار شعروں میں کرتے رہے۔ بقول مولانا لاری :

"عوام پر دہ شاعری کے حوالے سے اپنی کیفیات کا راز کھلنے نہ دیتے، البتہ اگر خواص سے مڈبھیڑ ہو جاتی تو کبھی شعر کی پناہ لے کر شاعر بن جاتے اور کبھی علم کی اوٹ میں طالب علمی کا لباس پہن لیتے۔ یعنی اس امر کے لئے انہیں جو تدبیر بھی نظر آتی اسے کر گزرتے"[1]

جامی نے اپنے آثار میں جگہ جگہ شعر اور شاعر کے بلند مقام اور عظیم مرتبے کا ذکر کیا ہے۔ اپنے "دیوان قصائد و غزلیات" کے مقدمے میں انہوں نے آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبویؐ کی مدد سے بڑے سلیقے سے شاعری کی فضیلت بیان کی ہے۔ بات اپنے حالات اور شاعری سے وابستگی تک لے جاتے ہوئے کہتے ہیں :

"چنین گوید فقیر۔ شکستہ از ظلمت ہستی نرستہ عبدالرحمٰن جامی خلصہ اللّٰہ تعالیٰ منہ کہ چون خاطر حکیم تعالیٰ شانہٗ در مبداء فطرت استعداد شعر در جبلت من نہادہ بود و خاطر مرا فی الجملہ تعلقی بدان دادہ ہرگز نتوانستم کہ آن حرف رابتمامی از صفحۂ احوال خود تراشم لاجرم از عنفوان جوانی کہ عنوان صحیفۂ زندگی است

---

[1] تکملۂ حواشی نفحات الانس : ۲۰

تا امروز کہ سنین عمر از ستین گذشته و مشرف بر حدود سبعین گشته هرگز ازآن بکلی خالی نبوده ام و از کلفت اندیشهٔ آن بیکبارگی نیاسوده ام، چه در آن زمان که در زمین دل تخم آمال و امانی کاشتمی و دیده در مشاہدۂ نورسیدگان بهارستان جمال و جوانی داشتمی، و چه در آن حال که میان بملازمت اہل فضل و کمال بسته بودم و در مدارس افاده و مجالس استفاده در صف فعال نشسته، و چه در آن ہنگام که در مسافرت بلدان و مهاجرت اوطان گام میزدم و از مفارقت اخوان و مباعدت خلان تلخ کام می بودم، و چه در آن وقت که در خدمت درویشان دلق ترک و تجرید پوشیده بودم باشارت ایشان در تصفیه سر و جمع خاطر میکوشیدم، و چه امروز که اکثر اوقات بر خود در خروج و دخول بسته ام و در زاویهٔ خمول بوقت خود مشغول نشسته، القصه در ہر وقت سخنی که مناسب آنوقت روی میداد، سواد می کردم و در ہر حال نکته، که موجب مقتضای آن حال در خاطر می افتاد، ببیاض می آوردم تا بتفاریق مجموعه جمع آمد، جمیع معانی را جامع و لوامع سر جامعیت از مطاوی آن لامع، الا آنکه دروی از استیلاء طمع خام و حرص بر اخذ حطام بمدح و قدح لئام زبان نیالوده ام و قلم نفرسوده و الحمد الله علی ذٰلک و در این معنی گفته شده است:

نه دیوان شعر است این بلکه جامی کشیده است خوانی برسم کریمان
زالوان نعمت دراو ہر چه خواہی بیابی مگر مدح و ذم لئیمان"[1]

---

[1] مقدمۂ دیوان جامی (گنج بخش): ۸-۹

جامی نے اپنی وفات سے چھ سال قبل ایک قصیدہ موسوم بہ "رشح بال بشرح حال" لکھا جس میں وہ اپنی شعر گوئی اور شاعری میں حاصل ہونے والی شہرت اور حیثیت کا یوں ذکر کرتے ہیں ؛

زطور طور گذشتم ولی نشد هرگز | زفکر شعر نشد حاصلم فراغت بال
هزار بار ازین شغل توبه کردم لیک | از آن نبود گزیرم چو سایه از اشغال
چنان بشعر شدم شهره در بسیط جهان | که شد محیط فلک زین ترانه مالامال
عروس دهر پی زیب گوش و گردن خویش | ز سلک گوهر نظمم گرفت عقد لآل
سرود عیش ز گفتار من کند مطرب | ره سماع ز اشعار من زند قوال
اگر بفارس رود کاروان اشعارم | روان سعدی و حافظ کنندش استقبال
وگر بهند رسد خسرو و حسن گوید | که ای غریب جهان مرحبا تعال تعال
زبسکه سوی هر اقلیم گفتگویم رفت | شدند سخرهٔ اقوال من همه اقیال
گهی ز روم نوید سلام من قیصر | گهی ز هند فرستد پیام من چیپال
رسد ز والی ملک عراق و تبریزم | عواطف متواتر منائح متوال
چه دم زنم ز خراسان و اهل احسانش | که هستم از کفشان غرق بحر وبر نوال[1]

جامی اپنی کتاب "بہارستان" میں شعراء کے حالات کے لئے مختص روضۂ ہفتم کے مقدمہ میں خواص و عوام کے نظریات کے مطابق شعر کی جامع تشریح کر چکنے کے بعد اپنی مثنوی "سبحۃ الابرار" سے ایک قطعہ پیش کرتے ہیں، جس میں نہ صرف شعر و شاعری کی فضیلت بیان ہوئی ہے بلکہ اس سے خود مولانا کا اس لطیف فن اور ہنر پر فخر بھی

---

[1] دیوان جامی (گنج بخش)، ص ۹۶۰۔

مترشح ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

" وللہ درالشعر ما اعظم شانہ وما ارفع مکانہ ولیت شعری ایۃ فضیلۃ اجلّ من الشعر وای سحر اجزل من ھذا السحر ؏

پیچ شاہد چو سخن موزون نیست	ستر خوبی زخطش بیرون نیست
صبر از وصب و تسلی مشکل	خاصہ وقتی کہ پی بردن دل
کشد از وزن ببر خلعت ناز	کند از قافیہ دامانش طراز
پا بخلخال ردیف آراید	برجبین خال خیال افزاید
رخ ز تشبیہ دھد جلوہ چو ماہ	ببرد عقل صد افتادہ زراہ
مو بہ تجنیس ز ہم بشکافد	خالی از فرق دو گیسو بافد
لب ز ترجیع گہر ریز کند	جعد مشکین گہر آویز کند
چشم ز ایہام کند چشمک زن	فتنہ در انجمن وھم افگن
بر سر چہرہ زند زلف مجاز	شود از پردہ حقیقت پرداز[1]

وا اینکہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کلام معجز نظام قرآن را بما ہو نفی وما ہو بقول شاعر از آلائش تہمت شعر مطہر ساخت وعلم بلاغت موردش را از حقیقت تدنس بل ہو شاعر باوج تقدس وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ افراخت نہ اثبات این معنی راست کہ شعر فی حد ذاتہ امری مذموم است وشاعر بسبب ایراد کلام منظوم معاتب وملوم بلکہ بنا بر آنست کہ قاصران نظم آنرا (قرآن را) مستند بسلیقۂ شعر ندارند ومعاندان متصدی تحدی بآنرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم از زمرۂ شعراء نشمارند واین واضح ترین دلیلی ست بر رفعت مقام شعر وشعراء وعلو منزلت

[1] سبحۃ الابرار : ۴۶۵-۴۶۶ (عقد سیم)۔

سحر آفرینان شعر آرا:

مایۂ شعر بین کہ چون زینی نفی نعمت پیمبری کردند

بہر تقبیح نسبت قرآن تہمت او بشاعری کردند[1]

شعر و شاعری کے زوال پر جامی کے تأثرات

تیموری بادشاہوں اور شہزادوں کی شعر پروری کے سبب نویں صدی ہجری میں شاعروں کی ایک ایسی "کھیپ" تیار ہوئی جنہیں شاعری اور سخنوری کے ذریعے صرف روزی اور پیسہ کمانا مقصود تھا۔ اس طرح شعر و سخن کا ارفع مقام رو بہ زوال ہوا۔ اس قماش کے بے مایہ یا مادہ پرست قصیدہ گو شعراء کی بہتات سے ادب کی تاریخ کا ایک انحطاطی دَور شروع ہوا جو بعد کی صدیوں میں اپنے "عروج" پر پہنچ گیا۔ یہ ساری صورتِ حال جامی کے سامنے تھی اور وہ اس بات سے بےحد متاثر ہوئے کہ ایک مادہ پرست طبقہ شاعری کے فن کو سبوتاژ کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامی اپنی کتب میں ایسے شعراء سے شاکی نظر آتے ہیں جو شاعر کے اعلیٰ اور ارفع مقام کو پست کرنے اور اس کی قدر و منزلت گھٹانے کا باعث بنے۔ مثنوی "سلسلۃ الذہب" کے پہلے دفتر میں ظہیر فاریابی کے ایک شعر

شعر در نفس خویشتن بد نیست نالہ من ز خست شرکا است

پر تضمین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شعر در نفس خویشتن بد نیست پیش اہل دل این سخن رد نیست

---

[1] بہارستان: ۸۰۔۸۱، نسخۂ اصل چاپ وین، چاپ افست تہران ۱۳۴۰ شمسی۔

نالهٔ من ز خست شرکاست | تن چو نالم ز شر ایشان کاست
پیش ازین فاضلان شعر شعار | کسب کردی فضائل بسیار
بودی آراسته بفضل و هنر | بودی آزاده از فضول سیر
حکمت و اصل فرع ورزیده | بتر از دی شرع سنجیده
مستمر بر مکارم اخلاق | مشتهر در مجامع آفاق
طیب انفاس شان مروّح روح | جنبش کلکشان کلید فتوح
همه را دل ز همت عالی | از قناعت پر از طمع خالی
وه کز ایشان بجز فسانه نماند | جز سخن هیچ در میانه نماند
کیست شاعر کنون یکی مدبر | که نداند ز جهل هر از بر
نکند فرق شعر را ز شعیر | راحت خلد را ز رنج سعیر
همت او خسیس و طبع لئیم | همه آفاق را حریف و ندیم
روز و شب کوبکو و جای بجای | میرود چون سگان سوخته پای
تا کجا بود برد که یک دو سه کس | گشته جمع از سر هوا و هوس
کرده ترتیب عیش را اسباب | از شراب و کباب و چنگ و رباب
افکند خویش را بمکر و دروغ | پیش آن جمع چون مگس در دوغ
کاسهٔ چند زهر مار کند | با همه جنگ و کارزار کند
ژاژ خاید ظرافت انگارد | هرزه گوید لطیفه پندارد
بس که آید از آن گروه درشت | سیلیش بر قفا و بر رو مشت
بدر آید از آن میانه که بود | پس سر سرخ و چشم خانه کبود
با چنان چشم خانه و پس سر | روی از آنجا نهد بجای دگر

نہادہ است ہیچ کس خوانی | در ہمہ شہر بہر مہمانی
کہ نرفتست تا سر خوانش | ننشستہ طفیل مہمانش
نگرفتہ است کس پی گشتی | کنج باغی و جانب دشتی
کہ نجستہ سراغ او در پی | طی نکردہ بساط عشرت وی
گشتہ زینگونہ خسبت و ابرام | شعر مذموم و شاعران بدنام
ہر کہ مخذول و خاسرش خوانند | خوشتر آید کہ شاعرش دانند
لفظ شاعر اگرچہ مختصر است | جامع صد ہزار شور و شر است
نیست یک خلق و سیرت مذموم | کہ نگردد از این لقب معلوم[1]

جامی "تحفۃ الاحرار" میں دوبارہ ایسی شعر و شاعری کی مذمت اور چاپلوس قصیدہ گو شعراء کو سرزنش کرتے ہوئے اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کو نصیحت فرماتے ہیں کہ وہ اس فن کے قریب بھی نہ پھٹکے:

حیف کہ این قوم گہر ناشناس | مہرہ کش سلک امید و ہراس
ہرچہ بر آن نام گہر بستہ اند | مہرۂ صفت بر دم خر بستہ اند
چند ز تار طمع و پود لاف | بر قد ہر سفلہ شوی حلہ باف
چند نہی نام لئیمان کریم | چند کنی وصف سفیہان حکیم
آنکہ بصد نیش یکی قطرہ خون | ناید از امساک ز دستش برون
نام کفش قلزم احسان کنی | وصف ز بحر گہر افشان کنی
وانکہ بہ تعلیم گہ ماہ و سال | شکل الف را نشناسد ز دال

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱: ۶۴-۶۵ ملخصاً۔

عارف آغاز ازل خوانیش　　واقف انجام ابد دانیش
وانکہ چو از گربہ بر آید خروش　　رو نہد از بیم بہ سوراخ موش
شیر ژیان ببر بیان گوئیش　　بلکہ دلاور تر از آن گوئیش
از تعب طبع کج اندیش خویش　　چون شوی آسودہ نہی پیش خویش
کہنہ دواتی چو دلت تار و تنگ　　کاغذی چون تیرہ رخت سادہ رنگ
خار چو نظم سخنت سخت و سست　　املی باراست و خط نادرست
در سر دستار زنی صبح گاہ　　قطرہ زنان تا در اصحاب جاہ
خواجہ بروئی کہ ببیناد کس　　منتظر او منشیناد کس
چون بدر آید پس صد انتظار　　بر زبر مہتری از خود سوار
پیش روی بوسہ بپایش دہی　　عذر بہ کنان داد ثنایش دہی
رقعہ شعر آوری از سر برون　　صد رقم از حرص و طمع در درون
آریش آن رقعہ کہ صد پارہ باد　　نامۂ عصیان قیامت باد[1]

جامی نے یہ مضمون ایک دلچسپ حکایت پر ختم کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "لاغری" تخلص والا ایک شاعر خواجہ فربہ (موٹے صاحب) کی مدح سرائی کرتا ہے۔ خواجہ اس کی ہٹ دھرمی سے تنگ آکر اونچائی پر واقع اپنے محل کی طرف دوڑنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن شاعر اُسے چھوڑنے والا کہاں، وہ بھی اس کے پیچھے بھاگتا ہے خواجہ کا سانس پھول جاتا ہے تو شاعر اسے کہتا ہے "اے خواجہ! این فربہی است کہ ترا آزار میدہد" (خواجہ صاحب یہ موٹاپا ہے جو تمہیں تنگ کرتا ہے) خواجہ جواب دیتا ہے "نہ بخدا از دست لاغری است

---

[1] تحفۃ الاحرار، ۴۳۷-۴۳۸۔ با اختلاف و تلخیص۔

کہ چنین در شکنجہ و عذاب افتادہ ام۔" (خدا کی قسم نہیں "لاغری" کے ہاتھوں میں اس مصیبت میں آپھنسا ہوں)[1]

اس قبیل کے خسیس اور فرومایہ شعرار کی حرکتوں سے جامی اس قدر دل برداشتہ ہو جاتے کہ وہ شعر و شاعری سے نفرت کا اظہار کرنے لگتے۔ چنانچہ مثنوی سلسلۃ الذہب کے دفتر اوّل میں وہ اسی قسم کے احساسات بیان کرتے ہیں:

جامی این وعظ و تلخگوئی چند	خردہ گیری و عیب جوئی چند
موی در سر سفیدی افگندت	سر موی نمی شود پندت
می کنی از بیاض شعر اعراض	روز و شب شعر میبری بہ بیاض
گاہ میخواہی از مداد امداد	می کنی شعر را چو شعر سواد
چو زمانہ سواد شعر ربود	خود بگو از سواد شعر چہ سود
شعر لہو است بگسل از وی خو	لیت شعری الی متیٰ تلہو
چون زنی در ردیف و قافیہ چنگ	کار بر خود کنی چو قافیہ تنگ
ہست نظمی لطیف عمر شریف	کش مرض قافیہ است و مرگ ردیف
دل گرو کردۂ بنظم سخن	فکر کار ردیف و قافیہ کن
شعر بادی است کش کنند ابداع	از مفاعیل و فاعلات و وزاع
می کنی ز ابلہی و خود رائی	صبح تا شام باد پیمائی
کاملان چون در سخن سفتند	اعذب الشعر اکذبہ گفتند
آنچہ باشد جمال او ز دروغ	پیش اہل البصیرتش چہ فروغ؟[2]

---

[1] تحفۃ الاحرار: ۴۳۹

[2] سلسلۃ الذہب ۱: ۶۲-۶۴۔ ملخصاً۔

جامی اسی نظم کے خاتمے پر لکھتے ہیں:

"شاعری گرچہ دلپذیرم نیست | طرفہ حالی کز آن گزیرم نیست
نکتۂ "الشعیر قد یوکل" | دانم اندر عرب شدہ است مثل
مضرب آن مثل منم امروز | بہر خویش این مثل زنم امروز
می کنم عیب شعر و میگویم | میزنم طعن مشک و می بویم
طعنہ بر شعر ہم بشعر زنم | قیمت و قدر آن بہ آن شکنم
چہ کنم در سرشت من اینست | وز ازل سرنوشت من اینست
بہر این آفریدہ اند مرا | جانب این کشیدہ اند مرا
ہر چہ حق خواست طوق گردن من | کی توانم کشیدن از گردن؟"[1]

جامی اور اساتذۂ سخن

جامی کی نگارشات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا زورِ طبع اور کمالِ شاعری بڑی حد تک استادانِ شعر و ادب کے دواوین اور آثار کے مطالعہ کے مرہون تھا۔ تذکرہ "نفحات الانس" میں انہوں نے اکثر اساتذۂ سخن کو بزرگ صوفیہ کے زمرے میں شمار کیا ہے اور ان کے اشعار کو بطور حوالہ پیش کیا ہے۔ جامی نے بہارستان کا روضۂ ہفتم بھی نامور شعراء کے ذکر کے لئے مخصوص رکھا ہے اور اپنے اشعار کے ضمن میں ان اساتذہ کا نام بڑے ادب و احترام سے لیا ہے جن سے انہوں نے کسی فن میں راہنمائی حاصل کی تھی۔ ایک جگہ وہ اپنی غزل کے اسلوب کو کمال خجندی[2] سے نسبت دیتے ہیں

[1] سلسلۃ الذہب ۱: ۶۶۔

[2] کمال الدین مسعود خجندی (م ۸۰۳ھ) کے حالات کے ماخذ کے لئے دیکھئے: فرہنگ سخنوران: ۴۸۸-۴۸۹۔

اور اپنی ایک غزل کے آخر میں، جس کا مطلع یہ ہے:

چشم تو صاد است و سر زلف دال — با تو از آن هر دو مرا صد خیال

کہتے ہیں:

جامی از آن لب سخن آغاز کرد — شده لقبش طوطی شیرین مقال

یافت کمالی سخنش تا گرفت — چاشنی از سخنان کمال[۱]

حکیم خاقانی[۲] کی تقلید میں لکھے جانے والے ایک قصیدہ میں وہ اپنی نظم کی تعریف کرتے ہوئے استاد مذکور کا نام بڑے احترام سے لیتے ہیں:

بود از خوان حکمت نامه شعر من آن لقمه — که پیچیده است بهر قوت جانها دست لقمانش

خوش آید در سخن صنعت ز شاعر لیک چندان — که آرد در کمال معنی مقصود نقصانش

خیال خاص باشد خال روی شاهد معنی — چو خال اندک فتد بر رخ دهد حسن فراوانش

سخن آن بود کز اول نهاد استاد خاقانی — بمهمانخانه گیتی پی دانشوران خوانش[۳]

ایک دوسری جگہ پر جامی مثنوی سرائی میں خود کو حکیم نظامی[۴] اور امیر خسرو دہلوی[۵] کا مقلد سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کئی مثنویوں میں ان دونوں عظیم شعراء کا نام بیحد تعظیم سے لیا ہے۔ اپنے سبعہ کی ساتویں مثنوی خردنامہ اسکندری کے شروع میں انہوں نے بڑی فصاحت و بلاغت سے اپنی شاعری کے مختلف ادوار اور اتار چڑھاؤ کا

۱۔ دیوان جامی (پژمان): ۱۵۶۔

۲۔ افضل الدین ابوبدیل خاقانی شروانی۔ چھٹی صدی ہجری کا شاعر تھا۔ فرہنگ سخنوران: ۸۲-۱۸۱۔

۳۔ دیوان جامی (گنج بخش): ۲۵۔

۴۔ نظامی گنجوی، چھٹی صدی ہجری کے فارسی شاعر تھے۔ حالات کے ماخذ کیلئے ملاحظہ ہو: فرہنگ سخنوران: ۶۱۰۔

۵۔ امیر خسرو دہلوی (م ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء) برصغیر کے نامور فارسی شاعر ہیں۔ حالات زندگی پر ماخذ کے لئے ملاحظہ ہو: فرہنگ سخنوران: ۱۹۰۔

ذکر کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ کس طرح پہلے غزل سرائی، پھر قصیدہ سازی اور رباعی گوئی کرتے رہے اور آخر کار ــ مثنویوں کی طرف توجہ دی۔ اس مقدمہ میں وہ اپنی مثنویات کے نام گنواتے ہوئے نظامی اور خسرو کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

زدم عمری از بی مثالان مثل ‌ ‌ ‌ ‌ سرودم بوصف غزالان غزل
دم از سادہ رویان رعنا زدم ‌ ‌ ‌ ‌ غزل را زمہ خیمہ بالا زدم
نمودم رہ راست عشاق را ‌ ‌ ‌ ‌ زآوازہ پُر کردم آفاق را
بقصد قصائد شدم تیز گام ‌ ‌ ‌ ‌ برآمد بہ نظم معمام نام
ز بیچارگی ہا درین چار سوی ‌ ‌ ‌ ‌ بنظم رباعی شدم چارہ جوی
کنون کردہ ام پشت ہمت قوی ‌ ‌ ‌ ‌ دہم مثنوی را لباس نوی
کہن مثنوی ھای پیران کار ‌ ‌ ‌ ‌ کہ ماندست ازآن رفتگان یادگار
اگرچہ روان بخش و جان پرور است ‌ ‌ ‌ ‌ در اشعار نو لذت دیگر است
نظامی کہ استاد این فن وی است ‌ ‌ ‌ ‌ درین بزمگہ شمع روشن وی است
زویرانہ گنجہ شد گنج سنج ‌ ‌ ‌ ‌ رسانیدہ گنج سخن را بہ پنج
چو خسرو بآن پنج ہم پنجہ شد ‌ ‌ ‌ ‌ وزآن بازوی فکرتش رنجہ شد
کفش بود از آنکو نہ گوھرتہی ‌ ‌ ‌ ‌ وہش ساخت لیک از زرہ دہی
زر از سیم ہرچند بہتر بود ‌ ‌ ‌ ‌ بسی کمتر از دُرّ و گوھر بود
من مفلس عور دور از ہنر ‌ ‌ ‌ ‌ نہ درحقہ گوہر نہ در صرہ زر
درین کارگاہ فنون و فسوس ‌ ‌ ‌ ‌ زمس ساختم پنج گنج فلوس
من و شرمساری زدہ گنجشان ‌ ‌ ‌ ‌ کہ این پنج من نیست دہ پیچشان
دلی داشتہ چون زدر پایم قوی ‌ ‌ ‌ ‌ زدم گام ہمت بجا یک روی

گشادم بمفتاح عزم درست — در گنج گفتار را وز نخست

زلب تحفه آوردم احرار را — بکف سبحه بسپردم ابرار را

وزان پس چو کلک تصرف زدم — رقم بر زلیخا و یوسف زدم

چو طفلان زنی چون فرس ساختم — بلیلی و مجنون فرس تاختم

چو زین چار شد طبع من کامیاب — کنون آوردم رو به پنجم کتاب

بیک رشته خواهیم چو گوهر کشید — خردنامه ها کز سکندر رسید

خردنامه زان اختیار منست — که افسانه خوانی نه کار منست

ز اسرار حکمت سخن رانده است — نه از قصه های کهن خوانده است

ز بهرام گورش نراندم سخن — نکشتم بباغ خود آن سرو بن

چو معمورهٔ عمر شد خاک تود — ز معماری هفت پیکر چه سود

در آن بحر یک مثنوی داشتم — که تخم حقایق در آن کاشتم

همه نکته های حکیمان دین — حکایات ارباب کشف و یقین

چو آن گوهرم بود از آن بحر ژرف — مکرر نراندم در آن بحر حرف

سخن گرچه باشد چو آب زلال — ز تکرار خیزد غبار ملال

چو افتاد بی او بکارم خلل — تلافیش کردم به نعم البدل

شدم در دگر بحر گوهر فشان — وز آن کردم ابرار را سبحه خوان

دریغا که بگذشت عمر شریف — بجمع قوافی و فکر ردیف

کند قافیه تنگ بر من نفس — از آن چون ردیفم فتد کار پس

حضور دل از دست دادم بنقد — که بکر سخن را در آرم بعقد

رمید این زمن وان نگردید رام — گرفت این هوا وان نیامد بدام[1]

---

[1] خردنامهٔ اسکندری: ۹۲۷-۹۲۹. با اختلاف.

مزید کئی جگہوں پر بھی جامی نے اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے اور ان سے منسوب حکایات کو نظم کے قالب میں ڈھالا ہے۔ مثنوی "سلسلۃ الذہب" دفتر سوم میں وہ اچھے شعر کو "آسائش جان" اور بُرے شعر کو "ضعف قلب" (کا سبب) قرار دیتے ہوئے بعض شعراء کا ذکر کرتے ہیں کہ اُن کے قصائد کی بدولت کس طرح سلاطین اور ممدوحین کا نام صفحۂ ہستی پر ثبت ہو گیا۔ وہ عنصری[۱] کا نام لیتے ہیں جب اس نے ایاز کی زلف تراشی پر فی البدیہہ رباعی کہی تو محمود سے کیا انعام و اکرام پایا۔[۲]

جامی کی مثنوی "سلامان و ابسال" مولوی[۳] کی مثنوی معنوی کے وزن پر ہے۔ اس کی تصنیف کے وقت یقیناً مثنوی معنوی اور صاحب مثنوی، جامی کے پیش نظر تھے۔ سلامان و ابسال کے مقدمہ میں وہ مثنوی مولوی کے دو اشعار پر تضمین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

نسبتی دارد بحال من قوی	این دو بیت از مثنوی مولوی
کیف یاتی النظم لی و القافیہ	بعد ما ضاعت اصول العافیہ
قافیہ اندیشم و دلدار من	گویدم مندیش جز دیدار من[۴]

اسی مثنوی میں وہ مولانائے روم کے مرتبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں تضمین لگاتے ہیں:

وصف خاصان بہ زعام اندر نہفت	باد صافی وقت آن عارف کہ گفت

---

۱ عنصری بلخی (م ۴۳۱ھ/۱۰۴۰-۱۰۳۹ء)۔ فرہنگ سخنوران: ۹-۴۱۰۔

۲ یہ تمام منظومات سلسلۃ الذہب ۲: ۳۰۰-۳۰۵ میں موجود ہیں۔

۳ مولانا جلال الدین محمد مولوی بلخی (م ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) فرہنگ سخنوران: ۱۲۱-۱۲۲ "جلال بلخی"۔

۴ سلامان و ابسال، ۳۱۹۔

"خوشتر آن باشد کہ وصف دلبران   گفتہ آید در حدیث دیگران"[1]

سلامان و ابسال ہی میں قطران تبریزی[2] کے متعلق ایک حکایت ہے جو اپنے ممدوح فضلون کی عطا سے شرمسار ہو کر بھاگ نکلا تھا۔ اس بند کا مطلع ہے :

بود قطران نکتہ دانی سحر ساز   قطرای از کلک او دریای راز[3]

شیخ سعدی شیرازی نے ایک شب اپنا یہ مشہور شعر کہا تھا :

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار   ہر ورقش دفتریست معرفت کردگار[4]

اس شعر کی تخلیق کی داستان بھی مثنوی "سبحۃ الابرار" عقد سوم میں موجود ہے[5]۔ جامی اس مثنوی کے اختتام پر عقد سی و نہم میں خود نصیحتی کرتے ہوئے شعر و شاعری کے حوالے سے خود کو ملامت کرتے ہیں اور اپنے مقام ہمت کو ان مراتب سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ مثال پیش کرتے ہوئے وہ متقدم اساتذہ اور ان کے آثار کے نام لیتے ہیں۔ مثلاً فردوسی، نظامی، خاقانی، انوری، ظہیر فاریابی، کمال اصفہانی، سعدی، حافظ، کمال خجندی، حسن سجزی دہلوی، امیر خسرو دہلوی، وہ اس مضمون کو حکیم سنائی کی ایک منظوم حکایت کے اس شعر کی تشریح تک لے جاتے ہیں :

بازگشتم از سخن زیرا کہ نیست   در سخن معنی و در معنی سخن[6]

---

[1] سلامان و ابسال : ۲۳۸ ۔

[2] قطران تبریزی (م ۴۶۵ھ / ۷۳-۱۰۷۲ء) فارسی شاعر تھا۔ فرہنگ سخنوران : ۴۷۳ ۔

[3] سلامان و ابسال : ۲۳۸ ۔

[4] یہ شعر "گلستان" میں ہے ۔

[5] سبحۃ الابرار : ۴۶۷-۴۶۸ ۔

[6] ایضاً : ۵۶۷-۵۶۹ ۔

ہم یہ باب وہ قطعہ نقل کر کے بند کر رہے ہیں جس میں سخن شناس جامی نے مشہور شاعر معزی اور سلطان سنجر بن ملک شاہ کا مکالمہ درج کیا ہے۔ شاعر کے ارفع مقام، اس کی معنوی قدر و منزلت اور کلام کی بقائے جاودانی کو اس سے بہتر انداز میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ قطعہ یہ ہے:

شنیدہ ای کہ معزی چہ گفت با سنجر — چو ذکر جودت اشعار و منت صلہ رفت
عطیۂ تو کہ وافی بجوع آز نبود — ز حبس معدہ چو آزاد شد بمزبلہ رفت
مدیح من پی نشر فضائلی کہ تراست — بشرق و غرب رفیق ہزار قافلہ رفت[1]

عرب آداب پر احاطہ اور فن ترجمہ میں مہارت

مولانا جامی کا عربی زبان و ادب میں تبحر ان کے عربی اشعار اور تالیفات سے واضح ہے۔

مولانا کو (عربی) علوم تفسیر، لغت، تاریخ، حدیث اور شعر میں جو ید طولیٰ حاصل تھا اس سے انہوں نے اپنے فارسی آثار میں مستعمل ترکیبات و جملات اور مطالب و معانی کو خوبصورت بنانے میں بڑا کام لیا ہے۔ عربی ادب کی حیثیت ان کے ہاں ایک بھرپور خزانے کی سی تھی، جس میں سے وہ آبدار اور رنگ برنگ موتی اٹھا کر اپنی دانشوری کی بساط پر چن دیتے۔ مولانا نے اس سے ایک قدم آگے بھی اٹھایا اور وہ یہ کہ انہوں نے مذکورہ بالا علوم میں مستقل کتابیں تصنیف کیں جو آج بھی یادگار ہیں۔

کافیۂ ابن حاجب کی شرح "فوائد الضیائیہ" جو انہوں نے اپنے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کے لئے لکھی، محققین کے ہاں علم نحو کی بہترین کتاب شمار ہوتی ہے۔ عربی معلّین

[1] جامی: ۱۹۶۔

آج بھی فارسی محقق (جامی) کی یہ کتاب عربی زبان کے طلبہ کو پڑھاتے ہیں اور علم نحو کی مشکلات میں جامی کے قول کو حجت سمجھتے ہیں۔ صاحب "روضات الجنات" اس کتاب کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہے:

"و هو من احسن ماکتب علیها، و ادقها نظرا، و ابلغها تقریرا، و انمها تهذیبا و تحریرا، و اجمعها للنکات والدقایق والتحقیقات ونقل ان المولی میرزا محمد الشروانی الفاضل العلامه کان یقول انی درست هذا الشرح خمساً و عشرین مرة و صار اعتقادی فی کل مرة انی لم استوف حق فهمه و معرفته فی المرة السابقة"[1]

اور اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ یہ خراسانی زادہ (جامی) عربی علوم و فنون میں عراق، شام اور مصر کے اساتذہ کے ہم پلہ تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے باب میں لکھ آئے ہیں کہ نویں صدی ہجری میں خراسان اور ماوراء النہر علم و ادب کا مرکز تھے تو ہرات و سمرقند اکابر علماء و ادباء کا مسکن۔

جامی کی ملمع غزلیات جن کا ایک مصرعہ عربی اور دوسرا فارسی ہے ان دونوں زبانوں کے امتزاج کا بہترین اور خوبصورت ترین نمونہ ہیں۔

جامی کے اخلاقی قصائد اور مثنویات سبعہ پر عرب افکار و آداب کا اثر بہید نمایاں

---

[1] روضات الجنات از محمد باقر خوانساری۔ بحوالہ جامی: ۱۲۷، ترجمہ: یہ اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے، پاکیزگی اور تحریر کے لحاظ سے بھی یہ دقیق ترین، مرغوب ترین اور مکمل ترین کتاب ہے۔ اس میں جامع ترین نکات، دقائق و حقائق موجود ہیں۔ ملا میرزا محمد شیرانی سے روایت ہے، وہ علامہ فاضل کہتے ہیں کہ میں نے اس شرح کا پچیس بار درس دیا اور ہر بار یوں محسوس کرتا کہ پچھلی بار یہ شرح اس قدر دقیق نہ تھی (یعنی ہر دفعہ نئے نئے اسرار و رموز سامنے آتے)۔

ہے۔ انہوں نے عرب شعراء کے کئی شہ پاروں کو بہترین اور شیریں ترین بیان میں فارسی کا جامہ پہنایا ہے۔ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ شیخ سعدی شیرازی (م ۶۹۴ھ) کے بعد جامی ہی وہ عظیم ترین اور ماہر ترین ادیب ہیں جنہوں نے عربی ادب کو فارسی زبان میں بیان کیا۔

مثنویات سلسلۃ الذہب، تحفۃ الاحرار اور سبحۃ الابرار میں اکثر متفرق موضوعات قرآنی آیات، احادیث نبوی، مشایخ وصوفیہ کی روایات اور عربی اشعار و حکایات اور ضرب الامثال سے ماخوذ ہیں جنہیں انہوں نے بڑے سلیقے سے شیریں فارسی میں منتقل کیا ہے۔ اس طرح اربعین جامی یا ترجمۂ چہل حدیث نبوی اور مثنوی "یوسف و زلیخا" جس کی بنیاد قرآن کے احسن القصص پر رکھی ہے، قصہ "سلامان و ابسال" جو اشارات شیخ الرئیس پر خواجہ طوسی کی شرح سے ماخوذ ہے۔ مثنوی "لیلیٰ ومجنون" جو دیوان قیس عامری اور اغانی[1] سے ماخوذ قیس کی حکایات و اشعار پر مبنی ہے، جامی کے ہاں عربی ادب کو سلیقے اور مہارت کے ساتھ برتنے کے دلائل ہیں۔ مثنوی "خرد نامۂ اسکندری" کے اکثر مضامین بھی تصوف اور فلسفے کی کتابوں سے ماخوذ ہیں اور ان معارف و حقایق کا سرچشمہ عرب اکابر کا منثور و منظوم ادب ہی تھا۔

ترجمہ کرتے وقت جامی کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ وہ اصل مطلب ہی کو دوسری زبان میں منتقل کریں۔ البتہ جب وہ اس کی تشریح اور تفسیر پر آتے تو انہیں اپنا قلم روکنا مشکل ہو جاتا اور وہ اختصار و ایجاز کو پس پشت ڈال کر تمام تفصیل اور جزئیات بیان کر دیتے۔ چونکہ انہیں درپیش موضوع کے ابلاغ کا صحیح حق ادا کرنا مقصود ہوتا تھا اس لئے وہ اسے اضافات و تفصیلات کے ساتھ پیش کرتے اور یوں موضوع کو

---

[1] الاغانی، ابی الفرج علی بن حسین اصفہانی (م ۳۵۶ھ/۹۶۶ء) کی تالیف ہے۔ کشف الظنون ۱: ۱۲۹۔

بالکل ایک نئی شکل مل جاتی۔

اب جب کہ جامی کے ہاں عربی و فارسی کی آمیزش کی بات ہو رہی ہے تو کیا اچھا نہیں کہ ہم یہاں جامی کی ایک ملمع غزل اور رباعی نقل کر دیں۔

غزل

احنّ شوقاً الی دیار لقیت فیھا جمال سلمی
کہ میرساند از آن نواحی نوید لطفی بجانب ما

بوادی غم منم فتادہ زمام فکرت زدست دادہ
نہ بخت یاور، نہ عقل رہبر، نہ تن توانا، نہ دل شکیبا

زھی جمال تو قبلۂ جان، حریم کوی تو کعبۂ دل
فان سجدنا الیک نسجد وان سعینا الیک نسعی

ز سرّ عشق تو بود ساکن زبان ارباب شوق لیکن
زبے زبانی غم نہانی چنانکہ دانی شد آشکارا

بکت عیونی علی شئونی فساء حالی و لاابالی
کہ دانم آخر طبیب وصلت مریض خود را کند مداوا

اگر بجورم بر آوری جان وگر بہ تیغم بیفگنی سر
قسم بجانت کہ بر ندارم سر ارادت ز خاک آن پا

بناز گفتی فلان کجائی چہ بود حالت دراین جدائی؟
مرضت شوقاً و مت ہجراً فکیف اشکو الیک شکوی

برآستانت کمینہ جامی مجال بودن ندید از آنرو

بکنج فرقت نشستہ محزون بکوی محنت گرفتہ ماوا[1]

رباعی

احباب چنین کنند احسنت احسنت　　فارقت و لاحبیب لی الا انت

واللہ لقد فعلت ما کنت ظننت[2]　　ظن می بردم کہ در فراقم بکشی

---

[1] دیوان جامی (پژمان) ۱۰۱۔

[2] ایضاً : ۲۰۷۔

سوز و ساز جامی

مولانا جامی کی منتخب نعتیں اور غزلیں

یہ انتخاب مترجم نے اپنے ذوق کے مطابق کیا ہے۔

آرزوے یثرب و بطحا

کی بوَد یارب کہ رو در یثرب و بطحا کنم؟
گہ بمکہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم
بر کنار زمزم از دل بر کشم یک زمزمہ
وز دو چشم خون فشان آن چشمہ را دریا کنم
صد ہزاران دی درین سودا مرا امروز شد
نیست صبرم بعد ازین کامروز را فردا کنم
یا رسول اللہ! بسوی خود مرا راہی نمای
تا ز فرق سر قدم سازم ز دیدہ پا کنم
آرزوی جنت المأوا برون کردم ز دل
جنتم این بس کہ بر خاک درت مأوا کنم
خواہم از سودای پابوست نہم سر در جہان
یا بیادت سر نہم یا سر در این سودا کنم
مردم از شوق تو معذورم اگر ہر لحظہ ای
جامی آسا نامۂ شوقی دگر انشا کنم

دیدنِ کعبہ بدین دیدۂ تمنّا دارم

دیده پُرنم ز غمِ زمزم و بطحا دارم
دیدنِ کعبہ بدین دیدۂ تمنّا دارم

زاویہ جسم تر و زادِ غم و راحلہ شوق
بہر این رہ ہمہ اسباب مہیّا دارم

خار پایم شده خاکِ وطن ای کاش کُند
ناقۂ خارکَن این خار کہ در پا دارم

تنِ من خاکِ عجم، جان و دلم مرغِ حجاز
تنم اینجاست ولی جان و دل آنجا دارم

کعبہ عذراست پسِ پرده و من وامق وار
دستِ ہمت زده در دامنِ عذرا دارم

نیست جز خالِ سیاه حجرالاسود او
در سویدای دلم بین کہ چہ سودا دارم

گردم از شوقِ مغیلان بره بادیہ روی
تنگدل گشتہ ہوای گل و صحرا دارم

ساربان گفت کہ جامی مکن از فرق قدم
کہ قوی راحلہ بادیہ پیما دارم

گفتمش رو کہ دو صد راحلہ نتواند بُرد
این ہمہ بار کہ من بر دل شیدا دارم

در راهِ مدینه

بر کنارِ دجله ام افتاده دور از خان و مان

تو ز دو دیده دجلهٔ خون در کنار من روان

پا برون کی کردمی بر خاک بغداد از رکاب

گر نه پیچیدی هوای یثرب آن سو عنان

در تجلای غریب بگذاشتم تا کیم کم از انجمن اهل وطن

عزم ملک آن کاشانه و ور وطن کردن توان

منزل جانان را آشیان اصلی است آن کوی خدا

مرحبا این مرغ زار روز می سوی آن آشیان

خوابگاه مصطفی آمد که گر بودی بفرض

مرقدش پاکش چو مهد عیسی اندر آسمان

فرض بودی بر همه بهر زیارت کردنش

صرف کردن عمر را در جست و جوی نردبان

مرقد او و زمین پیدا از پی حرمان که من

پا ز سر سا کرده بنشینم ز طوفش یک زمان

کی بود یارب که دل از فکر عالم کرده صاف

بگذرانم خرم حرم گویم غرو شان در طواف

سلام

السلام ای قیمتی تر گوهر دریای جود
السلام ای تازه تر گلبرگ صحرای وجود
السلام ای آنکه تا از جبهۂ آدم نتافت
نور پاکت کس نبرد از قدسیان اورا سجود
السلام ای آنکہ زنگ ظلمت کفر و نفاق
صیقل تیغ تو از آینۂ گیتی زدود
السلام ای آنکہ ناید در ہمہ کون و مکان
تیز بینان را بجز نور تو در چشم شہود
السلام ای آنکہ بہر فرش راہت بافت دہر
اطلسی راکش زشب کردند تار از روز پود
السلام ای آنکہ ابواب شفاعت روز حشر
جز کلید لطف تو بر خلق نتواند گشود
السلام ای آنکہ تا بودم درین محنت سرا
در سرم سودا و در جانم تمنای تو بود
صد سلامت می فرستم ہردم ای محض کرم
بو کہ آید یک علیکم در جواب صد سلام

نورِ وادی بطحا

آن چہ نور است کہ از وادی بطحا برخاست
کہ ہمہ کون و مکانش بتماشا برخاست

وان چہ نخل است بیثرب کہ چو بالا بنمود
نعرۂ شوق دمی ز عالم بالا برخاست

یک زمان بر سرِ راہش کہ تماشا کہ نشست
کز عشقش ز سراسیمہ و شیدا برخاست

عاقبت بر لب او ختم شد از معجز حسن
گرچہ اوّل ز مسیحا دم احیا برخاست

ہیچ جا نکتہ ای از لعل شکرخاش نرفت
کہ نہ پُرشور شد آن مجلس و غوغا برخاست

دُرد نوشانِ غمش نعرۂ مستانہ زدند
چہ صداہا کہ ازین گنبد مینا برخاست

شد خرامان سوی صحرا اثر دامن اوست
ہر گل و لالہ کہ از دامنِ صحرا برخاست

وعدہ ای از لبش امروز بمیخانہ رسید
از دلِ بادہ گساران غم فردا برخاست

دید جامیِ قدِ آن سرو بجولان گہ ناز
باز سر کردہ بخدمت بسر پا برخاست

در حضورِ شفیع المذنبین

یا شفیع المذنبین بارِ گناه آورده‌ام
بر درت این بار با پشتِ دوتاه آورده‌ام

چشمِ رحمت برگشا موی سفیدِ من نگر
گرچه از شرمندگی روی سیاه آورده‌ام

آن نمی‌گویم که بودم سالها در راهِ تو
هستم آن گمره که اکنون رو براه آورده‌ام

عجز و بیخویشی و درویشی و دلریشی و درد
این همه بر دعوی عشقت گواه آورده‌ام

دیو و دزد و رهزن و کین نفس و هوا اعدای دین
زین همه با سایهٔ لطفت پناه آورده‌ام

گرچه روی معذرت نگذاشت گستاخی مرا
کرده گستاخی زبانِ عذرخواه آورده‌ام

بسته‌ام بر یکدگر نخلی ز خارستانِ طبع
سوی فردوسِ برین مشتی گیاه آورده‌ام

دولتم این بس که بعد از محنت و رنجِ دراز
بر حریمِ آستانت می‌نهم روی نیاز

آشوب ترک و شور عجم، فتنهٔ عرب

روحی فداک ای صنم ابطحی لقب
آشوب ترک و شور عجم، فتنهٔ عرب

کس نیست در جهان که ز حسنت عجب نماند
ای در کمال حسن عجب تر ز هر عجب

هر کس نیافت جرعه ای از جام وصل تو
زین بزمگاه تشنه جگر رفت و خشک لب

تا زلف تو شب ست و رخت آفتاب چاشت
واللیل و والضحی است مرا ورد روز و شب

کامی ز لب ببخش که عشاق خسته را
صد خار خار در جگر افتاد ازان رطب

رفتن بسر طریق ادب نیست در رهت
ما عاشقیم و مست نیاید ز ما ادب

دل باد منزل غم و سر خاک مقدمت
کین موجب شرف بود، آن مایهٔ طرب

مطلوب جامی از طلبم گفته ای که چیست
مطلوب او همین که دهد جان درین طلب

مدینه

ماییم که چون لالهٔ صحرای مدینه   داریم بدل داغ تمنای مدینه

سودای بهشت از سر ما نا برود لیک   ممکن نبود رفتن سودای مدینه

هرگز بتماشای بهشتت نکشد دل   گر چشم گشای بتماشای مدینه

بگشای چو گل گوش که از وحی الهیست   گلبانگ زنان مرغ خوش آوای مدینه

کعبه که بود بادیه پیماش جهانی   خواهد که شود بادیه پیمای مدینه

طوبی که سر افراخته بر ذروهٔ عرشست   بشاخیست زنخل چمن آرای مدینه

مرغان اولی اجنحه را نیست نشیمن   جز کنگرهٔ شور فلک سای مدینه

نبود گهری در صدف بحر ارادت   پاکیزه تر از گوهر یکتای مدینه

حلوای نباتیست زمصر آمده خرماش   بی زحمت دود آمده حلوای مدینه

خرما چو خوری دانه همی بوس که باشد   تسبیح ملک دانهٔ خرمای مدینه

دیده است مدینه بمثل شخص جهان را   چون مردم دیده همه ابنای مدینه

پاکیزه زسر کن زمدینه طلب دین   گر سر همه دین آمده تا پای مدینه

از میم مدینه نگر اینک که چگونه   دین است مرتب شده تا های مدینه

کوثر که شنیدی نبود زنده دلان را   جز ساغر آب از کف سقای مدینه

شد جای کسی خاک مدینه که نشاید   جز قمهٔ عرش از شرفش جای مدینه

مرغی ازلی لحن کہ از زمزمۂ اوست | در رقص ابد صخرۂ صمّای مدینہ
کالای مدینہ چو بود خاک رہ او | ملک دو جہان قیمت کالای مدینہ
با خاک مدینہ شدۂ در زد جوشش | عقل کل و غواصی دریای مدینہ
تا یافتہ خضرت ز نم چشمۂ جوشش | نزہت کہ خضر آمدہ خضرای مدینہ
سقف حرم اوست بصد مشعلۂ نور | این گنبد فیروزہ ببالای مدینہ
آفاق ہمہ منتظر مقدم اویند | و او پردگی مہد معلای مدینہ
ہر چند کہ در خاک خراسان شدہ مجبوس | جامی کہ بود عاشق و شیدای مدینہ

دارد بخود امید کہ فردای قیامت
سر بر زند از شقۂ خارای مدینہ

ساقی بیا!

ساقی بیا که دَور فلک شد بکامِ ما
خورشید را فروغ ده از عکس جامِ ما

گلگون می در آر بمیدان کنون که هست
رخش سپهر و توسن ایام رامِ ما

آن ترک را بیک دو قدح مست کُن چنان
کز گردش زمانه کشد انتقامِ ما

آورد آب رفته بجو باغ حسن را
سرو بلند قامت طوبی خرامِ ما

طاووس وار طوطی جان جلوه می کند
از فر این همای که افتد بدام ما

گاهی می شبانه دگه بادهٔ صبوح
بنگر وظیفهٔ سحر و وردِ شام ما

جامی بوصفِ آن لب شیرین شکر شکست
خامش مباد طوطی شیرین کلامِ ما

تاب و تب، ہجران

ریزم ز مژہ کوکب بی ماہ رخت شب ھا
تاریک شبی دارم با این ہمہ کوکب ھا
چون از دل گرم من بگذشت خدنگ تو
از بوسہ پیکانش شد آبلہ ام لب ھا
از بس کہ گرفتاران مُردند بکوی تو
باد کشش ہمہ جان باشد خاکش ہمہ قالب ھا
از تاب و تب ہجران گفتم سخن وصلت
بود این ہذیان آری خاصیت آن تب ھا
تا دست بر آوردی ز آن غمزہ بخون ریزی
بر چرخ رود ھر دم از دست تو یارب ھا
شد نسخ خط یاقوت اکنون ہمہ رعنایان
تعلیم خط از لعلت گیرند بمکتب ھا
جامی کہ پی مذہب اطراف جہان گشتی
با مذہب عشق تو گشت از ہمہ مذہب ھا

چو لب بہ کوزہ نہی

چو لب بہ کوزہ نہی کوزۂ نبات شود
ز کوزہ قطرہ چکد چشمۂ حیات شود
ز رشک آنکہ چرا کوزہ لب نہد بلبت
مرا دو دیدہ ز نمٔ دجلہ و فرات شود
ازان زلال بقا کآب نیم خوردۂ تست
چو خضر ہر کہ خورد ایمن از ممات شود
مریض عشق تو چون مایل شفا گردد
اسیر قید تو کی طالب نجات شود
ز کعبہ بود نشانی دلم چہ دانستم
کہ بہر چون تو بتی دیر سومنات شود
نہاد رخ بعدم دل چو تخم مہر تو کشت
چو آن حریف کہ ناگہ ز کشت مات شود
نہادہ چشم براہ تو منتظر جامی
کہ بگذری براو و خاک پات شود

شوقِ دیدار

للہ الحمد کہ بعد از سفرِ دُور و دراز
میکنم بار دگر دیدہ بدیدارِ تو باز
مژہ برہم نزنم پیش تو آری نہ خوش ست
کہ ترا چہرہ بود باز و مرا دیدہ فراز
تا شد از عشق تو سر رشتۂ کارم روشن
ہم چون شمعم ہنری نیست بجز سوز و گداز
باوجود خم ابروی تو ام می خوانند
زاہد بی خبر از عشق بمحراب نماز
لیک در شرع وفا نیست نمازی بہ ازین
کہ نہم روی ادب پیش تو بر خاک نیاز
پی بتوحید برد از الف قامت تو
ہر کہ ادراک حقیقت کند از حرف مجاز
جامی از شوق مقام تو نوایی کہ زند
بہر عشاق رہ راست بود سوی حجاز

نقل پیر مغان

دارم از پیر مغان نقل که در دین مسیح
بادہ چون نُقل مباحست زهی نقلِ صحیح

تحفۂ لائق جانان بکف آر ای زاہد
ترسمت دست نگیرد بقیامت تسبیح

شیوۂ علم نظر ورز که العلم حسن
منکر فعل خرد باش که الجهل قبیح

پیش لعل تو نهم لب بلب جام آری
باشارت طلب بوسه بسی به ز صریح

آن دہان یکسر مونیست ز لطف تو وہست
یکسر موی ترا بر ہمہ خوبان ترجیح

ہر کجا شوخ ملیح است دلم کشتۂ اوست
خاصہ آن چشمِ خوش شوخ و لب لعل ملیح

داردِ صبح ز صوفی طلب و دُردِ صباح
جامی و جام صبوح از کف معشوق صبیح

بیا کہ فصل بہارست

بیا کہ فصل بہارست و محتسب معزول
معاشران بفراغت بکارِ خود مشغول
بیا بیا کہ صفا در پی صفاست ہمہ
حریف سادہ و می بی غش و قدح مصقول
شراب لعل ز جام بلور کش کہ بہم
دو جوہرند یکی منعقد دگر محلول
علم بعالم اطلاق زن ز بادۂ لعل
مشو چو فلسفیان قید علت و معلول
فقیہ و زاہد و عابد نہ مرد این کارند
ببند بر رخ ایشان در خروج و دخول
چو از فضائل مردان راہ محرومی
چہ سود بحث کہ این فاضلست وآن مفضول
بجرم توبہ ز مستان خجل مشو جامی
کہ پیش اہل کرم ہست عذرہا مقبول

بمی افطار کنیم

عید فطرست بیا تا بمی افطار کنیم
عیدگه خاک درِ خانهٔ خمار کنیم
آنچه در صومعه از پیش نهان می کردیم
این زمان با دف و نی بر سرِ بازار کنیم
شیخ سجاده نشین را بسرِ راه بریم
راهبِ میکده را واقفِ اسرار کنیم
عارفی زنده دلی رَسته ز خود گر یابیم
همه اسرارِ حقیقت بوی اظهار کنیم
منع واعظ ز خرافات ز غوغای عوام
نتوانیم ولی بر همه انکار کنیم
یار ما شاهدِ عشق آمد و باقی همه غیر
چند رُو تافته از یار در اغیار کنیم
هست جز صورتِ دلوار جهان جامی چند
پشت بر قبلهٔ جان، روی بدیوار کنیم

عشق بازی

خوش آنکه تو شب خواب کنی من بنشینم
تا روز چراغی بهم روی تو بینم
گاهی بتصور ز لبت بوسه ربایم
گاهی بتخیل ز خطت غالیه چینم
باشد بکمانخانهٔ ابروی تو ام چشم
چشمان تو تا کرده ز هر گوشه کمینم
پوشیدن راه تو بسر گر دهدم دست
از شادی آن پای نیاید بزمینم
یا باد صبا بعد بجودت بکنم روی
ترسم که برد خاک درت راز جبینم
جامی مخور اندوه که جز مهر بتان نیست
دین تو که من در دو جهان شاد بدینم

سخنِ من

من آن نیَم که زبان را بهرزه آلایم
بمدح و ذمِّ کسان نوکِ خامه فرسایم
حدیثِ سفله خزف عقدِ گوهرست سخن
زهی سفه که من این را بآن بیارایم
بژاژ خایم از دست رفت مایۀ عمر
کنون ز حسرت آن پشت دست می خایم
ز شعرِ شعر گزین پیش یافتم امروز
بجز آبِ دیده و خونِ جگر نپالایم
فضای ملکِ سخن گرچه قاف تا قافست
ز فکرِ قافیه هر لحظه تنگ می آیم
سخن چو باد و من فاعلات و مفعولات
ذراع کرده شب و روز باد پیمایم
سحر بناطقه گفتم که ای برغم حسود
بکارگاه سخن گشته کارفرمایم
کشم ز طبع سخن سنج رنج رخصت ده
که سر بجیب خموشی کشم بیاسایم
جواب داد که جامی تو گنج اسراری
روا مدار کزین گنج قفل بگشایم

ہم از ہمہ پنہانی ہم بر ہمہ پیدائی

ہر لحظہ جمال خود نوع دگر آرائی
شورِ دگر انگیزی شوق دگر افزائی
عقل از تو چہ دریابد تا وصف تو اندیشد
در عقل نمی گنجی، در وصف نمی آئی
پنہانی تو پیدا، پیدائی تو پنہان
ہم از ہمہ پنہانی، ہم بر ہمہ پیدائی
زان سایہ کہ افکندی برخاک گر جلوہ
دارند ہمہ خوبان سرمایۂ زیبائی
بی پردۂ آب و گل مارا بنمائی رو
خورشید درخشان را تا کی بگل اندائی
ای گشتہ عیان ہر جا ہر جا کہ شوی پیدا
گردد ز غمت شیدا صد عاشق ہرجائی
جامی ز دوئی بگسل یک روی شو یک دل
باشد کہ کنی منزل در عالم یکتائی

پندارم توئی

بس که در جان فگار و چشم بیدارم توئی
هر که پیدا می شود از دُور پندارم توئی
آنکه جان می بازد و سر در نمی آرد منم
و آنکه خون می ریزد و سر بر نمی آرم توئی
گر تلف شد جان چه باک این بس که جانان منی
ور زکف شد دل چه غم این بس که دلدارم توئی
گرچه صد خواری رسد هر دم زدست غم مرا
من چه غم دارم عزیز من که غمخوارم توئی
روز را دریوزهٔ نور از شب تارِ منست
تابان روی چو مه شمع شب تارم توئی
با که گویم درد خود یارب درین شبهائے غم
آگه از صبر کم و اندوه بسیارم توئی
گرچه شتاقی بهیچم بر سر بازار وصل
خود فروشی بین که میگویم خریدارم توئی
گفتهٔ یار توام جامی مجو یار دگر
من بسی بی یار خواهم بود اگر یارم توئی

جامی کے عقائد

مولانا جامی کا مذہبی مسلک کیا تھا؟ تذکرہ نگاروں اور محققین علم رجال کو اس میں اختلاف ہے کیونکہ علم و دانش کا یہ آفتاب (جامی) اس وقت غروب ہوا جب سلطنت صفویہ کا ستارہ طلوع ہو رہا تھا۔ اس وقت عمومی افکار و نظریات میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا۔ اس سیاسی تبدیلی کی وجہ سے ایرانیوں کے عقائد و افکار نے بھی ایک نئی کروٹ لی۔ جامی کی تصانیف کو عوام کے ہاتھوں میں پہنچے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا' بعض لوگ ان کی تعریف کر رہے تھے اور بعض مذمت۔ اگر ایک شہر میں ان کی کتابیں ہردلعزیز تھیں تو دوسرے شہر میں ناپسندیدہ۔ ایک طرف عوام کا ایک طبقہ جامی کو ناصبی یا صوفی سمجھتا اور ان کی تعلیمات کو کفر اور زندقہ کلمات خیال کرتا تو دوسری طرف ایک جماعت انہیں اسلام کے اول درجہ کے علماء کی صف میں شمار کرتی بلکہ ان کے مرتبۂ ولایت کی بھی قائل تھی۔ دوسرا گروہ جو انکے فصاحت و بلاغت سے بھرپور اور خوبصورت کلام پر جان دیتا اس نے خود جامی کے اشعار و اقوال پیش کر کے انہیں شیعہ عالم یا کم از کم مائل بہ حب اہل بیت ثابت کیا ہے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ جامی کے اصول عقائد پر بحث کی اچھی خاصی گنجائش ہے۔

جن ناقدین اور ارباب نظر نے علم کا پاکیزہ منصب جہالت کے تعصب سے آلودہ نہیں ہونے دیا اور وہ ہمیشہ راہ حقیقت پر گامزن رہے ہیں انہوں نے جامی کی تصانیف پڑھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

۱۔ جامی نے سمرقند اور ہرات کے مدارس میں تعلیم پائی جن کا شمار اس وقت سنی

آداب وعلوم کے مراکز میں ہوتا تھا۔

۲۔ ظاہری علوم:۔ جامی کے عقائد کی بنیاد اشعری متکلمین اور شافعی فقہا کے اصول و عقائد پر قائم ہے۔

۳۔ باطنی علوم میں وہ عرفاء و صوفیہ کی تعلیمات کے خوشہ چین ہیں اور ان کی روحانی وابستگی ماوراء النہر کے سلسلۂ نقشبندیہ سے ہے۔

نویں صدی ہجری کے اواخر میں ہرات ایک ایسا شہر تھا جہاں خراسانی و عراقی شیعوں اور افغانستانی و ترکستانی سنیوں کے عقائد کا امتزاج پایا جاتا تھا۔ جامی جنہوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اسی شہر میں گذارا وہ اس وقت کے مذہبی رجحانات کے اثرات سے کیونکر بچ سکتے تھے۔ زمان و مکان کے اعتبار سے وہ اس مقام پر کھڑے تھے جہاں طریقۂ اہل سنت و جماعت سے منہ پھیر سکتے تھے نہ مبادیات امامیہ کو مکمل طور پر جھٹلا سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جامی کو اپنی تصانیف میں ہمیشہ خلفائے راشدین اور صحابہ کی بزرگی بیان کرتے اور ان کے مرتبے کا معترف پاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی وہ ائمۂ اثنا عشر کے فضائل کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ ذہنی حدت اور باطنی پاکیزگی نے جامی کو متکلمین اور اشاعرہ کے مشاجروں اور مناظروں پر ہی رکنے نہ دیا بلکہ وہ انہیں اہلِ ظاہر کی مبادیات سے نکال کر صوفیہ کی وجد آفرین تعلیمات تک لے گئی اور وہ معاشرے کے رجحان کے مطابق سلسلۂ نقشبندیہ کے حلقے میں چلے گئے جو اس وقت ماوراء النہر اور خراسان میں صوفیہ کا متداول و مروج طریقہ تھا۔ یہ سلسلہ نہ صرف عوام میں مقبول تھا بلکہ تیموری سلاطین اور امراء بھی اس سلسلے کے معتقد اور ارادت مند تھے۔ جب جامی بھی سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ ہو گئے تو یہ امر عوام میں ان کی مقبولیت کا سبب بنا۔

انتہا پسند شیعوں نے جامی پر ان کی زندگی ہی میں نکتہ چینی شروع کر دی تھی۔ عراق

اور آذربایجان کے متعصبین نے ان کے اقوال پر اعتراضات اٹھائے، جس کا سامنا انہیں بغداد میں کرنا پڑا۔ (تفصیل صفحہ ۱۶۷ پر گذر چکی ہے)۔ ہم یہاں جامی سے منسوب ایک رباعی نقل کر رہے ہیں۔ اگرچہ الفاظ رکیک ہیں، تاہم مفہوم کے اعتبار سے شاعر کے مذہبی عقائد کے رجحان کا پتہ دیتے ہیں:

ای مغبچۂ دھر بدہ جام مَیم — کامد ز نزاع سنّی و شیعہ قیَم

گویند کہ جامیا چہ مذہب داری — صد شکر کہ سگ سُنّی و خرِ شیعہ نیَم[1]

جامی کے عقائد و نظریات پر شیعہ علماء کو جو اختلافات ہیں ان کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

۱۔ مجالس المؤمنین۔ از قاضی نور اللہ شوشتری۔

۲۔ روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات۔ از ملّا سیّد محمد باقر خوانساری۔

اور رجالِ شیعہ پر دوسری کتابیں۔

ہم یہاں جامی کی اپنی نگارشات ہی سے اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کریں گے جو اُن کے مذہبی اور روحانی زندگی اور عقائد و نظریات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

جامی کے مذہبی عقائد

"سلسلۃ الذہب" دفتر اوّل کے اختتام پر جامی کی ایک ایسی نظم موجود ہے جس میں انہوں نے اپنے اصول عقائد کو متکلمین اہلِ سنّت و جماعت کے مبادی کے مطابق بیان کیا ہے۔ اس میں انہوں نے توحید، نبوّت اور امامت[2] پر بحث کی ہے۔ ان کی یہ نظم

[1] دیوان جامی (گنج بخش) میں یہ رباعی ہماری نظر سے نہیں گذری۔ جامی جن نے اپنے عقائد مبنی بر عقائد اہلسنّت کا اظہار خوش اسلوبی سے کیا ہے، ایسی رکیک رباعی نہیں کہہ سکتے تھے۔

[2] جناب حکمت کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ جامی اس نظم میں امامت پر بھی بحث کی ہے۔

"اعتقاد نامہ" سے موسوم ہے [1]۔

مطلع:

بعد حمد خدا و نعت رسول — بشنو این نکتہ را بسمع قبول

مقطع:

ہست دیدار حق اجل نعم — وبہ انتہی الکلام فتم

چون شد این اعتقاد نامہ درست — باز گردم بکار و بار نخست

"اعتقاد نامہ" کا سبب تالیف وہ یہ بتاتے ہیں کہ مثنوی "سلسلۃ الذہب" کی تالیف کے دوران میں جب اس میں عشق کا ذکر چل نکلا تو اچانک انہیں خواجہ زادہ (بظاہر خواجہ عبید اللہ احرار کے صاحبزادہ مراد ہیں) کا ایک مکتوب ملا جس میں جامی سے اصول عقائد اسلام پر چند اشعار کہنے کی درخواست کی گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے مذکورہ "اعتقاد نامہ" لکھا۔ جب یہ نظم ختم ہو چکی تو عشق کا بیان جاری رکھا۔

اعتقاد نامہ کے مضامین کی ترتیب و تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ بیان وجود حق۔ ۲۔ بیان وحدت حق۔ ۳۔ اشارت بصفات الٰہی۔ ۴۔ اشارت بحیات او۔ ۵۔ اشارت بعلم او۔ ۶۔ اشارت بارادت او۔ ۷۔ اشارت بقدرت او۔ ۸۔ اشارت بسمع و بصر او۔ ۹۔ اشارت بکلام او۔ ۱۰۔ اشارت بافعال او۔ ۱۱۔ اشارت بوجود ملائکہ۔ ۱۲۔ اشارت بایمان انبیاء۔ ۱۳۔ اشارت بفضیلت نبی اسلام (ص)۔ ۱۴۔ اشارت بخاتمیت او۔ ۱۵۔ اشارت بشریعت او۔ ۱۶۔ اشارت بمعراج او۔ ۱۷۔ اشارت بمعجزات انبیاء۔ ۱۸۔ اشارت بکتابہای خدا۔ ۱۹۔ اشارت بانکہ کتاب اللہ قدیمست۔ ۲۰۔ اشارت بفضیلت و اشرفیت آل و اصحاب اربعہ۔ ۲۱۔ اشارت بآنکہ تکفیر اہل قبلہ

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱ : ۱۷۰-۱۸۳۔

جائز نیست۔ ۲۲۔ اشارت بعذاب قبر و سوال نکیر و منکر۔ ۲۳۔ اشارت بنفختین۔ ۲۴۔ اشارت بتطائر صحائف۔ ۲۵۔ اشارت بمیزان۔ ۲۶۔ اشارت بصراط۔ ۲۷۔ اشارت بمواقف عرصات۔ ۲۸۔ اشارت بخلود کفار در نار و خروج بعضی بشفاعت۔ ۲۹۔ اشارت بحوض کوثر۔ ۳۰۔ اشارت بدرجات بہشت و خلود آن و رؤیت حق سبحانہ و تعالیٰ۔

سلسلۃ الذہب دفتر اوّل ہی میں جہاں جامی اپنے مذہبی اور صوفیانہ رجحانات و اعتقادات کا ذکر کرتے ہیں وہاں انہوں نے عقیدۂ جبر و اختیار کے متعلق، جس پر متکلّمین خاصی لے دے کرتے چلے آ رہے ہیں، ایسا طرز بیان اختیار کیا ہے جو اشعریوں کے عقائد کا ترجمان ہے۔[1] اس مسئلے پر مفصّل بحث کر چکنے کے بعد انہوں نے سلطان محمود غزنوی اور اس کے غلاموں کی ایک حکایت بیان کی ہے جس کا مطلع ہے:

داشت پور سبکتگین دو غلام گل رخ و لالہ روی و سرو اندام[2]

اور خود جامی کے عقائد کا خلاصہ مندرجہ ذیل اشعار میں موجود ہے:

ای مکاشف شدہ بسر قدر پردۂ جبر و اجتہاد مدر
بگذر از خویش و در خدای گریز مگسل از خویش و در خدای آویز
گرچہ تو ز اختیار ماموری لیک در اختیار مجبوری
قابلی ز اختیار خود عاری گشتہ افعال حق بر آن جاری
ہر چہ جاری شود بر آن ز افعال بنگر کز دو نیست بیرون حال
یا ز اسباب قرب و رضوانست یا ز آثار بعد و خذلانست
گر ز قسم نخست باشد کار نعمت حق شناس و شکر گزار

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱: ۳۶-۴۰۔

[2] ایضاً: ۴۰۔

ور زقسم دوم بود کارت — شمر از نفس زشت کردارت
جرم و عصیان بسوی خویش افکن — سر شرمندگی بپیش افکن"[1]

جامی کی کتاب "شواہد النبوۃ" حضرت رسول اللہ کے حالات اور ان کی نبوت کے دلائل پر مبنی ہے۔ اس کے چھٹے رکن میں انہوں نے صحابۂ رسول اور اہلِ بیت کے حالات و مناقب اور ان سے منسوب کرامات اور خوارق عادات بیان کئے ہیں۔ اس رکن کی تدوین جس نہج پر ہوئی ہے وہ جامی کے اس طرزِ فکر اور مذہبی رجحان کی ترجمان ہے کہ وہ شیعہ مائل سنّی تھے۔ کیونکہ وہاں انہوں نے خلفائے اربعہ کا نام بڑے ادب و احترام سے لیا ہے اور انہیں اہلِ بیت پر مقدم رکھا ہے۔ ان کے فضائل سے منسوب تمام احادیث نبوی نقل اور ترجمہ کر چکنے کے بعد انہوں نے ائمہ اثنیٰ عشر کے مناقب بیان کئے ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب سے لے کر حجۃ بن الحسنؑ (امام مہدی) تک ہر امام کا ذکر بڑے ادب و احترام سے کیا ہے۔ ائمہ کے حالات کے بعد دوبارہ اصحاب رسول کا بیان ہے اور مصنّف نے عشرۂ مبشرہ کے حالات درج کئے ہیں۔

مختصر یہ کہ مذکورہ کتاب کے مندرجات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنّف ایک سُنّی ہے جس کا دل تعصب سے پاک ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ عقائدِ امامیہ کی طرف بھی راغب ہے۔ "شواہد النبوۃ" اپنی سادہ، رواں اور بے تکلف فارسی زبان اور غیر ضروری باتوں سے مبّرا ہونے کے باوجود متعصب ایرانی شیعوں کے ہاں قابلِ قبول نہیں، بلکہ وہ اسے جامی کے مذہبی عقائد کے بگاڑ کی ایک دلیل قرار دیتے ہیں۔

جامی کے اشعار میں بھی خاندانِ رسالت کے مناقب بیان ہوئے ہیں۔ اگرچہ وہ

[1] سلسلۃ الذہب: ۳۶-۳۷ ملخصاً

اپنی ساتوں مثنویوں کے شروع میں خلفائے ثلاثہ کی مدح لکھتے ہیں لیکن ان کی غزلیات اور قصائد میں امیرالمؤمنین علی بن ابی طالب، حسین بن علی اور علی بن موسیٰ علیہم السلام کے مناقب بھی بکثرت ملتے ہیں جو جامی کے افکار میں دونوں عقیدوں (سنی و شیعہ) کے امتزاج کی مزید دلیل ہے۔ جامی نے مثنوی "سلسلۃ الذہب" میں خلفائے اربعہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے:

خاصہ آل پیمبر و اصحاب — کز ہمہ بہترند در ہر باب
وز میان ہمہ نبود حقیق — بہ خلافت کسی بہ از صدیق
وز پی او نبود از ان احرار — کس چو فاروق لایق این کار
بعد فاروق جز بذی النورین — کار ملت نیافت زینت و زین
بود بعد از ہمہ بعلم و رضا — اسد اللہ خاتم الخلفا
ہمہ آثار وحی دیدہ از او — ہمہ اسرار دین شنیدہ از او
رضی اللہ عنہم از سوی حق — بہر ایشان بشارت مطلق
و ز رضوا عنہ منصب ایشان — برتری از ہمہ رضا کیشان
چون ہمہ مرضی خداوندند — چہ غم ار عمر و زید نپسندند؟
لعن کز رافضی شود واقع — شود آن لعن ہم بدو راجع[1]

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱: ۱۰۸، وہاں اوپر درج کئے گئے آخری پانچ اشعار کی جگہ مندرجہ ذیل اشعار ہیں:

جز بآل کرام و صحب عظام — سلک دین نبی نیافت نظام
نامشان جز باحترام مبر — جز بتعظیم سویشان منگر
ہمہ را اعتقاد نیکو کن — دل ز انکارشان بیک سو کن
ہر خصومت کہ بودشان باہم — بتعصب مزن در آنجا دم (باقی صفحہ ۲۵۶ پر)

اسی طرح مثنوی "سبحۃ الابرار" میں ان کا یہ قطعہ ملاحظہ ہو:

پردہ بگشا ز رخ صدیقی — بدران پردہ ہر زندیقی
درّۂ عدل زدست عمری — زن بفرق سر ہر خیرہ سری
خون فشان کن ز حیا عثمانی — ریز برکشت وفا بارانی
پنجہ در کن اسد اللہی را — پوست برکن دو سہ روباہی را[1]

جو ایرانی شیعہ جامی سے عقیدت رکھتے ہیں وہ جامی کو باطنی طور پر ایک خالص العقیدہ شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں خلفائے ثلاثہ کی مدح میں یہ مقالات اور اشعار جامی کا "تقیہ" ہیں، چنانچہ "سبحۃ الابرار" کے مندرجہ بالا قطعہ کے آخری شعر کو یہ حضرات خلفائے ثلاثہ کی قدح اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی مدح کی طرف اشارہ و کنایہ قیاس کرتے ہیں[2]۔

(بقیہ از صفحہ ۲۵۵):

ہر کس انگشت اعتراض منہ — دین خود رایگان زدست مدہ
حکم آن قصہ باخدای گذار — بندگی کن ترا بحکم چکار
وآن خلافی کہ داشت با حیدر — در خلافت صحابی دیگر
حق در آنجا بدست حیدر بود — جنگ با او خطا و منکر بود
آن خلاف از مخالفان مپسند — لیکن از طعن و لعن لب دربند
گر کسی را خدای لعنت کرد — نیست لعن من و تو اش درخورد
در باحسان و فضل شد ممتاز — لعن ما جز بما نگردد باز

۱۔ [illegible]شی صفحہ ہذا:

۲۔ سبحۃ الابرار: ۴۵۵۔

۳۔ مثنوی ہفت اورنگ جامی کے مصحح جناب مرتضیٰ مدرس گیلانی کا خیال ہے کہ جو (باقی صفحہ ۲۵۷ پر)

لیکن شاعر کی مرضی کے خلاف اس قسم کی توجیہات اور تاویلات سے جامی کا تشیع ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ بالخصوص جب جامی مثنوی "لیلیٰ و مجنون" کے مقدمہ میں بڑے واشگاف الفاظ میں یہ کہہ رہے ہیں:

"شادیم بآل نامدارت | یاریم بہر چہار یارت
آن چار ستون خانہ دین | وان چار چراغ بزم تمکین
ہر یک بخلافت سزاوار | ہر چار یکی وھر یکی چار
ایشان بیگانگی بہم راست | بیگانگی از فضول ماخاست
شاہان بصفا موافق آہنگ | وز سنگدلی سپاہ در جنگ"[1]

جامی مثنوی "خردنامۂ اسکندری" میں جو ان کی زندگی کے آخری دنوں کی تالیف ہے، اپنے مذکورہ عقیدہ کا اعادہ کرتے ہوئے مذہب اہلسنت کے مطابق خلفائے اربعہ کی مدح بیان کرتے ہیں یعنی (خلیفۂ) اوّل کو صدق، (خلیفۂ) دوم کو عدل، (خلیفۂ) سوم کو حیا اور (خلیفۂ) چہارم کو سخاوت و شجاعت سے متصف کیا ہے اور انہیں اربعہ عناصر کی مانند دین کے پیکر کے قائم و دائم رہنے کا سبب بتایا ہے:

تخصیص آنانکہ بی تخت و تاج | گرفتند از تاجداران خراج
یکی ثانی اثنین در کنج غار | کہ چون مار شد ناوک جان شکار

(بقیہ از صفحہ ۲۵۶) متاخر شیعہ مصنفین جامی کو "منافق" یعنی ظاہراً سنی اور باطناً شیعہ قرار دیتے ہیں۔ وہ دراصل اس نفسیاتی خصوصیت کا ردّ عمل ظاہر کرتے ہیں کہ جس شخص میں جو صفت ہوتی ہے وہ دوسروں کو بھی اسی خصوصیت کا حامل سمجھتا ہے۔ جناب مرتضیٰ کی نظر میں جامی ایک متعصب حنفی المذہب شخص تھے۔ مقدمہ ہفت اورنگ۔ ص ۱۰۔۱۱

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] لیلیٰ و مجنون: ۷۵۵۔

دوم آنکه از سکهٔ عدل اوست   کز ینگونه دنیا و دین سرخ روست

سوم شرم گیتی که شد بی قصور   ز شمع نبوت نصیبش دو نور

چهارم که آن ابر دریا نثار   نم اوکرم برق او ذوالفقار

چو عنصر چهار ند زیشان بپای   ترا قالب دین درین تنگنای

ره اعتدال ار نداری نگاه   میا نشان، شود قالب دین پناه

چو هر سفله بی اعتدالی مکن   دل از مهر این چار خالی مکن[1]

ائمہ شیعہ کی مدح میں جامی نے جو مستقل اشعار لکھے ہیں ان میں سے زیادہ شہرت اس قصیدے کو ملی جو انہوں نے نجف اشرف جاتے ہوئے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی مدح میں لکھا۔ مندرجہ ذیل اشعار اُسی قصیدے سے ہیں:

اصبحت زائراً لک یا شحنۃ النجف   بہر نثار مرقد تو نقد جان بکف

می بوسم آستانۂ قصر جلال تو   در دیدہ اشک عذر ز تقصیر ما سلف

ناجنس را چہ کہ زند لاف حب تو   او را بود بجانب موہوم خود شغف[2]

جامی سفر حجاز کے دوران میں بغداد سے نجف جا رہے تھے جب انہیں حضرت امیر کے مزار کا عظیم الشان گنبد نظر آیا تو انہوں نے ایک غزل لکھی جو ان کے عقائد کی ترجمان ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

قد بدا مشهد مولای انیخوا جملی   کہ شاہد شد از آن مشهدم انوار جلی

چشم از پر تو رویش بخدا بینا شد   جای آن دارد اگر کور شود معتزلی

دعوی عشق و تو لا مکن ای سیرت تو   بغض اصحاب دل از بیخردی و دغلی

---

[1] خرد نامۂ اسکندری: ۹۱۷-۹۱۸۔ اسی مضمون کے اشعار مثنوی سبحۃ الابرار: ۵۰۳ میں بھی موجود ہیں۔

[2] دیوان جامی (گنج بخش): ۱۸۔

جامی از قافلہ سالار رہ عشق ترا — گر بپرسند کہ آن کیست علی گوی علی[1]

"سلسلۃ الذہب" میں جامی نے حضرت رسول اللہ کے چچا ابوطالب کے صاحب ایمان ہونے سے انکار کیا ہے اور شیعی عقیدہ کے برعکس انہیں کافر اور ہالک قرار دیا ہے اور ان لوگوں کے فساد عقیدہ کو ثابت کیا ہے "جو رسالت کے مقدس درخت کی شاخیں تو تھیں مگر انہیں ایمان کا پھل نہ لگ سکا اور اس طرح ابوطالب اور ابولہب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے":

بود بو طالب آن تہی ز طلب — مر نبی را عم و علی را اَب

خویش نزدیک بود با ایشان — نسبت دین نیافت با خویشان

ہیچ سودی نداشت آن نسبش — شد مقر در سقر چو بولہبش[2]

---

[1] دیوان جامی (گنج بخش): ۱۰۹۔

[2] سلسلۃ الذہب ۱: ۱۵۱۔

کتاب "جامی" کے اختتام پر ص ۳۹۵۔ ۷۔۴ علامہ محمد قزوینی کا جناب حکمت کے نام ایک متین اور علمی مکتوب شائع ہوا ہے جس میں مولانا جامی کے ادبی مقام کی تعریف کی گئی ہے لیکن ان کے مذہبی عقائد بالخصوص "ایمان ابوطالب" کے مسئلہ پر انہیں ہدف تنقید بنایا گیا ہے اور مختصراً اہلسنت و جماعت (بالخصوص معتزلہ) کی کتب سے امامیہ کے مذکورہ عقیدہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسی موضوع پر مثنویات ہفت اورنگ جامی" مطبوعہ تہران، طبع دوم کے آخر میں بھی "لغزش قلم" کے زیر عنوان جناب محمد مقیمی کا ایک خط چھپا ہے لیکن وہ اپنے غیر متین اور جذباتی لہجے کے باعث قابل توجہ نہیں ہے۔

سنی مفسرین نے آیہ "انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء وہو اعلم بالمہتدین" (القصص: ۵۶) سے جناب ابوطالب کے عدم ایمان پر استدلال کیا ہے جس کی توثیق صحیحین سے بھی ہوتی ہے۔ دیکھیئے:

۱۔ تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ) ۴: ۳۵۔ ۳۶۔ کراچی۔ (باقی صفحہ ۲۶۰ پر)

جامی کے انہی اشعار نے علمائے شیعہ کو چراغ پا کیا اور وہ ان پر لعن وطعن کرنے اور انہیں ایذا رسانی کے درپے ہو گئے۔ قاضی میر حسین شافعی یزدی نے جامی کی مذمت میں یہ قطعہ لکھا ہے:

آن امام بحق ولی خدا ۔۔۔ کاسد اللہ غالبش نامی
دو کس او را بجان بیازروند ۔۔۔ یکی از ابلہی یک از خامی
ہر دو را نام عبدرحمان ست ۔۔۔ آن یکی ملجم، این یکی جامی

مثنوی "سبحۃ الابرار" عقد ۳۸ میں جامی نے حضرت حسن بن علی علیہ السلام کی مدح میں اُن سے ایک حکایت نقل کی ہے جس میں ان کا روئے سخن ایک نوجوان زاہد اور گوشہ نشین کی طرف ہے۔ اس حکایت کا مطلع ہے:

حسن آن سبط نبی سرولی ۔۔۔ طلعتش مطلع انوار جلی[1]

سفر حج کے دوران میں جب جامی حسین بن علی کے روضے کی زیارت کے لئے جا رہے تھے تو ایک غزل لکھی جس کے چند اشعار یہ ہیں:

کردم ز دیدہ پای سوی مشہد حسین ۔۔۔ ہست این سفر بمذہب عشاق فرض عین
خدام مرقدش بسرم گر نہند پای ۔۔۔ حقا کہ بگذرد سرم از فرق فرقدین
جامی گدای حضرت او باش تا کند ۔۔۔ با راحت وصال مبدل عذاب بین[2]

(بقیہ از ص ۲۵۹) ۲۔ معارف القرآن، از مفتی محمد شفیع (اردو): ۶: ۶۳۶-۶۳۷، کراچی۔ تاہم مفتی صاحب نے بحوالہ تفسیر روح المعانی لکھا ہے کہ ابوطالب کے ایمان و کفر کے معاملے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث و مباحثہ سے اور ان کو برا کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طبعی ایذا پہنچنے کا احتمال ہے۔

(حواشی صفحہ ہذا): [1] سبحۃ الابرار: ۵۶۶-۵۶۷۔ [2] دیوان جامی (گنج بخش): ۱۰۹۔

جب انہوں نے خراسان میں امام علی بن موسیٰ کے مزار پر حاضری دی تو کہا:

سلام علی آل طٰہٰ و یٰس — سلام علی آل خیر النبیین
سلام علی روضۃ حل فیہا — امام یباھی بہ الملک والدین
امام بحق شاہ مطلق کہ آمد — حریم درش قبلہ گاہ سلاطین
علی بن موسی الرضا کز خدایش — رضا شد لقب چون رضا بودش آئین
چو جامی چشد لذت تیغ مہرش — چہ غم گر مخالف کشد خنجر کین[1]

(اہل بیت کی مدح میں) ان سب اشعار کے ہوتے ہوئے بھی شیعہ علماء بالخصوص قاضی نوراللہ شوشتری جامی کو صحیح العقیدہ "شیعہ" نہیں سمجھتے اور ان پر لعن و طعن جائز خیال کرتے ہیں۔

عرب شاعر فرزدق نے ہشام بن عبدالملک اموی کے دربار میں امام زین العابدین کی مدح میں جو عربی قصیدہ پڑھا تھا جامی نے اس کا منظوم فارسی ترجمہ کیا ہے جو اُن کی اہلبیت سے محبت اور خاندانِ رسالت کی تفضیل پر واضح دلیل ہے۔[2]

ملا محمد تقی مجلسی "شرح من لایحضرہ الفقہ" میں ایک حکایت نقل کرتے ہیں جس کا اس قصیدے سے گہرا تعلق ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ایک شخص جامی کی محفل میں کہنے لگا کہ ایک عورت نے فرزدق کو خواب میں دیکھا تو اس کا حال پوچھا۔ فرزدق نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے اس قصیدے کی طفیل بخش دیا جو میں نے ہشام بن عبدالملک کے دربار میں علی بن حسین کی مدح میں پڑھا تھا۔ مرحوم مجلسی کا کہنا ہے کہ ملا جامی نے اپنی تمام ترناصبیت

---

[1] دیوان جامی (گنج بخش) : ۱۱۰۔

[2] یہ منظوم فارسی ترجمہ سلسلۃ الذہب ۱: ۱۴۱-۱۴۳ میں موجود ہے۔

کے باوجود اس شخص سے کہا: "بالکل بجا ہے کہ حق تعالیٰ اس قصیدے کی برکت سے تمام اہلِ جہان کو بخش دیں۔"

جامی نے اپنے اس قصیدے کے اختتام پر اہلِ بیت کی مدح بیان کرنے کی فضیلت بیان کی ہے اور اصحابِ رسول سے بغض رکھنے والے رافضیوں کی مذمت کی ہے وہاں انہوں نے شافعی کے مشہور شعر:

لوکان رفضاً حب آل محمد   فلیشهد الثقلان انی رافضی

کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے[1]۔ ہم جامی کے جن مذہبی عقائد پر اوپر بطور اجمال بحث کر آئے ہیں ان کی تفصیل اس قصیدے میں موجود ہے۔ ہم اس موضوع کو اسی قصیدے کے چند اشعار پر ختم کرتے ہیں:

مادحِ اہلِ بیت در معنی   مدحتِ خویشتن کند یعنی
دوستدارِ رسول و آل ویم   دشمن خصم بدخصال ویم
ہمچو سلمان شدم ز اہل البیت   گشت روشن چراغ من زان زیت
انا مولی لهم و مولی القوم   کان منهم و لا اخاف اللوم
این نه رفضست محض ایمانست   رسم معروف اہل عرفانست
رفض اگر ہست حبّ آل نبی   رفض فرضست بر ذکی و غبی
شافعی آنکہ سنّتِ نبوی   ز اجتہاد قویم اوست قوی
بزبان فصیح و لفظ متین   گفت در طی شعر سحر آئین
گر بود رفض حبّ آل رسول   یا تولّی بخاندان بتول

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱: ۱۴۶۔

گو گوا باش آدمی و پری	کہ شدم من ز غیر رفض بری
کیش من رفض و دین من رفض است	رفع من رفض و ما بقی خفض است
رفض بدنی ز حب آل عباست	بدی آن ز بغض اہل وفاست
بغض آنان کہ مقتدا بودند	سابقان رہ ھدی بودند
از وطن ہا مہاجرت کردند	بر الم ہا مصابرت کردند
با نبی در شدائد اھوال	بذل ارواح کردہ و اموال"[1]

[1] سلسلۃ الذہب ۱۴۵، ۱۴۶ ملخصاً۔

ہم نے جامی کے مذہبی عقائد ایسے "حساس" موضوع پر جناب علی اصغر حکمت کی تحریر کے ترجمے میں بڑی احتیاط برتی ہے۔ جناب حکمت نے بڑی غیر جانبداری سے مولانا جامی کے مذہبی رجحانات کا خود انہی کے آثار و اشعار کے حوالے سے جائزہ لیا ہے اور جو لوگ جامی کے اشعار کی تاویلیں کر کے ان کا تشیع ثابت کرنا چاہتے ہیں ان کے بارے میں بھی ہم جناب حکمت کا تبصرہ پڑھ چکے ہیں۔ اب ہماری طرف سے جامی کے تسنن کی تصدیق و تائید کی مزید گنجائش نہیں رہ جاتی۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ان کے تسنن میں مذہب پر اختلاف ہے۔ دارا شکوہ نے لکھا ہے:

"حنفی مذہب بودہ اند، آنچہ در عوام است کہ ایشان بمذہب امام شافعی نقل کردہ اند خلاف است۔ چنانچہ شخصی از خدمت مولانا زین الدین تو اسں ازین معنی پرسید فرمودند کہ غیر واقع مردم فرا گرفتہ اند کتاب چہار مذہب حضرت شیخ سعید خرقانی را کہ از مکۂ معظمہ ہمراہ آوردہ بودند، بمسائل احوط عمل می نمودہ اند مثل وضوء ساختن بعد از مس مراۃ و مس اندام نہانی وغیرھا۔"

(سفینۃ الاولیا، ص ۸۲)

ہم مذہب کے اس باب کو عشق کی بات پر ختم کرتے ہیں:

ز مفتاد و دو ملت کرد جامی رو بعشق تو
بلی عاشق ندارد مذہبی جز ترک مذہب ہا

جامی کا نظریۂ تصوّف

جامی نے تصوّف میں اُس روش اور اسلوب کو اپنایا ہے جو شیخ محی الدین بن عربی نے وضع کی[1]۔ اسی پیروی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے شیخ اکبر اور ان کے پیرو کاروں کی کتب اور افکار کی شروح لکھی ہیں۔ جامی کی کتابیں "نقد النصوص" "درشرح فصوص" اور "اشعۃ اللمعات" "درشرح لمعات" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔

[1] ابن عربی کے صوفیانہ افکار میں سے سب سے اہم "وحدت وجود" کا نظریہ ہے جسے جامی نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ نثر و نظم کے قالب میں ڈھالا ہے۔ جامی کے آثار کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ابن عربی کے افکار پر بڑی گہری نظر تھی۔ انہوں نے ابن عربی کے افکار کو کسی ابہام کے بغیر دوسروں تک پہنچایا ہے لہٰذا ہم اگر ابن عربی کے نظریات سمجھنے کے لئے جامی کی تصانیف کو کلید قرار دیں تو بیجا نہ ہوگا۔ جو شخص بھی ابن عربی کے مکتب فکر تک پہنچنے کے لئے کسی سیدھے اور قریب ترین راستے کا متلاشی ہے تو اسے سب سے پہلے جامی کی "شرح فصوص" اور "لوائح" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ نظریۂ وحدت وجود پر جامی ابن عربی کے ہم نوا ہیں۔ انہوں نے علم تصوّف میں اپنا تبحر اس طور ظاہر کیا ہے کہ ان کا نام شیخ اکبر کے ساتھ آتا ہے۔ جیسا کہ ملا عبد النبی قزوینی تذکرۂ میخانہ میں لکھتے ہیں:

"بالخصوص علم تصوّف میں صاحب نظر لوگ جامی کو شیخ محی الدین عربی کا نظیر خیال کرتے ہیں بلکہ ماوراء النہر کے علماء انہیں اس علم میں شیخ سے بہتر سمجھتے ہیں۔"

ملخصاً از کتاب "جامی و ابن عربی" تالیف محمد اسماعیل مبلغ، مقدمہ، صفحہ ج۔ د، مطبوعہ افغانستان، ۱۳۴۳ شمسی۔

اسی ضمن میں جناب مبلغ کے مندرجہ ذیل مقالات بھی دیکھئے:

مجلۂ آریانا کابل۔ جلد ۲۲۔ شمارہ ۳۔۴۔ "نقد فلسفہ از جامی"

آریانا جلد ۲۴۔ شمارہ ۳۔۱۰ "آفرینش نو از نگاہ جامی"

جامی نے لمعات کی شرح کرتے وقت ہر مقام پر شیخ اکبر کے فصوص الحکم یا فتوحات۔
المکیہ میں درج نظریات سے ثبوت پیش کئے ہیں۔ جامی کا نظریہ ہے کہ عشق حقیقی سے انسان
کو سرمدی سعادت حاصل ہوتی ہے اور یہی عشق سلطان ہے جو عالم وجود کے مظاہر میں جلوہ گر
ہوتا ہے۔ عاشق، معشوق اور عشق سب ایک وجود مطلق کے مظاہر اور مجاری ہیں اور
معشوق و محبوب بلکہ عاشق اور محب حضرت حق کے تمام مراتب میں ہے۔ اور اختلافات،
ظہورِ محبوب کے فرق اور اس کی شہودی تجلیات میں ہیں۔ محبوب اور محب دونوں ایک
دوسرے کا آئینہ ہیں۔ عشق مطلق تمام مظاہر میں ظاہر ہوا اور ہر عقل و شعور پر آشکار ہوا۔
لیکن ارباب سلوک پر یہ مختلف تجلیات میں متجلی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر صوری تجلیات
جو سب موجودات کی صورمیں ہوتی ہیں اور ذوقی تجلیات جو علوم و اذواق اور معارف
میں ہوتی ہیں یا تجلیات ذاتی جو صرف ارباب نہایات کے لئے مخصوص ہیں۔

حق کا بندے میں ظہور ایسا ہی ہے جیسا شیشے میں کسی مرئی صورت کا عکس۔ تاہم
اس میں حلول و اتحاد اور زندقہ و الحاد کا ذرا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ تمام سالکانِ حق کا سفر
"سیر الی اللہ" سے شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد "سیر فی اللہ" کے مرحلے میں داخل ہو جاتا
ہے۔ اس سیر و سلوک میں کئی نورانی او رظلمانی پردے ہیں اور یہ "سفر" دراصل انہی
پردوں کو درمیان سے اٹھانے کے لئے ہوتا ہے۔ اس (سفر) میں دو قوس ہیں۔ قوسِ
وجوب اور قوسِ امکان۔ مقام قاب قوسین او ادنیٰ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

محبت کے افعال کی نسبت محبوب سے ہوتی ہے اور عاشق کی ہر شے کا تعلق معشوق
سے ہوتا ہے۔ مختلف اشکال کی کثرت، واحدِ حقیقی کی وحدت پر اثر انداز نہیں ہوتی اور
عین کثرت میں بھی واحد اپنی اسی حقیقی وحدت میں موجود رہتا ہے۔ معشوق کئی صورتوں
میں متجلی ہوتا ہے۔ اور عاشق کو بھی گوناگوں استعدادات حاصل ہیں۔ عاشق و معشوق

کی) انہی (متنوع) تجلیات کے مطابق ترقی کرتا ہے۔ سیر فی اللہ کا راستہ لامتناہی ہے اور عاشق کی طلب، ترقی اور سفر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بقول جامی عاشق کو تعین سے پاک دل ملا ہے جو ا ح وعزت کے گنبدوں کی جگہ ہے اور بحر غیب وشہادت (ظاہر) کا مجمع، اور اس دل کو وہ ہمت واستعداد حاصل ہے کہ:

اگر بساغر دریا ہزار بادہ کشند ہنوز ہمت او ساغر دگر خواہد

جامی اس کی مثال یوں پیش کرتے ہیں، ایک شخص نے برف سے، جو منجمد پانی کی ایک صورت ہے، کوزہ بنایا اور اسے پانی سے بھر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ کوزہ انجماد کی صفت اور کوزے کی صورت میں تو پانی سے جدا ہے لیکن جب سورج چمکا تو کوزہ پگھلنے لگا اور کوزہ پانی سے مل گیا۔ اسی طرح جب حقیقتِ مطلقہ تعینات کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور اس کے سامنے کئی مظاہر آتے ہیں تو اچانک صاحب دولت کے دل پر احدیت کا سورج چمکنے لگتا ہے جو صور تعینات کو اس کی ظاہری نظروں سے محو کر دیتا ہے اور وہ سب کو ایک ہی دیکھ کر کہہ اٹھتا ہے۔ لیس فی الدار غیرہ دیار:

صیاد ہم او، صید ہم او، دانہ ہم او ساقی و حریف و می پیمانہ ہم او

صفات دو طرح کی ہوتی ہیں، وجودی اور عدمی۔ وجودی صفات معشوق کی ہوتی ہیں اور عدمی عاشق سے تعلق رکھتی ہیں۔ پس غنی ہونا معشوق کی صفت ہے اور غربت عاشق کی۔ غربت کے بھی کئی فضائل اور مراحل ہیں۔ عاشق کو غرض سے پاک ہونا چاہیے اور اپنی طلب اور ارادت کو ختم کر کے صرف معشوق کی خواہش کو مقدم رکھے اور اس کی پسند اور ناپسند کا فرق سمجھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عاشقِ سالک مکلف ہے کہ وہ صوری اور معنوی مجاہدوں میں مشغول رہے۔ عاشق کی وجودی صفات درحقیقت معشوق ہی کی صفات ہیں جو عاشق کے پاس بطور امانت پڑی ہیں۔

عاشق کے معشوق سے وصل کے مراحل کے تین مرتبے ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص آنکھیں بند کرے اور آگ کی موجودگی کا احساس اس کی حرارت سے کرے یہ علم الیقین ہے اور جب آنکھ کھول کر آگ دیکھے تو یہ عین الیقین ہے لیکن جب آگ میں کود جائے اور بھسم ہو جائے تو اس سے آگ کی خصوصیات ظاہر ہونے لگیں یعنی وہ جلائے اور اس سے روشنی بھی ظاہر ہو تو وہ حق الیقین کا درجہ ہے۔

محبّ اور محبوب کے درمیان خواہش اور ضرورت کا رشتہ ہے۔ عاشق جب تجرید و تفرید کے کمال پر پہنچا تو اس کا سب سے، حتیٰ کہ معشوق سے بھی رشتہ ٹوٹ گیا۔ اس مقام پر عشق کی وحدت ذاتی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس پر سے کثرت کا لبادہ اتر جاتا ہے۔ یعنی وہ محبوب رہتا ہے نہ محب۔ بلکہ شاہد عین مشہود بن جاتا ہے۔ اس کی عاشقی کی صفات بقابعد الفنا میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور اسے فرق بعد الجمع کا مقام مل جاتا ہے وہ تکمیل اور ارشاد کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ جب خود کو دیکھتا ہے تو تمام تر اسی کو پاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے انا من اھوی و من اھوی انا۔ یعنی :

جانا ز میان ما منی رفت و توئی   چون من تو شدم تو من، مکن ذکر دوئی

وہ جس چیز پر بھی نظر ڈالتا ہے وہاں اپنے دوست کا چہرہ دیکھتا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ کل شئی ھالک الا وجہہ کی کیا توجیہ ہے اور یہ کیونکر نہیں ہو سکتا؟ اگر مفسرین نے "وجہہ" کی نسبت حق کی طرف دی ہے تو وہ شئے پر عائد ہو یعنی ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ سوائے اس کی وجہ (صورت) کے کہ وہ اس کی حقیقت اور عین وجود ہے۔

یہ ہیں تصوف کے چند بنیادی اصول جو مولانا جامی نے اپنی تصوف کی کتابوں میں جابجا بڑی تفصیل کے ساتھ مختلف پیرایوں میں بیان کئے ہیں۔ کتاب "لوائح" کے شروع میں انہوں

نے جو مناجات تحریر کی ہے وہ سیر و سلوک کے مراحل میں ان کی خواہشات کی غماز ہے۔ وہ مانگتے ہیں :

"اے اللہ! مجھے بُرے کاموں میں مشغول ہونے سے بچا اور اشیاء کے حقایق اس طرح دکھا جیسے وہ ہیں۔ ہماری آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھا اور ہر چیز کو جیسے (اس کی اصلیت) ہے ویسے ہمیں دکھا۔ عدم کو وجود کی صورت میں ظاہر نہ کر اور جمال ہستی پر نیستی کا پردہ مت ڈال۔ ان خیالی پیکروں کو حجاب اور دُوری کی علت نہ بنا بلکہ انہیں اپنے جمال کی تجلیات کا آئینہ عطا کر۔ وہم و گمان کی ان تصویروں کو ہماری جہالت اور نابینائی کا ذریعہ نہ بنا بلکہ دانائی اور بینائی کا سرمایہ بنا۔ ہماری مہجوریاں اور محرومیاں ہم ہی سے ہیں۔ ہمیں اپنے حال پر مت چھوڑ بلکہ ہمیں ہم سے علیحدہ کر کے اپنے ساتھ ملا۔

یارب دل پاک و جان آگاہم دہ — آہ شب و گریۂ سحرگاہم دہ

در راہ خود اوّل ز خودم بیخود کن — آنگہ بخود بسوی خود راہم دہ[1]

حکماء اور متکلمین کے مبادی پر تصوف کے نظریہ کی فوقیت، جامی کے ہاں تسلیم شدہ ہے۔ اگرچہ ہمیں جامی کا وہ رسالہ دستیاب نہیں ہوا جس میں انہوں نے متکلم، صوفی اور حکیم کا محاکمہ کیا ہے لیکن مثنوی "سبحۃ الابرار" میں ان کی ایک نظم موجود ہے جس میں وہ تصوف کو، جو اہلِ جذب و حال کا طریقہ ہے، اہل کلام کے مذہب پر، کہ وہ لوگ قیل و قال کے پابند ہیں، ترجیح دی ہے۔ وہ نظم ملاحظہ ہو :

فاضلی وادی برھان پیمای — در بیابان جدل جان فرسای

---

[1] لوایح : ۴۳-۴۴۔ از مطبوعات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان و اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۸ء۔

عمر در بحث و جدل طی کرده | پای یکران امل پی کرده
نه دلش را ز طریقت نوری | نه سرش را ز حقیقت شوری
صوفیی دید ز آلایش پاک | زده در چهرهٔ آسایش خاک
از ریاضت شده چون موی تنش | سر موئی نه سر خویشتنش
شد بجنگ آور بیش شیر مصاف | زخم زن گشت بشمشیر خلاف
گفت کای روی تو چون خوی درشت | کرده بر صحبت دانایان پشت
با شناسائی خود ساخته‌ء | گو خدا را بچه بشناخته‌ء؟
گفت از آن فیض که هر لحظه ز غیب | ریزدم بر دل و جان پاک ز عیب
فاضلش گفت بدین کشف نهان | چون شوی قائد کوران جهان؟
گفت من غرق شناساوریم | نیست کاری بشناساگریم
هر که پی بر پی من بشتابد | هر چه من یافتم او هم یابد
کار من نیست که کس را بجدال | رو نمایم بخدای متعال[1]

جامی کے ہاں فلاسفہ کے نظریات اور ان کی موشگافیوں کا متکلمین کے مبادی اور صوفیہ کی تعلیمات کے سامنے کچھ وزن نہیں ہے۔ جامی کے خیال کے مطابق فلاسفہ کا گروہ شریعت کے صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا ہے اور اہل طریقت کے وجد و حال سے بے بہرہ ہے۔ نور حقیقت کو دین کے سوا اور کہیں نہیں پایا جاسکتا اور نہ ہی اس کے بغیر قانون فلسفہ کی کوئی افادیت ہے۔ مثنوی لیلیٰ و مجنون کے آخر میں اپنے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کو فلاسفہ کی پیروی کرنے سے منع کر کے علمائے دین کی تقلید کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

[1] سبحۃ الابرار: ۴۷۰ - ۴۷۱ ملخصاً۔

چون فلسفیان دین بر انداز | از فلسفہ کار دین مکن ساز
پیش تو رموز آسمانی | افسون زمینیان چہ خوانی؟
یثرب اینجا، مشو چو دونان | اکسیر طلب ز خاکِ یونان
گر حرف شناس دین زبون نیست | از سور مدینہ دین برون نیست
رہ نیست جز آنکہ مصطفےٰ رفت | تا مقعد قدس راست پا رفت
میکن بہ رہش نگاہ و می رو | می بین پی او براہ و می رو
زان رہ کہ ز پای او نشان نیست | برگرد، کہ جز ہلاک جان نیست[1]

مولانا جامی کی سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستگی (جیسا کہ ہم پہلے صفحہ ۱۴۶ پر لکھ آئے ہیں) کی توثیق اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب "نفحات الانس" میں اکثر مشائخ نقشبندیہ مثلاً خواجہ بہاء الدین عمر بخاری، مولانا نظام الدین خاموش، خواجہ محمد پارسا بخاری اور مولانا سعد الدین کاشغری وغیرہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور اپنی اکثر مثنویات میں ان کی مدائح لکھی ہیں اور ان کی روح سے فتوح طلب کی ہیں۔ مولانا کے تمام صوفیانہ رسائل و کتب پر سلسلۂ نقشبندیہ کے اعتقادات و نظریات کی چھاپ لگی ہے۔ "نفحات الانس" میں خواجہ عبید اللہ احرار کے حالات کے اختتام پر مولانا جامی کا یہ بیان قابل غور ہے:

"خواجگان نقشبند بالخصوص خواجہ بہاء الدین کے حالات و ملفوظات اور طریقہ سے معلوم ہوا کہ وہ اہل سنت و جماعت کے عقائد پر کار بند تھے اور ان کا طریقہ، سنت نبوی کا اتباع، احکام شریعت کی اطاعت اور دائمی

[1] لیلیٰ و مجنون: ۹۰۷ - ۹۰۸ ملخصاً۔

بندگی ہے جس سے ہماری مراد کسی غیر وجود کے شعور کی مزاحمت کے بغیر حق سبحانہ' کا دائمی عرفان ہے پس جو لوگ ان بزرگوں (اہلِ طریقت) کو نہیں مانتے' اس کی وجہ ان کے ظاہر و باطن پر چھائی ہوئی ہوس اور بدعت کی ظلمت ہے اور حسد و تعصب نے انہیں اندھا کر رکھا ہے۔ جس سے وہ انوارِ ہدایت اور آثارِ ہدایت نہیں دیکھ پاتے اور مشرق تا مغرب پھیلے ہوئے انوار و آثار سے انکار کرتے ہیں۔ افسوس صد افسوس

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند | کہ برند از رہ پنہان بحرم قافلہ را
از دل سالک رہ جاذبۂ صحبتشان | می برد وسوسۂ خلوت و فکر چلہ را
قاصری گر زند این طایفہ را طعن قصور | حاش للہ کہ برآرم بزبان این گلہ را
ہمہ شیران جہان بستۂ این سلسلہ اند | روبہ از حیلہ چسان بگسلد این سلسلہ را[1]

یہ نہ سمجھا جائے کہ جامی طریقۂ تصوف کے مجازی طور پر یعنی صوفیہ کے ظاہری آداب و رسوم کے مقلد تھے۔ بلکہ وہ ہمیشہ حقیقت پسند رہے ہیں اور اپنی توجہ تصوف کے باطنی اور حقیقی مقاصد پر مرکوز رکھی ہے۔ انہوں نے اپنے عہد کے ان پیروں کو خوب آڑے ہاتھوں لیا ہے جو خانقاہوں میں تصوف کو ذریعۂ معاش بنائے بیٹھے تھے۔ وہ ان کو گمراہ اور گمراہ کن قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

میزند شیخ ما ز شور و شغب | صیحۂ صبحگاہ و ہی ہی شب
سر پُر از کبر و دل پُر از اعجاب | روی در خلق و پشت بر محراب
صف زدہ گرد وش از خران گلۂ | در فکندہ بشہر ولولۂ

---

[1] نفحات الانس: ۴۱۳۔

چیست این شیخ ذکر میگوید / لوث غفلت بذکر می شوید
ناگہاں مردکی دوید از در / کرد در گوش شیخ و یاران سر
کہ فلان خواجہ یا امیر رسید / حضرت شیخ را محب و مرید
شیخ و اصحاب او ز دست شدند / وز شراب غرور مست شدند
ذکرا شد چنان بلند آہنگ / کہ از آن مردم آمدند بتنگ
گشت خشک از فغان سقف شگاف / ذاکران را درون زلب تاناف
آن یکی بر دہان کف آوردہ / وز کف خود طپانچہ ہا خوردہ
وآن دگر جیب خرقہ چاک زدہ / دمبدم آہ دردناک زدہ
خنکی چند کردہ خود را گرم / نہ ز خالق نہ از خلائق شرم
شیخ چون ذکر را فرود آورد / رو بمیدان گفتگو آورد
سخن از کشف راند و ز الہام / فرق گوید میان حال و مقام
او ز تحقیق دم زند امّا / رسم تقلید سازدش رسوا[1]

"نفحات الانس" میں جامی نے سید قاسم انوار تبریزی[2] کے حالات کے ذیل میں بڑے لطیف اور معقول انداز میں ان کے مریدوں کی مذمت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "ان کے اکثر مریدین حلقۂ اسلام سے خارج تھے اور سب کچھ مباح سمجھتے تھے اور شریعت و سنت کی حیثیت کے قائل نہیں تھے۔"[3] پھر جامی سید کے پیروکاروں کی غیر معمولی آزادی اور

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱: ۲۲-۲۳۔

[2] امیر سید قاسم تبریزی (م ۸۳۷ھ) شیخ صدرالدین علی یمنی کے مرید تھے۔ ان کا دیوان حقائق و اسرار سے خالی نہیں۔ نفحات الانس: ۵۹۲-۵۹۵۔

[3] نفحات الانس: ۵۹۳۔

رویّے کی بات کرتے ہیں کہ کس طرح ان لوگوں نے خانقاہ میں نفسانی مشتہیات اور جسمانی لذائذ کا دسترخوان بچھا رکھا تھا۔ جامی لکھتے ہیں:

ان (سیّد قاسم) کا لوگوں پر جو ذاتی لطف و کرم تھا اس کی بدولت انہیں جو بھی نذر و نیاز آتی، سب لنگر پر صرف ہو جاتی۔ (اور اس طرح) نفس و ہوا کے مقلّد مریدوں کی خواہشات کی تکمیل ہوتی رہتی۔ ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ وہاں حریص لوگوں کا جمگھٹا رہتا جو اپنے مرشد (سیّد قاسم انوار) کے معارف و ملفوظات تو سنتے مگر اپنے نفس و ہوا کی خاطر ان میں ایسا تصرّف کرتے کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل اور ضمیر کی مخالفت سے چشم پوشی کا جواز نکل آتا۔ ان کے لئے سب کچھ مباح تھا اور شرع و سُنّت کی ان کے ہاں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ البتہ خود سیّد قاسم ان سب آلائشوں سے پاک تھے۔"[1]

"سلسلۃ الذہب" دفتر اوّل میں ایک مفصّل نظم بعنوان "صوفی نمایان ظاہر آرای و معنی گدازان صورت پیرای" ہے جس میں اس قسم کے صوفیہ کے لنگر خانوں میں ان کے چیلوں کے فسق و فجور پر اعتراض کیا گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

حذر از صوفیان شہر و دیار — ہمہ نامردم اند و مردم خوار

کار شان غیر خواب و خوردن نہ — ہیچ شان فکر روز مردن نہ

ذکر شان حصر در وجوہ معاش — فکر شان صرف بہرِ سفرہ و آش

ہر یکی کردہ منزلی دیگر — نام آن خانقاہ یا لنگر

فرشہای لطیف افکندہ — ظرفہای نکو پراکندہ

---

[1] نفحات الانس: ۵۹۳۔

دیگدان کندہ دیگ بنہادہ — کردہ آلات مطبخ آمادہ

چشم بر در کہ کیست کردہ وشہر — یافتہ از طریق مردان بہر

گوشت یا آرد آورد دوسہ من — تانشیند بصدر شیخ زمن

سرانبان لاف بگشاید — بر حریفان گزاف پیماید

بکند بس ز مہمل و قلماش — تا بدان دم کہ پختہ گردد آش

بہر آتش است آشنائی او — و آتش دیگ روشنائی او

ھر کجا مفسدی مجالی یافت — کامروی را ز شہر سر برتافت

کرد یاد حضور درویشان — کہ سرم خاک مقدم ایشان[1]

اس نظم کا خاتمہ ان اشعار پر ہوتا ہے :

این نہ صوفی گری و آزادیست — بلکہ کیدی گری و قوادیست

شیخ و صوفی کہ گفتمت صد بار — میکنم زان حدیث استغفار

آن فرومایہ را چہ استحقاق — کاین اسامی براو شود اطلاق

لقب و اسم پادشاہی چند — حیف باشد براین دغائی چند[2]

تصوف اور روحانیت کے حوالے سے جب ہم جامی کی بات کر رہے ہیں تو ان کی سب سے نمایاں خوبی کا ذکر بھی ضروری ہے وہ یہ کہ انھوں نے پیری و مریدی کا کوئی مرکز قائم نہیں کیا، نہ وہ کرامات، مکاشفات اور خوارق عادات کا اظہار (پسند) کرتے تھے۔ وہ کبھی شیخ طریقت بن کر نہیں بیٹھے اور نہ ہی دوسرے لوگوں کو اپنی پیروی اور ارادت کی دعوت دی ہے۔ میر علی شیر نے "خمسۃ المتحیرین" میں لکھا ہے :

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱: ۱۲۶-۱۲۷ ملخصاً۔

[2] ایضاً : ۱۲۹۔

"انہیں (جامی کو) حق تعالیٰ کی طرف سے خوارق عادات کے اظہار کا امر نہیں تھا. چنانچہ وہ اپنی پاکیزہ کیفیات کو طریقۂ ملامتیہ کی طرح اور شاعر و ملا بن کر پوشیدہ رکھتے." [1]

عبدالغفور لاری تکملہ میں مولانا جامی کا یہ قول نقل کرتے ہیں،

"وہ فرماتے کہ کشف وکرامات پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے. اس سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں کہ فقیر ایک دولت مند کی مجلس میں جائے اور اُسے وہاں تاثیر وجذب حاصل ہو اور وہ کچھ دیر اپنے آپ سے بے خبر رہے.

یاری کہ بدیداروی از دست شوی | آن بہ کہ بزیر پای او پست شوی
گر می نخوری ز جام لعلش باری | از شیوۂ چشم مست او مست شوی" [2]

لاری نے جامی کے حالات و مکاشفات میں آگے چل کر لکھا ہے:

"وہ فرماتے کہ جب ہم خود کو مرتبۂ اجمال میں پاتے ہیں تو مغلوب ہو جاتے ہیں اور ہم پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے. یوں لگتا ہے جیسے ہم زمین سے جدا ہو گئے ہیں اور ہمارا پاؤں زمین تک پہنچتا ہی نہیں ہے." [3]

مولانا لاری نے اس پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ جامی نے پیری و مرشدی کا باقاعدہ کام کیوں شروع نہیں کیا. جامی کی مشائخ نقشبندیہ سے ارادت کے سلسلے میں لاری لکھتے ہیں:

"جامی کسی کو اس طریقہ (نقشبندیہ) کی تلقین نہیں کرتے تھے. حالانکہ وہ

---

[1] بحوالہ جامی: ۱۵۶.

[2] تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۱۵.

[3] ایضاً: ۱۶.

حضرت مخدوم (سعد الدین کاشغری) سے مجاز اور غیب سے اذن یافتہ تھے۔
ہاں اگر اچانک کوئی فقیر منش شخص انہیں مل جاتا تو چپکے سے اُسے طریقۂ نقشبندیہ
سے متعارف کرتے، مقصد نہایت لطافت اور نازکی ہوتا۔ وہ فرماتے کہ میں
اس طریقہ میں شیخیت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن عمر کے آخری دنوں میں وہ
اہلِ طلب کی طلب میں رہنے لگے۔ وہ فرماتے کہ افسوس اب (حقیقی)
طالب ناپید ہیں، یوں تو طالب بہت ہیں مگر اپنی لذت و حظ کے:

قومی کہ کام دل طلبند از شکر لبان — شک نیست عاشقند ولی عاشق خودند"[1]

لاری مزید لکھتے ہیں:

"جب حضرت جامی پر توحید و فنا کی نسبت غالب ہوتی تو وہ کسی کی صحبت
سے خواہ صالح ہوتا خواہ طالح، اجتناب نہ کرتے۔ بلکہ سلسلۂ نقشبندیہ
کے اصولِ تصوف "خلوت در انجمن"[2] کے مطابق وہ باطنی شغل کو ظاہر کے
ساتھ ملائے رکھتے۔"[3]

"رشحات عین الحیات" میں جہاں جامی کے روحانی مرتبۂ کمال اور رفع مقام کا ذکر
ہوا ہے وہاں عوام الناس سے ان کے تعلق اور معاشرے سے آمیزش کو ان کی اخلاقی
تربیت کا اصول اور روحانی مبادیات کی بہترین دلیل سمجھا گیا ہے۔ کاشفی لکھتے ہیں:
"ایک دن (جامی) نے کسی سے پوچھا کیا کام کرتے ہو؟ اس نے کہا" مجھے حضوری

---

[1] تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۱۳۱۔

[2] خلوت در انجمن: حضرت خواجہ بہاء الدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے طریقہ کی بنیاد کس چیز پر ہے۔ انہوں نے فرمایا "خلوت در انجمن" یعنی بظاہر خلق کے ساتھ اور بباطن حق سبحانہ کے ساتھ۔ رشحات عین الحیات: ۴۱۔

[3] تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۱۳۶-۱۳۷۔

ملی ہوئی ہے۔ عافیت کے دامن میں پاؤں لپیٹ کر فراغت کے گوشے میں بیٹھا ہوں۔" جامی نے فرمایا: "پاؤں لپیٹ کر ایک گوشے میں بیٹھ جانا حضوری اور عافیت نہیں ہے بلکہ عافیت یہ ہے کہ اپنی ذات سے نجات پائی جائے۔ پھر کسی گوشہ میں جا بیٹھو، چاہے لوگوں کے درمیان رہو۔"[1]

کاشفی مزید لکھتے ہیں:

"کسی نے اُن (جامی) سے پوچھا "حضرت کیا سبب ہے کہ آپ تصوّف پر کم بولتے ہیں؟" فرمایا "شاید اس لئے کہ ہم دونوں ایک وقت اکٹھے کھیلتے رہے ہیں۔"[2] (یعنی تم مجھے خوب پہچانتے ہو، اب میرے کسی حوے کو تم لاف وگزاف پر محمول کرو گے۔ مترجم)۔ جامی کی طریقۂ نقشبندیہ سے قلبی ارادت کے بارے میں صاحب رشحات کا قول ہے: "وہ (جامی) فرماتے کہ ہم نے طریق خواجگان قدس سرہم میں کسی کو کم دیکھا ہے کہ اس میں ایک قسم کی چاشنی اور کشش نہ ہو۔ اس سلسلے کی ابتدا دوسرے (سلاسل کے) مشایخ کی انتہا ہے جس نے ایک بار اس سلسلے کو قبول کر لیا۔ شاذ و نادر ہی وہ اس سے الگ ہوتا ہے۔ اگر وہ غلبۂ نفس کے ہاتھوں اسے چھوڑ بھی دے تو اسے واپس لوٹا لیا جاتا ہے۔"[3]

جامی کی دل پر توجہ اور ذکرِ قلبی پر صاحب رشحات کا بیان ہے:

"ایک دن کسی نے ان (جامی) سے درخواست کی مجھے کوئی ایسی نصیحت فرمائیے

---

[1] رشحات عین الحیات ۱: ۲۶۵۔

[2] ایضاً: ۲۶۶-۲۶۷۔

[3] ایضاً: ۲۷۰۔

کہ باقی تمام عمر اسی میں مشغول رہوں۔ جامی نے فرمایا کہ کسی نے یہی سوال حضرت مخدوم مولانا سعد الدین قدس سرہ سے بھی کیا تھا تو انھوں نے بائیں پہلو پر ہاتھ رکھ کر قلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں مشغول رہو یہی کام ہے یعنی وقوف قلبی لازم ہے۔ اسی مفہوم پر ان کی رباعی ہے:

ای خواجہ بکوی اہل دل منزل کن — در پہلوی اہل دل دلی حاصل کن
خواہی بینی جمال معشوق ازل — آئینۂ تو دل است رُو در دل کن [1]

کرامات

اگرچہ مندرجہ بالا تمام روایات، تصوف کے مراحل میں جامی کے مشرب اور مذہب کی پاکیزگی، ارفع مقام اور عظمت کی ترجمان ہیں اور اپنی جگہ کشف و کرامت ہیں اور ان کے ہوتے ہوتے جامی سے منسوب کشف و کرامات کے بیان کی ضرورت نہیں رہتی۔ تاہم جامی کے مریدوں اور عقیدت کیشوں نے ان کی کرامات بیان کی ہیں۔ ہمارے خیال میں ان حکایات کا نقل کرنا درویشی اور وارستگی میں جامی کے اعلیٰ مقام کو گھٹا نہیں سکتا تو قطعاً بڑھا بھی نہیں سکتا۔ پھر بھی یہ دیکھنے کے لئے کہ دوسرے لوگ ان کی حیثیت کے کس درجہ تک قائل تھے ہم "رشحات عین الحیات" سے چند حکایتیں نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ صوبۂ گیلان میں ایک شخص چند روز بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔ اس کی اولاد، دوست احباب، اعزاء و اقارب، سب اس کی موت پر ماتم کناں تھے لیکن جب وہ اس کی تجہیز و تکفین کرنے لگے تو اچانک میت میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ مرا ہوا شخص آہستہ

---

[1] رشحات عین الحیات: ۱: ۲۷۱۔

شدت بے ہوشی کی حالت سے آفاقہ پاکر اسی دن صحیح سلامت بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا. لوگ جو تماشا دیکھ رہے تھے، سب مبہوت کھڑے رہ گئے. کسی کو حقیقت حال معلوم نہ ہو سکی. کچھ روز کے بعد اُس شخص نے اپنے چند ہمراز دوستوں کو بتایا کہ جب مرض کی شدت اور اضطراب کے بعد میری روح پرواز کرنے لگی تو اچانک مولانا عبدالرحمٰن جامی ظاہر ہوئے اور مجھ پر توجہ فرمائی تو اسی وقت میرا مرض جاتا رہا. اس واقعہ کے بعد اُس گیلانی شخص نے بیس ہزار تنکی دیبا اور پشم اور کتان کی نفیس اجناس مولانا جامی کی خدمت میں روانہ کیں اور نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے اُن سے سلسلہ (میں داخل ہونے) کی درخواست کی. چنانچہ مولانا نے طریقۂ خواجگان قدس اللہ ارواحہم پر ایک مختصر مگر مفید رسالہ لکھ کر اسے بھیجا اور اس کے اختتام پر تحریر کیا "اگرچہ اس قسم کی باتیں کرنا اور لکھنا اس فقیر کا طریقہ نہیں ہے لیکن آنجناب کی طرف سے اخلاص کی جو خوشبو ہمارے مشام ذوق کو پہنچی وہ باعث تحریر بنی:

با این ہمہ بیحاصلی و ہیچ کسی   درماندہ نارسائی و بوالہوسی

دادیم نشان بگنج مقصود ترا   گر ما نرسیدیم تو شاید برسی[1]

۲- ایک دن حضرت مولانا سیف الدین احمد شیخ الاسلام ہرات[2]، اپنے دوسرے تدریس پیشہ احباب کے ہمراہ مولانا جامی کی خدمت میں آئے. انہوں نے ضیافت کے بعد گویوں اور سازندوں کو محفل میں غزلیں پڑھنے، راگ لگانے[3] اور ساز بجانے کے لئے کہا. اتفاق

---

[1] رشحات عین الحیات ۱: ۲۷۴-۲۷۵.

[2] شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد (م ۹۱۶ھ/ ۱۱-۱۵۱۰ء) مولانا سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں سے تھے. تیس سال تک خراسان میں اسلام کے لئے خدمات انجام دیتے رہے، حبیب السیر ۴: ۳۴۹.

[3] جس فارسی لفظ کا ہم نے اُردو ترجمہ "راگ لگانا" کیا ہے متن میں وہ "نقش پرداختن" (باقی صفحہ ۲۸۰ پر)

سے اس واقعہ کے دو تین دن بعد مولانا جامی چہل قدمی کرتے ہوئے زیارت گاہ کی طرف نکل گئے اور وہاں شیخ شاہ سے جو متقی مشائخ میں سے تھے، ملاقات کی. شاہ صاحب کو پہلے ہی شیخ الاسلام ہرات کی جامی سے ملاقات اور محفل سماع منعقد ہونے کی اطلاع مل چکی تھی. چنانچہ انہوں نے باتوں باتوں میں جامی سے کہا" مولانا آپ تو علمائے عالم کے مقتدا اور عرفائے عرب وعجم کے پیشوا ہیں. پھر آپ کی بابرکت محفل میں گانا بجانا اور (صوفیانہ) رقص کیسا؟" جب شاہ صاحب یہ اعتراض کر چکے تو مولانا جامی اپنا منہ ان کے کانوں کے قریب لے گئے اور چپکے سے کوئی بات کہہ دی جس کا حاضرین مجلس کو پتہ نہ چل سکا. اچانک شاہ صاحب چیخے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور بہت دیر بعد ہوش میں آئے. اب انہوں نے مولانا جامی کی خدمت میں بے حد نیازمندی کا اظہار کیا اور پھر کبھی اس قسم کی بات منہ سے نہیں نکالی.[۱]

میر علی شیر نوائی ایک صاحب نظر اور دانشور شخص ہے. اس نے بھی اپنی کتاب "خمسۃ المتحیرین" میں مولانا جامی کی کرامات پر مبنی چند حکایات درج کی ہیں. ہم یہاں دو ایسی کرامات درج کر رہے ہیں جن سے تاریخی معلومات بھی دستیاب ہوتی ہیں.

۱. سید یم عراقی نام ایک جوان جو مظفر برلاس[۲] کا نوکر اور دیوان خانے کا داروغہ تھا اپنی کم عقلی کے باعث حضرت جامی (کے مقام و مرتبت) کا منکر تھا. ایک دن اپنی اسی فرومائیگی کے ہاتھوں اس نے آنحضرت (جامی) کا دیوان پھاڑ کر جلا دیا. انہی دنوں اس کے

(بقیہ از صفحہ ۲۷۹) ہے. اور "نقش" فارسی میں قوالوں کی اصطلاح میں اس راگ کا نام ہے جو خراسانیوں نے ایجاد کیا. فیروز اللغات (فارسی): ۵۰۸، لاہور.

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] رشحات عین الحیات ا: ۲۷۸.

[۲] امیر مظفر برلاس، سلطان حسین بایقرا کے امراء میں سے تھا. جامی: ۱۵۹.

جسم کا کوئی عضو پھٹ گیا۔ زخم متورم ہو کر اس میں پیپ پڑ گئی۔ جو بالآخر جذام کی صورت اختیار کر گیا اور اس شخص کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔"

۲۔ جب سلطان حسین بایقرا کا وزیر مجد الدین محمد خوافی، جامی کی سفارش سے سلطان کی طرف سے سنائی جانے والی سزائے قید اور شکنجہ سے بچ نکلا[1] اور اس کے میر علی شیر کے ساتھ تعلقات کشیدہ تھے تو:

"مجد الدین محمد جو اپنی شہرت کے باعث محتاج تعارف نہیں، کسی غلطی کی بنا پر بادشاہ نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا اور قید کی سزا سنائی۔ جب رہائی کے لئے اس سے ضامن مانگا گیا تو اس نے حضرت جامی سے اپنی ضمانت کی درخواست کی جو انہوں نے کمال مہربانی سے قبول فرمائی (اور ضمانت دے دی) لیکن وہ بے انصاف (مجد الدین) قید سے چھوٹتے ہی مفرور ہو گیا۔ لیکن دس پندرہ روز بھی نہ گذر پائے تھے کہ دوبارہ گرفتار کر لیا گیا اور اس کی پیشی ہوئی۔ اب کے اُسے نہ صرف جرمانہ ادا کرنے اور شکنجے میں ڈالنے کا حکم دیا گیا بلکہ مامورین دیوان نے اُس کی ساری جائیداد بھی ضبط کر لی۔"

خمسۃ المتحیرین کے اختتام پر علی شیر نے ان رسائل کی نشاندہی کی ہے جو معاصرین نے جامی کے حالات و کرامات پر تحریر کئے ہیں اور لکھا ہے:

"حضرت جامی کی کرامات پر دوسرے لوگوں مثلاً مولانا عبد الواسع اور مولانا احمد پیر شمس کی کتب و رسائل بھی موجود ہیں۔ طالبین ان کتب و رسائل کی طرف رجوع کریں۔"[2]

---

[1] اسی واقعہ کی تفصیل ص ۱۰۴ پر گذر چکی ہے۔

[2] بحوالہ جامی: ۱۶۰۔

جامی کا مزار

جامی کی وفات کا ذکر صفحہ ۲۳۱ پر ہو چکا ہے۔ یہاں ان کے مزار کے بارے میں چند تاریخی اور جغرافیائی معلومات درج کی جاتی ہیں۔

مولانا عبید اللہ بن ابو سعید ہروی نے رسالۂ مزارات ہرات (تالیف ۱۱۹۸ھ/ ۸۴-۱۷۸۳ء) میں جامی کی تدفین کا ذکر یوں کیا ہے:

"خاقان کبیر سلطان حسین میرزا، امیر علی شیر، ارکان حکومت، سادات، علماء اور مشائخ پل توکی[1] کے قریب واقع آنجناب (جامی) کے دولت خانہ[2] تشریف لے گئے۔ تجہیز و تکفین کے بعد آنحضرت کی نعش عیدگاہ ہرات میں لائی گئی اور نماز جنازہ کے بعد انہیں ان کے پیر بزرگوار مولانا سعد الدین کاشغری کے (مزار کے) سامنے دفن کر دیا گیا:

آنحضرت کا مزار قبلۂ حاجات اور کعبۂ مرادات ہے۔ ہرات کے اکثر لوگ ہفتہ کے دن مزار کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اور فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔"[3]

---

[1] پل توکی اب بھی آباد ہے اور اسی نام سے مشہور ہے۔

[2] دولت خانہ، ہرات کا مضافاتی گاؤں ہے اور وہاں جامی کا گھر بھی اسی نام (دولت خانہ) سے مشہور تھا۔ رسالۂ مزارات ہرات: ۱۰۹۔

[3] رسالۂ مزارات ہرات: ۱۰۹۔

مُردجامی بسرِ تُربت او بنویسید　هذه روضة من حلّ به العشق فمات

چونکہ مولانا جامی کی قبر حضرت کاشغری کے مقبرہ میں واقع ہے اس لئے یہ جگہ "تختِ مزار"
کے نام سے مشہور ہے۔ اس احاطہ میں مدفون دیگر بزرگوں کے مزاروں کی تفصیل یوں ہے
۱۔ مولانا عبداللہ ہاتفی۔ مولانا کاشغری کے پائین جانب مدفون ہیں۔ موصوف
جامی کے بھانجے تھے۔
۲۔ مولانا عبدالغفور لاری، ان کی قبر مولانا جامی کے پائین جانب ہے۔
۳۔ مولانا محمد۔ مولانا جامی کے بھائی تھے اور ان کی قبر جامی کی قبر کے سامنے ہے۔

لوحِ مزار

مولانا جامی کی قبر کے سرھانے جو پتھر نصب ہے اس پر درج ذیل عبارت کندہ ہے
ہو الباقی۔ کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ قد اجاب
دعوۃ الحق واتی بقلب سلیم۔ بہ فحوای ندای یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی
ربک راضیۃ مرضیہ۔ طاؤس روح مقدس عنقای قاف لاہوت وشاہباز
بلند پرواز اوج جبروت، مہبط انوار قدم، کاشف اسرار علوم وحکم، مسند نشین کعبہ
عالی مقامی، بلبل خوش آہنگ بہارستان بلند نامی، عارف نامی وقطب
گرامی، مولینا نور الحق والملۃ والدین عبدالرحمٰن الجامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ السامی
از مضیق دامگاہ غرور بوسعت سرای سرور پرواز نمود۔

جامی کہ بود مائلِ جنت مقیم گشت
فی روضۃ مخلدۃ ارضہا السما
کلک قضا نوشت روان بر در بہشت
تاریخہ و من دخلہ کان آمنا

بسعی و اہتمام رستم علیخان این لوح نصب شد۔ از زایرین امید دعای خیر میدارد۔ ۱۳۰۴ھ

جامی کے مزار کا محل وقوع

جامی کا مزار ہرات کے قدیم شہر سے شمال مایل بہ مغرب اور نئی آبادی سے شمال مغرب میں تقریباً ایک کروہ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مزار اور اس کے گرد و نواح کے علاقے کو "خیابان ہرات" کہتے ہیں۔ وہاں سے شمال مغرب میں شیخ زین الدین خوافی کا مزار ہے۔[1] مزار سے تقریباً پندرہ سو قدم پر شمال میں واقع پہاڑی پر سید ابو عبداللہ مختار[2] کی قبر ہے۔ خیابان کے اسی علاقے میں بزرگوں کے مزار کثرت سے واقع ہیں جن میں سے بعض آباد ہیں اور بعض اب اس طرح بے نام و نشان ہو چکے ہیں کہ انکے سابقہ محل وقوع کی گواہی صرف تاریخ کے اوراق ہی دے سکتے ہیں۔

مولانا جامی کے مزار کی آبادی کا نقشہ یوں ہے کہ وہاں ایک صحن، ایک باغ اور ایک باغیچہ ہے۔ صحن ایک ایسے احاطہ پر مشتمل ہے جس کے اردگرد ایک خشتی دیوار ہے۔ صحن پتھر اور اینٹ سے بنا ہوا ہے۔ ان سیاہ اور سفید قدرتی پتھروں کو ایک موزوں اور منظم ترتیب کے ساتھ فرش پر لگایا گیا ہے۔ اس کے وسط میں تقریباً شمال کی طرف اینٹوں کے ایک چبوترے پر مولانا جامی کی قبر ہے۔ صحن کی غربی جانب درمیانی بلندی کا ایک ایوان ہے۔ ایوان کے دائیں بائیں اینٹوں سے تعمیر شدہ دو منزلہ حجرے ہیں۔ ایوان کا محراب مسجد کے محراب

---

[1] رسالہ مزارات ہرات: ۵۴-۵۵ (تعلیقات)

[2] سید ابو عبداللہ مختار (م ۲۷۷ھ/ ۸۹۰ء) ظاہری و باطنی علوم میں، مشائخ ہرات میں بلند مقام رکھتے تھے۔ رسالۂ مزارات ہرات: ۱۷ (متن)، ۵۷ (تعلیقات)۔

کی طرز پر ہے۔ ایوان کی شمالی دیوار میں ½۱ میٹر اونچا پتھر نصب ہے۔ اس پتھر (جس پر ۱۳۲۹ھ کی تاریخ درج ہے) پر ۱۳۲۵ھ میں مرحوم امیر حبیب اللہ خان کے دورۂ ہرات اور ان کے حکم سے جامی کے مزار، باغیچہ اور مسجد کی تعمیر و ترمیم کا ذکر ہے۔

ایوان کے شمالی گوشے میں مسجد ہے۔ مذکورہ بڑے صحن کے دو راستے ہیں۔ ایک مشرقی طرف سے قبرستان کے عین وسط میں سیدھا چلا آتا ہے اور دوسرا صحن کی شمالی سمت سے باغ کی طرف جاتا ہے۔ صحن کے شمال میں چنار کے درختوں کا باغ ہے۔ باغ کا احاطہ خام تھا اور اس کی دیوار دو میٹر اونچی ہے۔ چنار کے بعض مضبوط درخت باغ کی کہنگی کی شہادت دیتے ہیں۔ صحن کی مغربی جانب بھی ایک باغیچہ موجود ہے جس کے ایک کونے میں پختہ اینٹوں سے تعمیر شدہ باورچی خانہ ہے۔ اس باغیچہ میں صنوبر کے دو پرانے درخت ہیں۔ اس باغیچے کا ایک حصہ اب قبرستان میں تبدیل ہو چکا ہے۔

صنوبر کے مذکورہ باغ میں سیڑھیوں کے قریب ایک پختہ حوض تعمیر ہوا ہے۔ باغ کے درمیان اینٹوں سے بنا ہوا آدھا میٹر اونچا چبوترا ہے۔ باغ کی تمام روشیں یہیں آکر ختم ہوتی ہیں۔

مزار کی تولیت

مولانا کے مزار کے لئے وقف تمام مزروعہ زمینوں وغیرہ کا انتظام ہرات کے محکمۂ اوقاف کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن مزار کی تولیت ملا محمد فاروق خلف آخند ملا فیض محمد مرحوم کے پاس ہے[1]۔ مزار، باغ اور صحن کی صفائی کے علاوہ زائرین کی پذیرائی، مسجد جامی کی خطابت

---

[1] یہ تولیت انہیں سے چالیس سال پہلے کی ہے۔

اور امامت انہی کے ذمہ ہے۔ ان کی اقامت گاہ مزار کے قریب ہی جنوبی سمت میں واقع ہے۔

مزار کی نسبت عوام کے عقائد

یہاں کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر ہفتہ کے دن اور رات کو مولانا جامی کے مزار کی زیارت کی جائے تو اس کے خاص اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ شعر زبان زد عام ہے:

ہر کہ آید یوم شنبہ در طواف مولوی
ہر طواف مولوی ہفتاد حج اکبر است
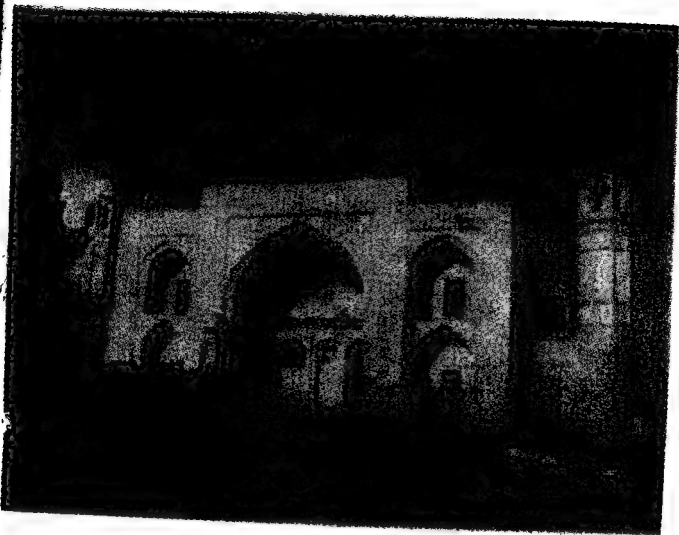
ایوانِ مزارِ جامی

باب سوّم

تصانیفِ جامی

خدابخش پبلک لائبریری پٹنہ میں موجود سلسلۃ الذہب دفتر اوّل مع دیوانِ جامی (مخطوطہ نمبر ۱۸۶) پر یادداشت بخط جامی (مذکورہ کتب خانہ کے شکریہ کے ساتھ)۔

تصانیفِ جامی

تالیفات کی تعداد:

جامی کی متداول تصانیف جو الگ الگ مجموعوں کی صورت میں دنیا کے ہر بڑے کتب خانے میں موجود ہیں، ان میں سے بعض ایران اور ہندوستان (و پاکستان) میں کئی بار طبع بھی ہو چکی ہیں۔ جامی کی تصانیف کی نشان دہی کرنے والا قدیم ترین مؤلف سام میرزا صفوی، صاحبِ "تحفۂ سامی" ہے۔ اس نے جامی کی چھوٹی بڑی، عربی، فارسی، منثور و منظوم ۴۵ تصانیف کے نام درج کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے "جامی نے ساری عمر تصنیف و تالیف میں گزار دی اور ان کی تصانیف اس طرح ہیں:

۱۔ تفسیر قرآن، آیۂ وایای فارھبون تک۔ ۲۔ شواہد النبوۃ۔ ۳۔ اشعۃ اللمعات۔ ۴۔ شرح فصوص الحکم۔ ۵۔ لوامع۔ ۶۔ شرح بعض ابیات تائیہ فارضیہ۔ ۷۔ شرح رباعیات۔ ۸۔ لوائح۔ ۹۔ شرح بیتی چند از مثنوی مولوی۔ ۱۰۔ شرح حدیث ابی ذر غفاری[1]۔ ۱۱۔ رسالہ فی الوجود۔ ۱۲۔ ترجمۂ اربعین حدیث۔ ۱۳۔ رسالۂ لا الٰہ الا اللہ۔ ۱۴۔ مناقب خواجہ عبداللہ انصاری۔ ۱۵۔ رسالۂ تحقیق مذہب صوفی و متکلم و حکیم۔ ۱۶۔ رسالۂ سوال و جواب ہندوستان۔ ۱۷۔ رسالۂ مناسک حج۔ ۱۸۔ سلسلۃ الذہب۔ ۱۹۔ سلامان و ابسال۔ ۲۰۔ تحفۃ الاحرار۔ ۲۱۔ سبحۃ الابرار۔ ۲۲۔ یوسف و زلیخا۔ ۲۳۔ لیلیٰ و مجنون۔ ۲۴۔ خرد نامۂ سکندری۔ ۲۵۔ رسالہ در قافیہ۔ ۲۶۔ دیوان اول۔ ۲۷۔ دیوان ثانی۔ ۲۸۔ دیوان ثالث۔

---

[1] دیکھئے: شرح حدیث ثمانیہ منقول از ابی رزین عقیلی۔ یہی کتاب ص ۳۶۲

۲۹۔ رسالۂ منظومہ۔ ۳۰۔ بہارستان۔ ۳۱۔ رسالۂ کبیر در معما۔ ۳۲۔ رسالۂ متوسط۔ ۳۳۔ رسالۂ صغیر۔ ۳۴۔ رسالۂ اصغر در معما۔ ۳۵۔ رسالۂ عروض۔ ۳۶۔ رسالۂ موسیقی۔ ۳۷۔ منشآت۔ ۳۸۔ فوائد الضیائیہ فی شرح الکافیہ۔ ۳۹۔ شرح بعضی از مفتاح الغیب منظوم و منثور۔ ۴۰۔ نقد النصوص۔ ۴۱۔ نفحات الانس۔ ۴۲۔ رسالۂ طریق صوفیان[1]۔ ۴۳۔ شرح بیت خسرو دہلوی۔ ۴۴۔ مناقب مولوی۔ ۴۵۔ سخنان خواجہ پارسا۔"[2]

جامی کی تصانیف کی یہ وہ جامع ترین فہرست ہے جو اس کے قریب العہد تذکرہ میں درج ہے۔ بعد کے جن تذکرہ نگاروں اور مورخوں نے جامی کے حالات تحریر کئے ہیں وہ یہ تعداد بڑھا چڑھا کر پیش کرتے رہے ہیں۔ اور بظاہر مبالغے سے کام لیتے رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جامی کی کتب و رسائل، شروح و حواشی کی تعداد لفظ "جامی" کے اعداد یعنی ۵۴ کے برابر ہے۔

امیر شیر علی خان لودھی نے تذکرہ "مرآت الخیال" میں جامی کی تصانیف کی تعداد ۹۹ بتائی ہے اس کا کہنا ہے:

"جامی نے ننانوے کتابیں تصنیف کیں جو سب کی سب ایران، توران اور ہندوستان میں اہلِ دانش کے ہاں مقبول ہوئیں اور کوئی بھی ان پر اعتراض نہ اٹھا سکا۔"[3]

ہمیں افسوس ہے کہ لودھی نے اُن ننانوے کتب کے نام نہ گنوا کر اپنے دعوے کی تائید نہیں کی ہے۔

مذکورہ بالا فہرست میں درج کتب کے علاوہ میری نظر سے جامی سے منسوب

---

[1] مولانا لاری نے اس کا نام "رسالہ در طریق خواجگان" بتایا ہے۔ خواجگان سے مراد صوفیائے نقشبندیہ ہی ہیں۔ حکمت۔
[2] تحفۂ سامی: ۹۰، (طبع وحید دستگردی۔ ۱۳۱۴ش) تہران۔ حکمت۔ تحفۂ سامی: ۱۴۶۔۱۴۵، طبع ہمایون فرخ۔
[3] مرآت الخیال: ۹۰، مطبوعہ بمبئی۔ حکمت۔

ایک اور منظوم کتاب "تجنیس اللغات" یا تجنیس الخط" بھی گزری ہے، جس کا ایک مصرعہ ہے:

مصر شہر و شہر ماہ و ماء آب و خوف سہم

بظاہر یہ کتاب لندن اور کلکتہ سے چھپ چکی ہے[1]

مولانا عبدالغفور لاری نے اپنے استاد جامی کی ۴۷ تصانیف کے نام درج کئے ہیں اور تحفۂ سامی میں مذکور ۴۵ کتب پر مندرجہ ذیل ناموں کا اضافہ کیا ہے:

۱۔ شرح ابی رزین عقیلی۔ ۲۔ رسالۃ فی الواحدہ۔ ۳۔ صرف فارسی منظوم و منثور۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ لاری کی مندرجہ فہرست، تحفۂ سامی سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔

تألیفات کا فروغ:

جامی کی کتابیں ان کی زندگی ہی میں مقبول اور متداول ہو گئی تھیں۔ لاری لکھتے ہیں:

"حضرت جامی کے فضائل و کمالات کے درخت پر جو پھل لگا، ان کے موتی اگلنے والے قلم سے جو نکتہ روشن ہوا، ان کے حقیقت نگار خامہ سے جو دقیقہ صادر ہوا وہ صفحۂ ہستی پر قائم ہو گیا اور جریدۂ فلک پر ثبت ہو گیا۔ لوگ ان کی تصانیف بڑے شوق سے پڑھتے تھے"[2]

لاری آگے چل کر لکھتے ہیں:

"حضرت جامی جس کتاب کی تصنیف اور رسالے کی ترتیب میں بھی مصروف ہوتے اسے تھوڑی مدت ہی میں پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتے"[3]

مولانا جامی کی کتب کے فروغ کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی جن معاصر سلاطین اور

---

[1] تفصیل کے لئے زیرِ نظر کتاب کا ص ۲۱۲ اور ۲۳۱ دیکھئے۔

[2] تکملہ حواشی نفحات الانس: ۳۸۔

[3] ایضاً: ۳۹۔

اکابر کے ساتھ خط و کتابت تھی انہیں وہ اپنی کتابیں تحفۃً بھیجتے اور خود سلاطین بھی جب آپس میں تحفوں کا تبادلہ کرتے تو جامی کی کتب بھی اُن تحائف میں شامل ہوتی تھیں۔[1]

کتاب "الشقائق النعمانیہ فی علماء دولۃ العثمانیہ" میں ایک واقعہ درج ہے جو ہمیں جامی کی کتب کے متداول ہونے کی ایک اور شہادت فراہم کرتا ہے۔ واقعہ ملاحظہ ہو:

"مولائے اعظم سیدی محی الدین الفناری اپنے والد مولانا علی الفناری سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد، منصور سلطان محمد خان فاتح کی چھاونی میں قاضی تھے۔ ایک دن سلطان ان سے کہنے لگا کہ متلاشیانِ حق کو متکلمین، صوفیہ اور حکماء سے اختلاف ہے۔ میرے خیال میں ان گروہوں کا محاکمہ ہونا چاہیئے۔ میرے والد بولے "مولانا عبدالرحمٰن جامی کے سوا کوئی دوسرا شخص ان کا محاکمہ نہیں کر سکتا"، چنانچہ سلطان نے تحائفِ مسنونہ کے ساتھ ایک قاصد مولانا کی خدمت میں بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ وہ یہ محاکمہ انجام دیں۔ جامی نے جواباً جو مکتوب لکھا اس میں چھ مسئلوں پر اُن (تینوں) مکاتبِ فکر کا فیصلہ کرنا چاہا۔ ان میں سے پہلا مسئلہ "وجود" کا تھا۔ جامی نے سلطان سے دریافت کیا کہ "اگر یہ تحریر پسند ہو (اور اس کا جواب مل جائے) تو باقی مسائل پر بھی قلم اٹھایا جا سکتا ہے ورنہ وقت ضائع کرنے والی بات ہوگی"۔ (افسوس کہ) یہ خط سلطان محمد خان کی وفات کے بعد روم پہنچا اور اب میرے والد کے پاس محفوظ ہے۔"[2]

یہ وہی رسالۂ تحقیق مذہب صوفی و متکلم و حکیم ہے اور اس کا ذکر جامی کی فہرستِ کتب میں ہو چکا ہے۔[3]

---

[1] تفصیل ص ۱۱۵ پر گزر چکی ہے۔

[2] الشقائق النعمانیہ: ۲۹۲ مطبوعہ مصر۔ حکمت۔

[3] نیز دیکھیے ص ۲۰۷، ۲۰۳ اور ۲۱۰۔

منشآتِ جامی کے مطالعہ سے بھی یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جامی قسطنطنیہ سے لے کر ہندوستان تک اور سمرقند سے شیروان و تبریز تک تمام سلاطین، علماء، وزراء اور فضلاء سے خط و کتابت کرتے تھے اور وہ لوگ جامی سے ان کی تصانیف کے طلبگار رہتے۔

ایشیا اور یورپ کے کتب خانوں میں جامی کی مثنویات، دواوین اور دیگر نثری کتابوں کے بے شمار قلمی نسخے موجود ہیں، جن میں سے بعض خود جامی کی زندگی میں یا ان کے قریبی دور میں بڑی نفاست اور تذہیب و تزئین کے ساتھ لکھے گئے اور خوبصورت جلدیں بندھوا کر ان کی حفاظت کی جاتی رہی۔[1]

تحقیق و تصنیف کا زمانہ اور تصانیف میں تنوع :

جامی نے تألیف کا کام عمر کے درمیانی حصے میں شروع کیا۔ ان کی پہلی تصنیف "حلیۂ حلل" ہے۔ فن معما گوئی پر یہ کتاب جامی نے ۸۵۶ھ میں مرزا ابوالقاسم بابر بادشاہ کے نام پر لکھی۔ اس وقت جامی کی عمر انتالیس سال تھی، جیسا کہ صاحب حبیب السیر نے جامی کے حالات میں لکھا ہے:

> "مرزا ابوالقاسم بابر کے زمانے میں اُسی کے نام پر فن معما پر رسالہ "حلیۂ حلل" لکھا اور سلطان سعید مرزا سلطان ابوسعید کے عہد میں اپنے دواوین مرتب کئے اور تصوف پر رسائل لکھے۔ دیگر تألیفات و تصانیف خاقان منصور (سلطان حسین بایقرا) کے زمانے میں حیطۂ تحریر میں آئیں۔"[2]

---

[1] دنیا کی مختلف فہارس مخطوطات عربی و فارسی میں جامی کی تصانیف کے نسخوں کی ظاہری آرائش و زیبائش کی کیفیت دیکھی جا سکتی ہے۔

[2] حبیب السیر ۴ : ۳۳۸۔

جامی نے اپنا تیسرا دیوان "خاتمۃ الحیٰوۃ" ۸۹۶ھ میں مرتب کیا یعنی اپنی وفات سے تقریباً ایک سال پہلے۔[1] پس ان کی تصانیف کا تنوع اور ظہور ان کی عمر کے دوسرے حصّے میں ہوا یعنی چالیس سال سے اسّی سال کی عمر تک کے زمانے میں۔ چالیس برس کی اس مدّت میں زبان کے لحاظ سے انھوں نے فارسی اور عربی میں کتابیں لکھیں، لیکن موضوعات کے اعتبار سے ان کتب کا میدان بڑا وسیع ہے اور یہ تفسیر، فقہ، تصوّف، حدیث، اخلاق، شعر، صرف و نحو، عروض و قافیہ، معمّا اور تذکرہ وغیرہ کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان کی تصانیف کی مزید فرعی تقسیم، نثر و نظم کی ہو سکتی ہے۔ بہر حال آیئے اب مولانا کی ہر تصنیف کا الگ الگ جائزہ لیتے ہیں:

تصانیف

افسوس کہ مولانا کی تمام تصانیف ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ تاہم تہران میں میسّر وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ہم مولانا کی جن کتب کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں ان کا تاریخ تصنیف کے لحاظ سے ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔[2]

---

[1] فوائد الضیائیہ اس سے بعد یعنی ۱۱ رمضان، ۸۹۷ھ میں تالیف ہوئی۔

[2] بعض مقامات پر جناب حکمت نے یہ تاریخی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی اور درمیان میں مجہول التاریخ کتابوں کا ذکر کر دیا ہے۔ مثلاً رسالۂ در فن قافیہ (ص ۲۹۹)، رسالۂ تجنیس خط (ص ۳۱۲)، رسالۂ نائیہ (ص ۳۳۱)۔
ہم نے جناب حکمت کے لکھے ہوئے تصانیف کے زیر نظر حصّہ کو منظّم کرنے کے لیے ان کی عبارات و جملات کو قدرے پس و پیش کیا ہے۔ البتّہ ان کی مندرجہ معلومات میں تصرّف نہیں کیا۔ اور وہ اپنی جگہ پر موجود ہیں۔ یہاں جس تکملۂ نوشاہی کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اسی حصّہ کے بعد میں ہے۔

۱۔ رسالۂ کبیر موسوم بہ حلیۂ حلل

یہ رسالہ ۸۵۶ھ/۱۴۵۲ء میں تصنیف ہوا جس کا انتساب جامی نے اپنے معاصر بادشاہ ابوالقاسم بابر، بادشاہ ہرات وخراسان (م ۸۶۱ھ/ ۵۷۔ ۱۴۵۶ء) کے نام کیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب فنِ معما پر ہے اس لئے شاہ مذکور کا نام بھی بطور تعمیہ آیا ہے متن میں بھی جا بجا شاہ کے نام کے کئی معمے ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں جامی لکھتے ہیں:

نام شاہ اندر معمی گفتہ بہ	زان کہ آن در است و درناسفتہ بہ
نامش ار خواہم بگویم آشکار	از شکوہ افتد زبان من زکار
آن گہر را بیک اخفا می کنم	درج در درج معمی می کنم

ابتداء: "بعد از گشایش مقال بستایش نخجستہ مآل دانائی کہ معانی حقیقت ذاتش در ملابس اسماء چون حقایق اسماء در کسوت معمی جلوۂ نمایش یافت۔"

اختتام: "تمام شد تسوید این بیاض و ترشیح این ریاض بر دست متجرع جام تلخ کامی عبدالرحمٰن بن احمد الجامی وفقہ اللہ لحل معمیات اسماء الحسنیٰ والکشف عن الغاز صفاتہ العلیا لسنۃ ست وخمسین وثمان مائۃ۔"

سببِ تالیف بتاتے ہوئے جامی نے لکھا ہے کہ وہ مولانا شرف الدین علی یزدی (م ۸۵۸ھ) کی کتاب "حلل مطرز در معمی و لغز" کی تلخیص کرنا چاہتے تھے لہٰذا جامی نے مولانا یزدی کا نام نہایت احترام سے لیا ہے اور اپنے اس رسالے کا نام بھی اسی مناسبت سے "حلیۂ حلل" رکھا ہے۔

کتاب چند فصول و ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب کا نام موتیوں کی خصوصیات اور موتی بیچنے والوں کی اصطلاحات پر رکھا ہے۔ یعنی:

افسر۔ در مقدمہ۔

ترصیع ۔ در کلیات ۔

عقد اوّل : در اعمال تسہیلی، مشتمل بر چہار سمط، سمط اوّل در عمل استاد، سمط ثانی در عمل تحلیل سمط ثالثہ ۔۔ در عمل ترکیب سمط رابع در عمل تبدیل ۔

عقد دوم : در اعمال تحصیلی، مشتمل بر ہشت سمط ۔ سمط اوّل در عمل تنصیص و تخصیص سمط ثانی در عمل تسمیہ سمط ثالث در عمل تلمیح سمط رابع در عمل مترادف و اشتراک سمط خامس در عمل کنایت سمط سادس در عمل تصحیف سمط سابع در عمل استعارہ و تشبیہ سمط ثامن در اعمال حسابی ۔

عقد سوم : در اعمال تکمیلی، مشتمل بر سہ سمط، سمط اوّل در عمل تالیف سمط ثانی در عمل اسقاط سمط ثالث در عمل قلب : ۔

چوں کہ یہ کتاب جامی کے جوانی کے دنوں کی یادگار ہے لہٰذا اس میں ایسے دلچسپ مضامین نمایاں ہیں جن کے لئے دماغی اور فکری ورزش کی ضرورت ہوتی ہے ۔

[رک : تکملۂ نوشاہی : ۳۹۷]

۲۔ رسالۂ صغیر ۔ یہ بھی فن معمّا میں ہے ۔

ابتدا : بنام آنکہ ذات او ز اسما بود پیدا چو اسما از معمّی

معمائیست عالم کانچہ خواہی در او پیداست اسمای الٰہی

اس رسالہ کی تاریخ تالیف معلوم نہیں ہو سکی البتہ وہاں جامی کی ایک ایسی غزل بطور تعمیہ موجود ہے جس سے کلمۂ "شاہ ابو الغازی سلطان حسین بہادر خان مد اللہ تعالیٰ ظلال جلالہ" استخراج ہوتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رسالہ سلطان حسین میرزا (م ۹۱۱ ھ) کے زمانے میں اس کی عمر کے آخری دنوں میں لکھا گیا ۔ مذکورہ غزل کے دو اشعار یہ ہیں :

شہری نہادہ روی براہ توجانفشان بہر نثار مقدمت افشاند جان روان

ابروی تو مہی است درآغاز نوشدن در برج آفتاب درخشان شدہ عیان

رسالۂ کبیر کی طرح اس کے مضامین کی تقسیم بھی چار اقسام پر ہوتی ہے یعنی تسہیلی، تحصیلی، تکمیلی، تذییلی۔ اور ہر قسم کے ذیل میں چند اعمال بیان کئے گئے ہیں، جن کی وضاحت کے لئے قطعات واشعار درج ہیں جو بجائے خود معما ہیں۔

فن معما پر جامی کے دو مزید رسائل بھی پائے جاتے ہیں، جن میں سے ایک کا ذکر فہرست مخطوطات برٹش میوزیم میں ہوا ہے[1] اس کا آغاز مندرجہ ذیل شعر سے ہوتا ہے:

چو از حمد و تحیّت یافتی کام بدان ای در معمّی طالب نام

[رک: تکملۂ نوشاہی: ۲۹۷]

۳۔ رسالہ در فن قافیہ یا الرسالۃ الوافیہ فی علم القافیہ

ابتدا: "بعد از تیمن بموزون ترین کلامی کہ قافیہ سنجان انجمن فصاحت بدان تکلّم کنند"؛

اس رسالہ کی تاریخ تالیف مجہول ہے مقدمے میں بھی کسی کا نام نہیں لیا گیا جس سے زمانۂ تصنیف متعیّن ہو سکے۔ سبب تالیف میں جامی نے صرف اتنا لکھا ہے:

"این مختصریست وافی بقواعد علم قوافی کہ بموجب اشارت بعضی از اجلۂ اصحاب و اعزہ احباب صورت تحریر و سمت تقریر می یابد"۔

یہ رسالہ ایک مقدمہ، پانچ فصول اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے:

مقدمہ: در تعریف قافیہ و ردیف۔

1- Charles Rieu: Cat: of the Persion Manuscripts in the British Museum Vol: II, نسخہ نمبر OR.1164 ورق ۵۷-۶۳

فصل اوّل : اصطلاحات علم قافیہ

فصل دوم : حرکات قافیہ

فصل سوم : صناعات قافیہ

فصل چہارم : روی مطلق و مقید

فصل پنجم : عیوب قافیہ

خاتمہ : قافیۂ معمول و غیر معمول

اس رسالے کا اختتام کمال اسمٰعیل کے اس قصیدے پر ہوتا ہے جس کا مطلع ہے:

برتافتہ است بخت مرا روزگار دست | نا نم نمیرسد بسر زلف یار دست

اس قصیدہ میں لفظ "کارد" کا استعمال بطور قافیہ ہوا ہے۔ "بروجہی کہ حرف دال را ... جانب ردیف اعتبار کردہ است چنانچہ میگوید:

خصم شتر دلت را قربان ہمی کند | زانروی سود ذابح آهخته کارد ست

[رک : تکملۂ نوشاہی: ۳۹۶]۔

۴۔ نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص

یہ شرح ۸۶۳ھ/۱۴۵۹ء میں لکھی گئی۔ جیسا کہ اختتام کی عبارت سے ظاہر ہے۔

ابتداء : الحمد للہ الذی جعل صفائح قلوب ذوی الہمم قابلۃ لنقش فصوص الحکم۔

اختتام: "فارغ شد از جمع این فوائد و نظم این فرائد پای شکستہ زاویۂ خمول و گمنامی عبدالرحمٰن احمد الجامی متمماً لہا بہذہ الکلمات المنظومہ۔

این تازہ رقم کہ زد زمانہ | بر لوح بقای جاودانہ
تاش بر ناقدان این فن | زان نقد نصوص شد معیّن
الحمد لملہم السرائر | کامد بمبارکی بآخر

پیوست ز حسن سعی اقلام   در ہشتصد و شصت و سہ بانجام"

مقدمہ میں جامی فرماتے ہیں:

"کتاب نقش الفصوص تالیف امام محی الدین محمد بن علی بن العربی مختصری از کتاب فصوص الحکم وی میباشد بجہت تصحیح عبارات و توضیح اشارات بی تکلف و تصرف جمع و کتابت نمودم و از کلمات سایر شارحین فصوص الحکم، مانند صدرالدین القونیوی و شیخ موید الدین جندی و شیخ سعدالدین سعید الفرغانی برآن افزودم وآن را بنقد النصوص فی شرح نقش الفصوص موسوم کردم."

فارسی اور عربی کی مخلوط نثر میں یہ کتاب بے حد سلیس اور رواں ہے. اکابر کے اشعار بطور حوالہ استعمال ہوئے ہیں. کتاب کے مفصل دیباچہ میں اصطلاحات کے معانی اور مقدمات کا بیان ہے. اس کے بعد کتاب "فصوص" کی ترتیب کے مطابق شرح لکھی گئی ہے، جو "فص حکمۃ الٰہیۃ فی کلمۃ آدمیۃ" سے شروع ہو کر "فص حکمۃ فردیہ فی کلمۃ محمدیہ" پر اختتام پذیر ہوتی ہے.

[رک: تکملۂ نوشاہی: ۳۹۱].

۵۔ لوایح

مسجع فارسی نثر میں یہ کتاب شاہ ہمدان کے لئے لکھی گئی جیسا کہ مقدمے میں ایک رباعی سے ظاہر ہوتا ہے:

سفتم گہری چند چو روشن خردان   در ترجمۂ حدیث عالی سندان
باشد ز من ہیچ مدان معتمدان   این تحفہ رسانند بشاہ ہمدان

اس شاہ ہمدان سے مراد غالباً جہان شاہ قرہ قویتلو ترکمان ہے. چونکہ ہرات والوں کے ہاں اس کا نام اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا لہٰذا جامی نے بھی (رائے عامہ کا احترام کرتے

ہوئے) اس کا نام نہیں لیا یا بعد میں حذف کر دیا۔ مصنف نے تاریخ تألیف کی تصریح نہیں کی لیکن ہمارے خیال میں یہ کتاب تقریباً ۸۷۰ھ/ ۶۶-۱۴۶۵ء میں لکھی گئی، جو کہ جہان شاہ کے عروج کا ابتدائی زمانہ ہے۔

[ابتدا: "لا احصی ثنا علیک کیف وکل ثنا یعود الیک جل عن ثنائی جناب قدسک انت کما اثنیت علی نفسک:"

اختتام:

"ای کر غمش افتادہ چاکت بکفن — آلودہ مکن ضمیر پاکت بسخن
چون لال توان بود درو گرپس ازین — لب را گجتا بنطق خاکت بدہن]

تصوّف کے نادر نکات پر مبنی یہ کتاب چند "لایحہ" پر مشتمل ہے۔ ہر "لایحہ" ایک یا ایک سے زائد فصیح رباعیات پر ختم ہوتی ہے۔ [رک: تکملۂ نوشاہی، ص ۳۸۸]۔

۶۔ لوامع فی شرح الخمریہ

ابن فارض[1] کے عربی قصیدۂ خمریہ کی فارسی شرح ہے جو صفر ۸۷۵ھ/ ۱۴۷۰ء میں اختتام پذیر ہوئی۔ ہر فصل کو "لامعہ" کا نام دے کر کتاب کا نام "لوامع" رکھا گیا ہے۔

ابتداء: سبحانہ من جمیل لیس لوجہہ نقاب الا النور (و لجمالہ حجاب الا الظہور۔۔ ای گشتہ نہان زغایت پیدایی ۔۔ ای بحرمت آنانکہ بکام)۔

شرح کا نمونہ ملاحظہ ہو:

شربنا علی ذکر الحبیب مدامۃ — سکرنا بہا من قبل ان یخلق الکرم

---

[1] شیخ عمر بن ابی الحسن حموی مصری معروف بہ ابن فارض (۶۳۲-۵۷۶ھ)۔ عربی کے عظیم شعرا میں سے تھا۔ قاہرہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔ حکمت۔

روزی کہ مدار چرخ و افلاک نبود   و آمیزش آب و آتش و خاک نبود

بر یاد تو مست بودم و بادہ پرست   ہر چند نشان بادہ و تاک نبود

بظاہر مندرجہ بالا رباعی لکھتے وقت اس مشہور غزل کا مطلع جامی کے پیش نظر تھا.

بودم آن روز دراین میکدہ از درد کشان

کہ نہ از بادہ نشان بود نہ از تاک نشان

لما البدر کاس و ھی شمس یدیرھا   ھلال وکم یبدو اذا مزجت نجم

ماہست تمام جام و می مہر منیر   و آن مہر منیر را ھلالست مدیر

صد اختر رخشندہ ھویدا گردد   چون آتش می ز آب شو لطف پذیر

[رک : تکملۂ نوشاہی، ص ۳۸۶].

۷۔ ارکان الحج

جامی نے یہ رسالہ ۲۲ شعبان المعظم ۸۷۷ھ/۲۲ جنوری ۱۴۷۳ء کو دوران سفر حجاز بغداد میں لکھا.

ابتدا: "الحمد للہ الذی جعل الکعبۃ البیت الحرام مثابہ للناس و احل طوائف الطائفین حولہا محل الائتلاف بہا والاستیناس".

اختتام: "وقع الفراغ من تألیف ھذہ الاوراق وجمعہا ضحوۃ یوم الخمیس الثانی والعشرین من شعبان المنتظم فی شہور سنۃ سبعین وثمان مائۃ بمدینۃ الاسلام بغداد وقت التوجہ الی بیت اللہ الحرام، وانا الفقیر عبدالرحمن بن احمد الجامی وفقہ اللہ لما یحبہ ویرضاہ".

یہ فارسی رسالہ جس میں عربی کی آمیزش بھی ہے، حج و عمرہ کے ارکان کے فرائض، مناسک اور مستحبات سے متعلق ہے. مدینہ منورہ میں روضۃ النبی اور جنت البقیع میں ائمہ کی قبور

کی زیارت کے آداب و رسوم کو ائمۂ اربعہ کی فقہ اور مذہب کے مطابق درج کیا گیا ہے. جیساکہ جامی لکھتے ہیں "تا طالب صادق بقدر وسع و طاقت چنانکہ طریقۂ سنیہ طایفۂ صوفیہ است میان آنہا جمع تواند کرد و از محل خلاف بیرون تواند آمد" اس رسالہ پر امام نووی سے منقول جو حواشی لکھے گئے ہیں وہ بظاہر خود جامی ہی کے ہیں.

یہ کتاب آٹھ فصول پر مشتمل ہے :

فصل اوّل : مقدمات و فضائل و شرایط حج.

فصل دوم : ارکانِ حج.

فصل سوم : محظورات حج.

فصل چہارم : وجوہ ادای حج.

فصل پنجم : طواف.

فصل ششم : ذکر تفاصیل ارکان و سنن و اداب و ادعیہ حج.

فصل ہفتم : آداب زیارت روضۂ رسول.

فصل ہشتم : آداب زیارت قبور اہلِ بیت رسالت.

اس رسالے سے جامی کا فقۂ اسلام کے مبادی و فروع میں تبحر عیاں ہے.

[رک ، تکملۂ نوشاہی ، ص۳۶۷]

۸ ۔ نفحات الانس من حضرات القدس

اس فارسی کتاب کی تالیف امیر نظام الدین علی شیر کی درخواست پر ۸۸۱ھ/۷۶-۱۴۷۷ء میں شروع ہوئی اور یہ ۸۸۳ھ/۱۴۷۸ء میں مکمل ہوئی. تاریخ تالیف پر مشتمل رباعی یہ ہے :

این نسخہ مقتبس ز انفاس کرام | کز وی نفحات انست آید بمشام
از ہجرت خیر بشر و فخر انام | در ہشتصد و ہشتاد و سوم گشت تمام
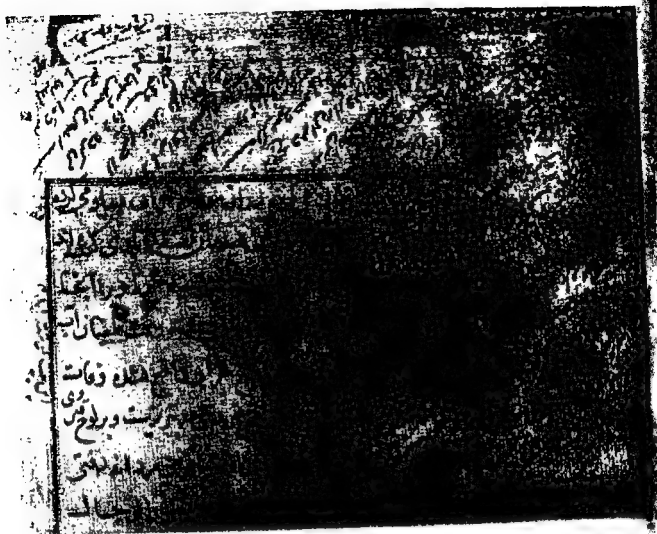
نفحات الانس (قلمی) متعلق بہ کتابخانۂ شاہزادہ مظفر حسین میرزا بن ابو الغازی سلطان حسین بایقرا
بقلم محمد بن عبد الکریم الحسینی۔ حاشیہ بخط مولانا جامی (ملاحظہ ہو "جامی" از حکمت ص ۱۷۶–۱۷۷)

جامی نے نفحات الانس کی تألیف کا سبب اور کیفیت یوں بیان کی ہے :

"چون کتاب "طبقات الصوفیہ" تالیف ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین السلمی النیسابوری[1] که شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبداللہ بن محمد الانصاری در مجالس و مجامع موعظت املا میفرموده اند و سخنان دیگر بعضی از مشایخ که در آن کتاب مذکور نشده و بعضی از اذواق و مواجید خود بر آن می افزوده، و یکی از محبان مریدان آن را جمع می کرده و در قید کتابت می آورده است، اما چون بزبان ہروی قدیم که در آن عہد معہود بوده وقوع یافته و بتصحیف و تحریف نویسندگان بجائی رسیده که در بسیاری از مواضع فہم مقصود بسہولت دست نمی دہد و الیضا مقتصرست بر ذکر بعضی متقدمان و از ذکر بعضی دیگر و نیز از ذکر حضرت شیخ الاسلام[2] و معاصرین و متأخرین از وی خالی است۔"

اس طرح مولانا جامی کو خیال گذرا کہ "طبقات الصوفیہ" کو مروجہ زبان میں تحریر کیا جائے اور دیگر معتبر کتب سے استفادہ کر کے اس پر اضافات کئے جائیں، جن بزرگوں کے حالات و مقامات، معارف و کرامات، تاریخ پیدائش و وفات، طبقات میں درج نہیں، وہ نفحات میں لکھے جائیں۔

نفحات الانس میں مجموعی طور پر ۶۱۶ اکابر کے حالات و مناقب درج ہیں جن میں سے ۵۸۲ عرفاء اور ۳۴ عارفات ہیں۔ کتاب کے ابتداء میں ایک مفصل مقدمہ ہے۔ جس میں صوفیہ کی اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے اور حقیقی صوفی، عارف کی معرفت اور ان

---

[1] متوفی ۴۱۲ھ۔ حکمت۔

[2] مراد خواجہ عبداللہ انصاری ہیں، حکمت۔

کی کرامات، خوارق کا حال درج ہے۔ کتاب ابو ہاشم صوفی کے حالات سے شروع ہو کر خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی کے احوال پر ختم ہوتی ہے۔ عارفات میں سے ابتداء رابعہ علویہ سے کی گئی ہے اور انہیں امراۃ فارسیہ کے ذکر پر ختم کیا ہے۔[۱]

ایڈورڈ براؤن نے تاریخ ادبیات ایران جلد سوم میں "نفحات الانس" پر بحث کے لئے ایک مستقل باب مخصوص کیا ہے اور تیموری عہد کے اواخر میں لکھے جانے والے تذکروں میں اس کتاب کو نہ صرف سرفہرست رکھا ہے بلکہ جامی کو (بحیثیت تذکرہ نگار) شیخ فریدالدین عطار صاحب تذکرۃ الاولیاء کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ نفحات الانس کے بارے میں پروفیسر براؤن نے بڑی حق بجانب رائے قائم کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ کتاب اسی جدید اور سلیس انداز میں لکھی گئی ہے جو اس نوعیت کی کتابوں کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ درحقیقت اس کتاب کی تالیف میں جامی کا ذوق اس قدر لطیف اور نیت اس درجہ پر خلوص رہی ہے کہ وہ خود کو لفاظی اور عبارت سازی میں الجھا نہیں سکے اور نہ ہی اُس عہد کے دیگر لکھنے والوں کی طرح اس "عیب" کے مرتکب ہوئے ہیں۔"[۲]

بے شک زبان و بیان کے اعتبار سے نفحات الانس نویں صدی ہجری کی فارسی نثر کی بہترین

---

[۱] جناب حکمت کے پاس نفحات الانس بخط محمد بن عبدالکریم حسینی میرزا نسخہ تھا جو کبھی شاہزادہ مظفر حسین مرزا خلف سلطان حسین بایقرا کے کتب خانہ کی زینت تھا جس کے بارے میں جناب حکمت کی رائے ہیں کہ اس کے اکثر حواشی جامی کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں ۱۸ صفحات (از بقیہ حال ابوالقاسم القصیری تا آخر احوال موسیٰ بن عمران جیرفتی) مکمل طور پر جامی کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ (جامی از حکمت: ۱۷۶-۱۷۷)۔

[۲] از سعدی تا جامی: ۵۳۰

کتابوں میں سے ایک ہیں۔

مولانا جامی کے شاگرد رشید مولانا رضی الدین عبد الغفور لاری نے نفحات الانس پر ایک مفصل حاشیہ تحریر کیا۔ یہ حاشیہ خاص طور پر جامی کے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کے لئے لکھا گیا تاکہ وہ نفحات الانس کے مشکل مقامات کو بخوبی سمجھ سکیں۔ حاشیہ مذکور مولانا جامی کے مبسوط حالات پر ختم ہوتا ہے۔ [رک: تکملہ نوشاہی، ص ۲۷۶]۔

۹۔ سخنان خواجہ پارسا

اس رسالہ کی تاریخ تالیف معلوم نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ نفحات الانس سے بعد کی تالیف ہو۔

ابتداء: "بعد از گذارش مقال بستایش خجستہ مآل ملک متعال [و توسل بہ درود فرخندہ ورود صاحب آیات تکمیل و اکمال]۔"

اختتام: "ولکن لایجوز ان یغفل عن تبعیۃ نورہ لنور الشمس۔"

جامی کی خواجہ محمد پارسا سے ارادت ہی اس رسالہ کی تصنیف کا باعث بنی یوں بھی جامی سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ تھے اور خواجہ محمد پارسا بخارائی اس سلسلہ کے سربرآوردہ مشائخ میں سے ہیں۔ پانچ سال کی عمر میں جامی نے خواجہ موصوف سے ملاقات کی تھی (جس کا ذکر ہم صفحہ ۱۴۹ پر کر چکے ہیں) زیر نظر رسالہ کے مقدمہ میں جامی لکھتے ہیں:

"چون بعضی از کلمات خواجہ محمد پارسا بخاری در مواضع متفرقہ ثبت افتادہ بود، بنا بر خلوص اعتقاد و وفور اعتماد در قید کتابت آوردہ شد و در این صحیفہ ملتقطہ جمع کردہ گشت تا طالبان مستعد را آموزگاری بود و واصلان مستعد را یادگاری باشد۔"

عشاق ہر کجا رقم کلک آن نگار — یابند بروی از مژہ گوہر فشان کنند
ہر یک گرفتہ حرفی از آنجا بیادگار — تعویذ جان و حرز دل ناتوان کنند"

جامی نے اس رسالے میں خواجہ محمد پارسا کے جو متفرق ملفوظات درج کئے ہیں وہ عربی اور فارسی زبان میں ہیں۔ دونوں زبانوں میں طرزِ تحریر بے حد سلیس اور رواں ہے۔ یہ ملفوظات جذب و حال سے پُر اور تصوّف کے بہترین نکات پر مشتمل ہیں۔
[رک: تکملۂ نوشاہی، ص ۳۷۳]۔

۱۰۔ شواہد النبوۃ

یہ فارسی کتاب ۸۸۵ھ/ ۱۴۸۰ء میں تصنیف ہوئی۔ مادۂ تاریخ تألیف "تمتہ" ہے جو کتاب کے آخر میں یوں آیا ہے:

درآنوقت اتمام آن دست داد — کہ "تمتہ" بود تاریخ سال
۸۸۵

ابتداء: الحمد للہ الذی ارسل رسلا مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل۔

مقدمہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب بھی امیر علی شیر نوائی اور ان دوستوں کی درخواست پر لکھی گئی جنہوں نے اس سے پہلے "نفحات الانس" لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ جامی بھی چاہتے تھے کہ حضرت رسولِ اکرمؐ، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور صدرِ اوّل تک کے صوفیہ کے حالات پر الگ کتاب تألیف کی جائے جو "نفحات الانس" کے ساتھ ملا کر حضرت رسولِ اکرمؐ سے لے کر ان (جامی) کے عہد تک کے بزرگانِ اسلام کی ایک تاریخ بن جائے۔

یہ کتاب ایک مقدمہ، سات رکن اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقدمہ : نبی اور رسول کے معنی اور اس سے متعلقات۔
پہلا رکن : آنحضرتؐ کی ولادت سے قبل کے شواہد و دلائل۔

دوسرا رکن : ولادت سے بعثت تک کے حالات۔

تیسرا رکن : بعثت سے ہجرت تک کے حالات۔

چوتھا رکن : ہجرت سے وفات تک کے حالات۔

پانچواں رکن : بعد از وفات ظہور پذیر ہونے والے آنحضرت سے متعلق حالات۔

چھٹا رکن : صحابۂ کرام اور ائمہ اہلبیت کے حالات۔

ساتواں رکن : تابعین، تبع تابعین اور صوفیہ کے حالات۔

خاتمہ : منکرین کی عقوبت کا بیان۔

چونکہ مصنف نے چھٹے رکن میں خلفائے اربعہ کی بالتصریح فضیلت بیان کی ہے اس لئے یہ کتاب ایران اور عراق میں فارسی بولنے والے شیعوں کے ہاں مقبول نہ ہوئی اور اسے کما حقہٗ شہرت نہ مل سکی۔

کتاب کی زبان سادہ مگر پختہ ہے۔ کہیں بھی عبارت آرائی اور صنائع وبدائع سے کام نہیں لیا گیا۔ جہاں حوالے کی ضرورت تھی صرف وہاں اشعار درج کئے ہیں ورنہ اس سے بھی احتراز کیا گیا ہے۔ تاہم عربی احادیث و روایات بکثرت موجود ہیں۔ [رک : تکملۂ نوشاہی، ص ۳۶۴]

۱۱۔ اشعۃ اللمعات

یہ کتاب جامی نے ۶۹ سال کی عمر میں ۸۸۶ھ / ۱۴۸۱ء میں لکھی، جیسا کہ کتاب کے اختتام پر مندرج قطعہ تاریخ میں مادہ تاریخ "اتممتہ" سے معلوم ہوتا ہے۔

اختتام : قطعہ فی التاریخ

تا تمام ہستی است جامی اسیر	محی اللہ آثار آثامہ
بتسوید این شرح توفیق یافت	مقراً بزلات اقدامہ

اذا قال اتممتہ قد بدا   بما قال تاریخ اتمامہ

اشعۃ اللمعات، شیخ فخرالدین ابراہیم ہمدانی المعروف عراقی کی کتاب "لمعات" کی فارسی شرح ہے۔[1] مقدمے سے پتہ چلتا ہے کہ امیر علی شیر نے مولانا جامی سے "لمعات" کی تصحیح اور تقابل کی درخواست کی تھی اور بظاہر مولانا اس کام سے پہلوتہی کر رہے تھے۔ مگر آخر کار امیر کی درخواست قبول کر لی اور جیسے ہی اس کام میں مشغول ہوئے کتاب کے عرفانی حقائق میں جذب ہوتے چلے گئے۔ پھر اس کے مندرجات کی شیخ ابن عربی اور ان کے شاگرد صدرالدین محمد قونیوی اور دیگر عرفاء کے اقوال کی مدد سے تشریح کی اور "اشعۃ اللمعات" نام رکھا۔ مقدمے میں امیر علی شیر کا نام بطور تعجبہ و ایہام موجود ہے۔

"تا آنکہ درین ولا اجل اخوان الصفاء اعز خلان الوفا میرۂ اللہ علی سیر عباده العرفاء کہ نام خجستہ فرجامش در اثنای این دعا خوب ترین صوری از صور رمز و ایما بین اللہ و بین عباده سمت ادا یافت، استدعای مقابلہ و تصحیح آن نمود۔"

اشعۃ اللمعات ایک دیباچہ جس میں سبب تالیف (شرح) اور ممدوح کا نام آیا ہے، ایک مفصل مقدمہ جس میں صوفیہ کی اصطلاحات اور نکات کا بیان ہے اور "لمعات" کے اٹھائیس "لمعہ" کی تشریح پر مبنی ہے۔ [رک، تکملہ نوشاہی: ۲۶۸]

۱۲۔ چہل حدیث

---

[1] شیخ عراقی (م ۶۸۶ھ یا ۶۸۸ھ) اور "لمعات" پر مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ ادبیات در ایران ۳: ۵۶۲-۵۸۴ اور ۱۱۹۶-۱۱۹۸۔

یہ رسالہ بھی ۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء میں تألیف (ترجمہ) ہوا۔

ابتداء: (متن):

الکلمۃ الاولی۔ لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ ترجمتہا:

ہرکسی را لقب مکن مومن — گرچہ از سعی جان وتن کاہد
تا نخواہد برادر خود را — آنچہ از بہر خویشتن خواہد

اختتام:

اربعین ھای سالکان جامی — ہست بہر وصول صدر قبول
نبود از فضل حق عجیب و غریب — کہ بدین اربعین رسی بوصول

"اربعین" مرتب کرنے والے اکابر دین کی تقلید میں جامی نے اس رسالے میں چالیس اخلاقی احادیث نبوی کا منظوم فارسی ترجمہ پیش کیا ہے۔ تاہم جامی کے پیش نظر یہ حدیث نبوی بھی تھی: من حفظ علی امتی اربعین حدیثاً ینتفعون بہ بعثہ اللہ یوم القیامۃ فقیہاً عالماً (یعنی میری امت میں سے جس نے چالیس احادیث حفظ کیں (جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں) قیامت کے دن خدا اسے فقہاء اور علماء کے گروہ میں سے اٹھائے گا)۔ یہ نظم بحر خفیف میں ہے۔ [رک: تکملۂ نوشاہی، ص ۳۶۱]۔

۱۳۔ رسالۂ تجنیس خط

جامی کی مذکورہ بالا فہرست تصانیف میں اس رسالے کا نام موجود نہیں اور نہ ہی اس کی تاریخ تصنیف معلوم ہے:

ابتداء: بعد توحید وصفات خالق شام وسحر۔

یہ منظوم رسالہ ان عربی الفاظ پر مشتمل ہے جو بدل کر یا غلط طور پر پڑھنے سے مختلف معانی دیتے ہیں۔ مثلاً:

مصر شہر و شہر ماہ و ماہ آب و خوف سہم ۔۔۔ سہم تیر و اجنح چہ بال باشد بال جان

یہ رسالہ ہندوستان میں چھپ چکا ہے۔ [رک: تکملہ نوشاہی، ص ۱۳۴]۔

۱۴۔ مثنویات ہفت اورنگ :

یہ جامی کی ان سات مثنویوں کا مجموعہ ہے جو انہوں نے مختلف ادوار میں تصنیف کیں۔ لیکن بعد میں انہیں یکجا کر کے "ہفت اورنگ" سے موسوم کیا۔ اس مجموعے کے بعض مخطوطات میں ایک مقدمہ بھی موجود ہے جو بظاہر خود جامی ہی نے تحریر کیا۔ وہ لکھتے ہیں :

"چون این مثنویات ہفتگانہ بمنزلہ ہفت برادر اند کہ از پشت پدر خامۂ واسطی نہاد و شکم مادر دوات چینی نژاد، بسعادت ولادت رسیدہ اند و از مطمورۂ غیب متاع ظہور بمعمورۂ شہادت کشیدہ، می شاید کہ بہفت اورنگ کہ بلغت فرس قدیم عبارت از ہفت برادران کہ ہفت کوکب اند در جہت شمال ظاہر و برحوالی قطب دائر نامزد شوند۔

این ہفت سفینہ در سخن یکرنگ اند ۔۔۔ وین ہفت خزینہ درگہر ہمسنگ اند

چون ہفت برادران برین چرخ بلند ۔۔۔ نامی شدہ در زمین بہفت اورنگ اند"

اس مقدمہ سے جو بہت زیادہ قدیم مخطوطات میں موجود نہیں ہے[۱]، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں جامی نے خمسۂ نظامی گنجوی اور خمسۂ خسرو دہلوی کی طرز پر پانچ مثنویاں لکھیں اور بعد میں دو مثنویوں کا اضافہ کر کے اسے "ہفت اورنگ" کا نام دیا۔ اس قیاس کی تائید مثنوی خرد نامۂ اسکندری سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں مولانا

---

[۱] یہ مقدمہ "مثنوی ہفت اورنگ جامی" بتصحیح مرتضی مدرس گیلانی مطبوعہ تہران (۱۳۵۱ش) میں بھی موجود ہے۔

نے تصریح کی ہے کہ پہلے وہ نظامی اور خسرو کی تقلید میں پانچ مثنویاں لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے جو اسی بحر میں ہوتیں۔ بعد میں مثنوی سلسلۃ الذہب اور مثنوی سبحۃ الابرار تالیف کی۔ خردنامۂ اسکندری میں جامی یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ وہ ایک مدت تک غزل گوئی میں مصروف رہے۔ پھر قصیدہ سرائی میں مشغول ہو گئے۔ ازاں بعد تفنن کے لئے معمے بھی بنائے، رباعیات لکھیں اور آخر کار مثنوی سرائی اختیار کی[1] [رک: تکملۂ نوشاہی، ص ۲۵۵]۔

ہفت رنگ میں شامل مثنویوں کی تفصیل اس طرح ہے:

اوّل۔ سلسلۃ الذہب۔ دفتر اوّل۔ بحر خفیف (فاعلاتن مفاعلن فعلن) میں یہ مثنوی سنائی کی حدیقۃ الحقیقہ اور اوحدی کی جام جم کے اسلوب میں، سلطان بایقرا کے نام پر لکھی گئی ہے۔

ابتداء: للہ الحمد قبل کل کلام
بصفات الجلال والاکرام

اختتام: در بماند جواد عمر از سیر
ختم اللہ لی بما ہو خیر

مثنوی میں تاریخ تالیف مذکور نہیں۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ ۸۷۳ھ/۶۸-۱۴۶۹ء (سلطان حسین بایقرا کا سنۂ جلوس) اور ۸۷۷ھ/۷۳-۱۴۷۲ء (مولانا کے سفر حجاز کا سال) کے درمیان لکھی گئی ہے۔ کیونکہ بقول صاحب رشحات عین الحیات، سفر حجاز کے دوران میں جب جامی بغداد پہنچے تو سلسلۃ الذہب کے بعض قطعات اہل بغداد اور مولانا کے درمیان اختلاف کا باعث بنے (تفصیل صفحہ ۱۶۷ پر گذر چکی ہے)۔ مثنوی میں ایک جگہ

---

[1] خردنامۂ اسکندری: ۲۹-۹۲۶۔

مولانا ریاکاروں کی مذمت کرتے ہوئے مذکورہ تقریبی تاریخ تالیف کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں :

خصم دین شد بحیلہ و دستان	ای خدا داد دین از او بستان
شرع را خوار کرد خوارش کن	شرم بگذاشت شرمسارش کن
خود چہ حاجت کہ من دعا کنمش	بر جگر ناوک از دعا زنمش
پیشتر زین بہشتصد و ہفتاد	بد عایش رسول دست گشاد
کای خدا ہر کہ کرد نصرت دین	در دو عالم نصیر باش و معین[1]

تصوّف اور اخلاق کے مباحث پر یہ ایک طویل مثنوی ہے جس میں آیات، احادیث، اقوالِ صوفیہ اور روایات ائمہ دین سے استفادہ کیا گیا ہے اور مطالب کی وضاحت کے لئے حکایات و تمثیلات سے بھی کام لیا گیا ہے۔ اس میں کئی کلامی مسائل مثلاً جبر و اختیار، قضا و قدر، نبوّت و امامت، قدم و حدوث عالم اور ظاہری شرعی احکام مثلاً نماز، روزہ اور تلاوت قرآن پر بھی بحث کی گئی ہے۔ تصوّف کے باب میں یہ مثنوی ذکر خفی و جلی، عزلت و خلوت، خاموشی، بیداری اور جوع (بھوک) وغیرہ کے مسائل کا احاطہ کرتی ہے۔ آخر میں اسلامی عقائد پر ایک خصوصی نظم موسوم بہ اعتقاد نامہ ہے جسے جامی نے اپنے شیخ یعنی خواجہ عبیداللہ احرار کے صاحبزادے کی خواہش پر لکھا تھا۔ (تفصیل صفحہ ۲۰ پر گذر چکی ہے)۔

زیرِ بحث مثنوی کے نام کے متعلق جامی کہتے ہیں :

آن نہ رشتہ سلاسل ذہبست	نام رشتہ بر آن نہ از ادبست
بہر شیران بود سلاسل زر	ہر کہ شیرست از آن نپیچد سر

---

[1] سلسلۃ الذہب ۱ : ۱۰۳۔

سلسلۃ الذہب۔ دفتر دوم : اس دفتر کا موضوع کتاب کے ابتدائی اشعار سے
واضح ہے۔

بشنو ای گوش بر فسانۂ عشق — از صریر قلم ترانۂ عشق
قلم اینک چونی بلحن صریر — قصۂ عشق می کند تقریر

اس دفتر میں مولانا کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ہر فصل میں محبت الٰہی اور عشق حقیقی کی
بحث چھیڑ کر اس میں لطیف اور دقیق نکات سموئے ہیں اور بطور حوالہ صوفیہ کی واردات
پر مبنی ایک حکایت نقل کی ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے بھی جا بجا استشہاد
کیا گیا ہے۔ جامی نے جن صوفیہ کا بالخصوص ذکر کیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:
بایزید بسطامی، ذوالنون مصری، شاہ شجاع کرمانی، شمس تبریزی، شیخ اوحدالدین کرمانی،
شیخ محی الدین صاحب فتوحات مکی، شیخ علی موفق، معروف کرخی، بشر حافی، احمد حنبل
(انہیں صوفیہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ فقیہ تھے)، ابوعلی رودباری، سری سقطی،
تحفۂ مغنیہ، شیخ ابوعلی دقاق۔

اس دفتر کی تالیف میں جو بات قابل توجہ ہے وہ مولانا کا لطیف ذوق اور شگفتہ
مزاجی ہے جس کا مجموعی طور پر سلسلۃ الذہب کے روحانی اور عرفانی نکات کے بیان میں
کافی دخل ہے۔ وہ گاہ گاہ کھانے میں نمک کے طور پر پُرمزاح حکایات بھی نقل کر جاتے ہیں۔
اس طرح دقیق مضامین کو ایسی لطافت اور ظرافت سے پیش کیا ہے کہ قاری مطالعے
کے دوران میں کوئی بار محسوس نہیں کرتا اور تر و تازہ رہتا ہے۔

یہ دفتر بھی پہلے دفتر کی طرح بحر خفیف میں ہے، البتہ اس سے مختصر ہے۔ تاریخ
تالیف ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء ہے۔ یعنی مولانا اس وقت تک حجاز سے واپس آچکے تھے۔
قطعہ تاریخ ملاحظہ ہو:

داشت جدی دبیر چرخ برین | در رقم کردن حروف سنین
چون رقومش بہ صاد و ضاد رسید | خامہ را حکم ایستاد رسید[1]

جامی نے اس دفتر کو پہلے دفتر کا تکملہ و تتمہ قرار دیا ہے حالانکہ یہ دفتر پہلے دفتر کی تالیف کے کئی سال بعد لکھا گیا۔ لیکن انہوں نے اسے کوئی مستقل اور الگ حیثیت نہیں دی، نہ ہی اس کے ابتدا میں مقدمہ، نعت اور معاصر بادشاہ کی مدح لکھی ہے۔

سلسلۃ الذہب۔ دفتر سوم: پہلے دو دفتروں کے وزن پر، پانچ سو اشعار پر مشتمل مختصر دفتر جامی نے قیصر روم بایزید خان دوم (۸۸۶ھ - ۹۱۸ھ / ۱۴۸۱ء - ۱۵۱۲ء) کے نام پر لکھا۔ کتاب کے شروع اور آخر میں سلطان مذکور کی مدح موجود ہے۔ جامی نے تاریخ تالیف کی تصریح نہیں کی۔ چونکہ سلسلۃ الذہب کا دوسرا دفتر ۸۹۰ھ / ۱۴۸۵ء میں ختم ہوا تھا لہذا اصولی طور پر زیر نظر دفتر اس کے بعد ہی لکھا گیا ہوگا۔

ابتداء: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ہست کلید در گنج حکیم

اختتام: برہمین نکتہ ختم شد مقصود
للہ الحمد و العلی و الجود

یہ دفتر مدنی سیاست، آداب حکمرانی، عدل و انصاف کی تعریف اور پادشاہوں کو نصیحت پر مبنی ہے۔ یہ سارے مضامین دانش و حکمت سے پُر منظوم قطعات پر مشتمل ہیں۔ ہر قطعے میں بادشاہ کے کسی ایسے وصف کی تعریف کی گئی ہے جو اس میں ضرور ہونا چاہیے۔ ہر صفت کی مناسبت سے ایک حکایت بھی درج ہوتی ہے۔

---

[1] سلسلۃ الذہب ۲: ۲۵۸۔

زیرِ نظر دفتر لکھتے وقت جامی کے پیشِ نظر تاریخی کتب، بادشاہوں کے قصّے بالخصوص نظامی عروضی سمرقندی کی کتاب چہار مقالہ تھی۔ جامی نے اپنے جن قریب العہد سلاطین کا ذکر کیا ہے ان میں غازان خان منگول اور یعقوب بک ترکمان شامل ہیں۔

مثنوی کے اختتام پر جامی نے چند شاہی تحائف اور شاہی مکتوب ملنے کا ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جامی نے یہ مثنوی جواباً بادشاہ کو پیش کی تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جامی نے اس مثنوی کا نام "تحفۂ شاہی" رکھا تھا اور وہ جواز میں یہ شعر پیش کرتے ہیں:

لیک از آنجا کہ تحفۂ شاہست　　　یاد کرد کمین ہوا خواہست [1]

لیکن اس شعر سے کتاب کا نام کیسے تعیّن کیا جاسکتا ہے؟

[رک: تکملہ نوشاہی: ۳۵۶]۔

دوم۔ سلامان و ابسال۔ یہ تمثیلی مثنوی بحرِ رمل مسدس (فاعلاتن فاعلاتن فاعلن) میں ہے۔ انتساب سلطان یعقوب ترکمن قوینلو کے نام ہے۔ مثنوی کی تاریخ تصنیف کی تصریح نہیں ہوئی لیکن بظاہر یہ ۸۸۵ھ/ ۱۴۸۰ء میں لکھی گئی، کیونکہ یعقوب ترکمان ۸۸۴ھ/ ۱۴۷۹ء میں تخت نشین ہوا اور ۸۸۶ھ/ ۱۴۸۱ء میں مثنوی "تحفۃ الاحرار" مکمل ہونے سے پہلے "سلامان و ابسال" لکھی جاچکی تھی۔

مقدمے میں جامی اپنے بڑھاپے سے نالاں ہیں۔ اس وقت ان کی عمر ۶۸ سال تھی اور وہ شکایت کرتے ہیں کہ:

عمرہا شد تا درین کاخ کہن　　　تار نظم بستہ بر عود سخن

---

[1] سلسلۃ الذہب ۲: ۳۰۹۔

رفت عمر و این نوا آخر نشد | کاست جان وین ماجرا آخر نشد
پشت من چو چنگ خم گشت و هنوز | ہر شبی در ساز عودم تا بروز
عود نا ساز است و کردہ روزگار | دست مطرب را بپیری رعشہ دار[1]

ابتداء : ای بیادت تازہ جان عاشقان
زآب لطفت تر زبان عاشقان

[اختتام ہم برین اجمال کاری این خطاب
ختم شد واللہ اعلم بالصواب]

سلامان و ابسال کا قصہ جامی نے شیخ الرئیس ابو علی حسین ابن سینا (م ۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء) کی تالیف اشارات پر امام فخر الدین رازی (م ۶۰۶ھ/۱۲۱۰ء) اور خواجہ نصیر الدین طوسی (م ۶۷۲ھ/۱۲۷۴ء) کی شرحوں سے اخذ کیا ہے۔ شرح طوسی میں اس داستان کی دو طرح سے روایت کی گئی ہے ایک روایت معمولی ردّ و بدل کے ساتھ وہی ہے جو جامی نے لکھی ہے۔ ابن سینا نے "اشارات" میں یوں لکھا ہے:

"و اذا قرع سمعک فی ما تقرأہ و سرد علیک فی ما تسمعہ قصۃ لسلامان وابسال فاعلم انّ سلامان مثل ضرب لک و ان ابسالا مثل ضرب لدرجتک فی العرفان ان کنت من اھلہ۔ ثم حل الرمز ان الحقت۔"[2]

چونکہ امام رازی کو اصل حکایت دستیاب نہیں ہو سکی تھی، اس لئے وہ اس کا راز

---

[1] سلامان و ابسال : ۳۱۸۔

[2] ابو علی سینا : اشارات و تنبیہات، ترجمۂ فارسی احسان یار شاطر، انجمن آثار ملی، تہران ۱۳۳۲ھ، ص ۱۴۴، النمط التاسع فی مقامات العارفین :

کھول نہ سکے. لیکن خواجہ طوسی نے قصّے کو دو طرح بیان کرکے اس کی تأویل کردی ہے اور اس کا راز بھی کھول دیا ہے. جامی نے بھی طوسی کی تقلید میں داستان کی تشریح و تفسیر کی ہے. لیکن انہیں بعض مقامات پر طوسی سے اختلاف ہے. معلوم نہیں یہ اختلاف اور تبدیلی جامی کا وضع کردہ ہے یا واقعی ان کے سامنے کوئی دوسرا ماخذ تھا جو تلاشِ بسیار کے باوجود ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا.

[رک: تکملۂ نوشاہی، ۳۵۶].

سوم. تحفۃ الاحرار. یہ مثنوی بحر سریع (مفتعلن مفتعلن فاعلن) میں رمضان ۸۸۶ھ/ ۱۴۸۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی.

"اتمام انتظام این سبحہ در ماہ تسبیح و شہر تراویح منتظم در سلک شہور سنۂ ست و ثمانین و ثمان مائہ اتفاق افتاد."[1]

ابتداء: بسم اللہ الرحمن الرحیم
ہست صلای سرخوانِ حکیم

اختتام: مہر نہ خاتمۂ این کتاب
شد رقم خاتم تم الکتاب

وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے جامی کہتے ہیں:

ماشطۂ خامہ چو آراستش — از قبلِ من لقبی خواستش
تحفۃ الاحرار لقب دادمش — تحفہ باحرار فرستادمش[2]

---

[1] تحفۃ الاحرار: ۴۴۳.

[2] ایضاً: ۴۴۲.

مثنوی کے شروع میں ایک منثور دیباچہ ہے۔ چونکہ یہ مثنوی نظامی کی مخزن الاسرار اور خسرو کی مطلع الانوار کے جواب میں لکھی گئی ہے اس لئے وہاں نظامی اور خسرو کا نام بڑی عقیدت سے لیا گیا ہے۔ منثور مقدمے کے بعد چار مناجاتیں، پانچ نعتیں اور خواجہ بہاء الدین محمد بخاری کی ایک منقبت ہے۔ یہ منقبت خواجہ عبیداللہ احرار کی دعا پر ختم ہوتی ہے۔ جامی نے وہاں کسی معاصر حکمران کا نام نہیں لیا۔ کیونکہ جامی اسے صرف اور صرف آستانۂ خواجہ احرار پر پیش کرنے کے لئے لکھ رہے تھے۔ مقدمے میں وصولِ مراتب ثلاثہ (علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین) پر بحث کی گئی ہے۔ اصل متن مندرجہ ذیل بیس مقالات پر مشتمل ہے۔

۱۔ آفرینش۔ ۲۔ آفرینش آدم ۳۔ سعادت اسلام ۴۔ نمازھای پنجگانہ۔ ۵۔ اثبات رمضان۔ ۶۔ زکوٰۃ۔ ۷۔ زیارت بیت الحرام۔ ۸۔ عزلت۔ ۹۔ سکون۔ ۱۰۔ سپہر ۱۱۔ نشان صوفیہ ۱۲۔ شرح حال علمای ظاہر۔ ۱۳۔ مخاطبۂ سلاطین۔ ۱۴۔ حال دبیران و وزیران۔ ۱۵۔ صفت پیری۔ ۱۶۔ شرح جوانی۔ ۱۷۔ حسن وجمال۔ ۱۸۔ عشق۔ ۱۹۔ حال شعرای خام طبع۔ ۲۰۔ پند بہ فرزند خویش ضیاء الدین یوسف۔

ہر مقالہ میں اصل موضوع کے بعد ایک مناسب، خوبصورت اور لطیف حکایت درج ہے۔
[رک: تکملۂ نوشاہی: ۳۵۷]۔

چہارم۔ سبحۃ الابرار۔ یہ مثنوی بحر رمل مسدس (فاعلاتن فعلاتن فعلن) میں ہے۔ جامی سے پہلے کسی شاعر نے اس بحر میں مثنوی نہیں لکھی۔ البتہ امیر خسرو دہلوی کی مثنوی "نہ سپہر" میں اس وزن کے صرف چند اشعار ملتے ہیں۔

مولانا نے تاریخ تالیف کی وضاحت نہیں کی۔ لیکن اٹھتیسویں عقد میں وہ اپنے بیٹے ضیاء الدین یوسف کو خطاب کرتے ہوئے اس کی عمر پانچ برس بتاتے ہیں۔

سال تو بیج و درین دیر سپنج		از دو پنجاه فزودن باد این پنج[1]

چونکہ ضیاء الدین ۸۸۲ھ/۱۴۷۸ء میں پیدا ہوئے تھے لہٰذا سبحۃ الابرار کی تاریخ تصنیف ۸۸۷ھ/۱۴۸۲ء قرار پاتی ہے۔ مثنوی کا انتساب سلطان حسین بایقرا کے نام ہے۔

ابتداء:	ابتدی باسم اللہ الرحمٰن		الرحیم المتوالی الاحسان

اختتام:	حسن مقطع چو بود رسم کہن		قطع کردیم بدین نکتہ سخن

ختم اللہ لنا بالحسنیٰ		و ھو مولانا نعم المولیٰ

مثنوی کے شروع میں ایک مسجع و مقفیٰ نثری دیباچہ ہے۔ اس کے بعد نعت اور مدح سلطان ہے۔ اصل متن چالیس "عقد" میں تقسیم ہوا ہے۔ اختتام پر جامی نے اپنے قلم کو مخاطب کرتے ہوئے ایک بے حد لطیف نظم لکھی ہے۔

کتاب کے چالیس عقد اخلاقی اور صوفیانہ تعلیمات پر مشتمل ہیں ان کے بارے میں جامی کا کہنا ہے:

ہر سر عقد عقود دش بچسل		ہر یک از دل گرہ جہل گسل[2]

اظہار بیان میں جامی کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ہر عقد ایک خطاب سے شروع کرتے ہیں جس میں روئے سخن انسان کی طرف ہے۔ ہر خطاب میں ایک انسانی خصلت اور فضیلت بیان کی ہے اور اس کی مناسبت سے ایک حکایت بھی درج کی ہے۔ اس کے بعد جامی ایک لطیف مناجات لکھتے ہیں جس میں وہ خدا سے ویسی ہی فضیلت مانگتے ہیں۔

ان چالیس "عقد" کی ترتیب اور تفصیل اس طرح ہے:

---

[1] سبحۃ الابرار: ۵۶۵۔

[2] ایضاً: ۴۵۸۔

۱۔کشف حقیقت دل ۔ ۲۔شرح سخن ۔ ۳۔کلام موزون ۔ ۴۔استدلال از آثار بر وجود آفریدگار ۔ ۵۔یکتائی حق ۔ ۶۔ذاتِ حق حقیقت وجود ست ۔ ۷۔شرح تصوّف ۔ ۸۔ارادت ۔ ۹۔مقامِ توبہ ۔ ۱۰۔کشف سرّ ورع ۔ ۱۱۔ مقام زہد ۔ ۱۲۔سرّ فقر ۔ ۱۳۔صبر ۔ ۱۴۔شکر ۔ ۱۵۔ خوف ۔ ۱۶۔رجا ۔ ۱۷۔توکل ۔ ۱۸۔ رضا ۔ ۱۹۔ محبّت ۔ ۲۰۔شوق ۔ ۲۱۔غیرت ۔ ۲۲۔قرب ۔ ۲۳۔ حیا ۔ ۲۴۔حریت ۔ ۲۵۔فتوت ۔ ۲۶۔ صدق ۔ ۲۷۔اخلاص ۔ ۲۸۔ جود ۔ ۲۹۔قناعت ۔ ۳۰۔ تواضع ۔ ۳۱۔حلم ۔ ۳۲۔طلاقت وجہ و مزاح ۔ ۳۳۔تودد و تألف ۔ ۳۴۔سماع ۔ ۳۵۔ دولت خواہی سلاطین ۔ ۳۶۔نیک خواہی ارکانِ دولت ۔ ۳۷۔دلالت رعایا بشکرگزاری از سلاطین ۔ ۳۸۔ وصیت بفرزند خویش ضیاء الدین یوسف ۔ ۳۹۔نصیحت بنفس خویش ۔ ۴۰۔التماس از مطالعہ کنندگان .

اس بے حد لطیف اور فصیح و بلیغ مثنوی کے بعد کوئی دوسری مثنوی اس وزن میں نہیں دیکھی گئی .

[رک : تکملۂ نوشاہی ۳۵۷] .

پنجم۔ یوسف وزلیخا : یہ رومانی مثنوی بحر ھزج مسدس (مفاعیلن مفاعیلن فعولن) میں نظامی کی خسرو و شیریں اور فخر گرگانی (م بعد از ۴۴۶ھ/۱۰۵۴ء) کی "ویس و رامین" کی طرز پر ہے . چار ہزار اشعار پر مشتمل یہ مثنوی ۸۸۹ھ/۱۴۸۴ء میں لکھی گئی .

قلم نساجی این جنس فاخر	رسانید آخر سالی بآخر
کہ باشد بعد از آن سال مجدد	نہم سال از نہم عشر از نہم صد
گرفتم بیت بیتش را شمارہ	ھزار آمد و لیکن چار بارہ[1]

---

[1] یوسف و زلیخا : ۲۴۸ .

ابتداء   الٰہی غنچۂ امید بگشای

گلی از روضۂ جاوید بنمای

مثنوی کے شروع میں خطبہ، نعت، معراج النبی کا بیان، خواجہ عبیداللہ احرار کی منقبت اور سلطان حسین بایقرا کی مدح ہے۔ سبب تالیف اور فضیلت سخن (شاعری) میں دو نظمیں لکھ کر وہ اپنے اصل موضوع یعنی حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام کی اسلامی روایات کے مطابق سرگذشت کی طرف آتے ہیں یہ قصہ لکھتے وقت قرآن مجید کی بارہویں سورہ "یوسف" جامی کے پیش نظر تھی۔ لیکن اس داستان کا اصل مأخذ وہ اسرائیلی روایات ہیں جو تورات (سفر پیدائش باب ۳۹ - ۴۵) میں موجود ہیں۔ اسلامی ریاستوں میں بھی مفسرین، مورخین، ارباب سیر و اخبار یا جامی سے متقدم شعراء نے حضرت یوسف کی داستان سے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سب تورات کی روایات پر مبنی ہے۔ البتہ بعض مقامات پر مسلم مفسرین نے اسرائیلی روایات سے اختلافات کئے ہیں۔ مثلاً عزیز مصر اور اس کی بیوی کے نام کے بارے میں دونوں مأخذوں میں جو اختلاف ہے ہم اس کا تقابل کئے دیتے ہیں۔

تورات:

"لیکن یوسف کو مصر لے جایا گیا۔ وہاں فرعون مصر کی خصوصی افواج کے سردار اور خواجہ فوطیفار نامی ایک مصری نے انہیں (حضرت یوسف کو) اسمٰعیلیوں سے خرید لیا جو انہیں وہاں لے گئے تھے۔ خدا یوسف کے ساتھ تھا سو وہ (حضرت یوسف) کامیاب ہوا اور اپنے مصری آقا کے گھر ہی میں رہا . . . پس یوسف نے آقا کی نظر التفات پائی وہ اس کی خدمت کرتا۔ آقا نے اپنا گھر اسے سونپ دیا اور اپنی تمام جائیداد بھی اس کے سپرد کی۔ یوسف قد و قامت میں بھلا اور خوبصورت

دکھائی دیتا تھا اور اس کے بعد یوں ہوا کہ آقا کی عورت یوسف کو (بری نظر سے) دیکھنے لگی۔ (سفر پیدائش، باب ۳۹)۔

قرآن مجید: (سورۂ یوسف: ۲۱)

آیۂ شریفہ "وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۫" کی تفسیر شیخ ابوالفتوح رازی نے یوں لکھی ہے:

"جب یوسف کا مالک اسے بازار سے لے آیا اور بیچنے کے لئے پیش کیا تو شاہی خزانہ دار نے اسے خرید لیا۔ جس کا لقب عزیز اور نام قطفیر تھا، بعض نے اس کا نام اطفر بن رحیب کہا ہے۔ اس زمانے میں مصر کا بادشاہ ولید بن ریان تھا ... قطفیر العزیز، یوسف کو خرید کر اپنے گھر لے گیا۔ اس نے اپنی بیوی اوفکا بنت ہوس سے کہا کہ اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرو۔ ہمیں اس سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا۔ آؤ ہم اسے اپنی فرزندی میں لے لیتے ہیں۔"[1]

اور آیت "وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ" (یوسف: ۲۳) کی تفسیر کرتے ہوئے رازی لکھتے ہیں:

"جب یوسف، عزیز کے گھر چلا گیا تو عزیز نے اسے اپنی بیوی کے سپرد کیا، یوسف کا حسن و جمال کس قدر تھا وہ ہم بتا چکے ہیں۔ عزیز کی بیوی کا نام زلیخا تھا جب اس نے یوسف کو ایک نظر دیکھا تو اسے پسند کر لیا۔ ادھر حسنِ یوسفی کو روز بروز چار چاند لگ رہے تھے، ادھر عشقِ زلیخا روز افزوں تھا۔"[2]

---

[1] تفسیر ابوالفتوح رازی ۵: ۲۷۵-۲۷۴ (طبع دوم)۔

[2] ایضاً: ۲۷۸۔

لیکن جدید تحقیقات کے مطابق حضرت یوسف کا قید ہونا اور ان کا مصر جانے کا واقعہ طوطیمس ثالث (۱۵۰۳-۱۴۴۹ ق م قبل مسیح) کے زمانے میں پیش آیا۔ طوطیمس ثالث کا تعلق فراعنہ مصر کے اٹھارویں سلسلے سے تھا۔ ان دنوں مصر پر شامی تمدن کے اثرات عروج پر تھے اور شام سے قیدیوں کو مصر لانا ایک معمول تھا۔[1]

جامی نے اس عشق پرور داستان کی تمام جزئیات و تفصیلات پر روشنی ڈالی ہے۔ اختتام پر تین نظموں کا اضافہ کیا ہے۔ ایک میں شکایتِ زمانہ ہے۔ دوسری میں اپنے لڑکے کو خطاب کیا ہے اور تیسری میں اپنے نفس سے مخاطب ہیں۔

مثنویاتِ جامی میں سے سب سے زیادہ شہرت یوسف و زلیخا ہی کے حصے میں آئی ہے، جہاں بھی فارسی زبان بولی یا سمجھی جاتی ہے وہاں یہ مثنوی رواج پذیر رہی ہے بلکہ غیر ملکی زبانوں میں بھی اس کے کئی تراجم ہو چکے ہیں۔

[رک : تکملۂ نوشاہی: ۳۵۸]

ششم۔ لیلیٰ و مجنون: یہ عشقی مثنوی بحر ہزج مسدس (مفعول مفاعلن فعولن) میں نظامی کی لیلیٰ و مجنون اور خسرو دہلوی کی لیلیٰ و مجنون کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ تین ہزار آٹھ سو ساٹھ (۳۸۶۰) اشعار پر مشتمل یہ مثنوی ۸۸۹ھ/۱۴۸۴ء میں تصنیف ہوئی۔

کوتاہی این بلند بنیاد	در ہشتصد و نہ فتاد و ہشتاد
گر تو بشمار او بری دست	باشد سہ ہزار و ہشتصد و شصت[2]
ابتدا: ای خاک تو تاج سربلندان	مجنون تو عقل ہوشمندان

[1] دیکھیے: تاریخ مصر از سر فلنڈرز پیٹری Sir Flinders Petrie (حکمت)۔

[2] لیلی و مجنون : ۶۱۰۔

خطبہ، نعت، معراج النبی اور اظہارِ معنی عشق کے بعد سبب تالیف میں جامی لکھتے ہیں کہ انہیں مظاہرِ عشق بیان کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے بعد جامی نے اپنے پیر طریقت خواجہ احرار کی مدح سرائی کی ہے اور نام لئے بغیر بادشاہ وقت کا قصیدہ لکھا ہے۔ اس کے بعد اصل داستان شروع ہوتی ہے جس کا سارا تانا بانا عرب روائتوں سے بنا گیا ہے۔ اغانی اور عربی ادب کی دیگر کتب میں قیس عامری سے متعلق روائتیں، جامی کے پیشِ نظر تھیں۔ قیس عامری سے منسوب اکثر اشعار کا جامی نے بڑے دلکش انداز میں ترجمہ کیا ہے۔ خاتمے پر جامی نے چند اشعار اپنے لڑکے کو بطور نصیحت لکھے ہیں۔

اس مثنوی کے بھی غیر ملکی زبانوں میں کئی تراجم ہو چکے ہیں۔

[رک: تکملۂ نوشاہی: ۳۵۸]۔

ہفتم۔ خرد نامۂ اسکندری: حکمت و اخلاق کے نکات پر مبنی یہ مثنوی بحر متقارب مثمن (فعولن فعولن فعولن فعول) میں نظامی اور امیر خسرو کے سکندر نامہ کے جواب میں لکھی گئی ہے گو تاریخ تالیف کی تصریح نہیں ہوئی لیکن اس میں خواجہ عبید اللہ احرار (م ۸۹۵ھ) کی مدح موجود ہے جس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب تقریباً ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء میں لکھی گئی یعنی مثنوی لیلیٰ و مجنون کی تصنیف کے بعد یوں بھی زیر نظر مثنوی میں جامی اپنے بڑھاپے اور قوا کے مضمحل ہونے کی کئی جگہوں پر شکایت کرتے ہیں:

جوانی کہ با دل سیاہی گذشت	بموی سیہ در تباہی گذشت
سپید موئی از من چو برتافت روی	تو ہم از دل من سیاہی بشوی
ز موی سپید خود اندر حجاب	کنم از سواد دل آن را خضاب
گرفتم کہ از دل شود مو سیاہ	چگونہ کنم راست پشت دوتاہ[1]

[1] خرد نامۂ اسکندری: ۹۱۴۔

ابتدا: الٰہی کمال الٰہی تراست   جمال جہان پادشاہی تراست

توحید و مناجات، نعت، معراج النبی، منقبت خواجہ احرار، مدح سلطان حسین بایقرا، اپنے بیٹے کو نصیحت، نفس کی سرزنش اور شاعری کی فضیلت بیان کرنے کے بعد جامی نے کتاب کا اصل متن شروع کیا ہے جس میں ارسطو، افلاطون، سقراط، بقراط، فیثاغورث، اسقلینوس، ہرمس اور دیگر حکماء کی سکندر کو نصیحتیں اور سکندر اور دوسرے لوگوں کے درمیان ہونے والی حکیمانہ مکاتبت و مراسلت اور فیلسوفانہ مباحث و مذاکرات درج ہیں۔ داستان کا اختتام سکندر کی وفات، اس پر حکماء کے افسوس اور سکندر کی ماں کے نام ارسطو کے تعزیت نامے پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک فصیح و بلیغ نظم درج ہے جس میں جامی نے خردنامۂ اسکندری کو اپنے خمسہ کی آخری مثنوی بتایا ہے اور ان مثنویات کو دیگر خمسہ سراؤں (کی مثنویات) پر فوقیت دیتے ہوئے لکھا ہے:

بیا جامی ای عمرھا بردہ رنج   ز خاطر برون دادہ این پنج گنج

شد این پنجت آن پنجۂ زور یاب   کز و دست دریا کفان دیدہ تاب

لیکن اس کے بعد وہ اپنی درویشانہ طبع کے سبب متقدم اساتذہ کی فضیلت بیان کئے بغیر نہیں رہ سکے:

بآن پنج ھا کی رسد پنج تو   کہ یک گنجشان بہ ز صد گنج تو

ازاں بعد امیر علی شیر نوائی اور اس کے ترکی خمسہ کی تعریف پر مثنوی کو پایۂ اختتام تک پہنچایا ہے۔[1] [رک: تکملۂ نوشاہی: ۲۵۹]:

۱۵۔ بہارستان

جامی نے یہ کتاب ابوالغازی سلطان حسین کے نام پر ۸۹۲ھ/۱۴۸۷ء میں

---

[1] خردنامۂ اسکندری: ۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۰۔

تالیف کی۔

تکاپوی خامہ در این طرفہ نامہ | کہ جامی بر او کرد طبع آزمائی
بوقتی شد آخر کہ تاریخ ہجرت | شود منصد از ہشت بروی فزائی[1]

اختتام: خاتمہ مذکورہ بالا قطعہ تاریخ پر ہوتا ہے۔

مولانا جامی نے یہ کتاب اپنے لڑکے ضیاء الدین یوسف کے لئے اس وقت تصنیف کی جب وہ دس سال کا تھا اور ابھی ابتدائی عربی زبان اور فنون ادب کے اکتساب میں مصروف تھا۔ گلستان شیخ سعدی اس کے زیر مطالعہ تھی۔ مولانا نے بہارستان اسی کتاب (گلستان) کے طرز پر لکھی جیساکہ اس کے مقدمے میں تصریح موجود ہے:

"در آن اثنا بخاطر آمد کہ تبرکاً لالفاظہ الشریفہ وتتبعاً لاشارہ اللطیفہ ورقی چند برین منوال وجزوی چند بر آن اسلوب پرداختہ گردد تا حاضران را داستانی باشد وغائبان را ارمغانی"[2]

اس مناسبت سے انہوں نے مقدمے میں یہ قطعہ درج کیا ہے:

گذری کن بر این بہارستان | تا ببینی در او گلستانہا
در لطافت بہر گلستانی | رستہ گلہا، دمیدہ ریحانہا[3]

بہارستان کے اسلوب تحریر میں سعدی کی پیروی کی گئی ہے۔ یعنی نظم ونثر مخلوط ہے۔ البتہ نظم کا تناسب زیادہ ہے۔ کتاب کی نثر مسجع اور پُرتکلف ہے۔ لطائف پر مشتمل فصل

---

[1] بہارستان: ۱۱۶۔

[2] ایضاً: ۳ (باختلاف)۔

[3] ایضاً: ۴۔

لطافت اور ظرافت سے خالی نہیں ہے۔ شعراء کے حالات پر مبنی باب میں جامی کے جن معاصر یا قریب العہد شعراء کے حالات درج ہیں وہ تاریخی اور ادبی نقطۂ نظر سے بے حد اہم ہیں۔

گلستان سعدی آٹھ ابواب پر مشتمل ہے اسی کی تقلید میں بہارستان بھی آٹھ "روضہ" میں منقسم ہے:

روضۂ اوّل : حکایات اولیاء اللہ و بزرگان صوفیہ۔

روضۂ دوم : سخنان حکماء۔

روضۂ سوم : عدالت سلاطین۔

روضۂ چہارم : سخا و کرم۔

روضۂ پنجم : تقریر حالات عشق۔

روضۂ ششم : مطایبات۔

روضۂ ہفتم : احوال شعراء۔

روضۂ ہشتم : حکایات و امثال منقول از حیوانات۔

اختتام پر ایک مقالے میں جامی نے بات لمبی ہو جانے پر معذرت چاہنے کے بعد سعدی کی طرح قارئین کی توجہ اس جانب مبذول کرائی ہے کہ بہارستان میں مذکور و مندرج تمام اشعار مستعار نہیں بلکہ ان کے اپنے ہیں:

جامی ہر جا کہ نام انشا آراست | از گفتۂ کس بعاریت ہیچ نخواست
آن را کہ ز صنع خود دکان پُر کالاست | دلالی کالای کسانش نہ سزاست[1]

[رک: تکملۂ نوشاہی، ص ۳۴۹]۔

---

[1] بہارستان، ص ۱۱۶۔

۱۶۔الرسالۃ النائیہ:

یہ منثور و منظوم رسالہ "نے" کی حقیقت یا دوسرے لفظوں میں مثنوی مولوی

کے پہلے شعر

بشنو از نے چون حکایت میکند — وز جدائی ها شکایت می کند

کی شرح میں لکھا گیا ہے۔

ابتداء: عشق جز نائی و ما جز نی نہ ایم

یہ رسالہ میری نظر سے نہیں گذرا اور اس کی تاریخ تألیف بھی مجہول ہے۔

[رک: تکملہ نوشاہی، ص ۳۸۹ و ۴۴۸]۔

۱۷۔شرح رباعیات

تاریخ تألیف معلوم نہیں ہے۔

ابتداء: حمداً لاآلہ ہو با لحمد حقیق — در بحر نوالش ہمہ ذات غریق

تا کردہ ز محض فضل توفیق رفیق — نبردہ طریق شکر او ہیچ فریق

اختتام: رباعی

جامی کہ نہ مرد خانقاہ است و نہ دیر
نی باخبر از وقف نہ آگاہ ز سیر
ہم فاتحہ ہم خاتمہ اش جملہ توئی
فافتح بالخیر رب و اختم بالخیر

توحید اور معرفت ذات حق و جمال پر رباعیات کی صوفیانہ طریقے پر تشریح کی گئی ہے۔
مقدمے میں جامی لکھتے ہیں کہ پہلے انہوں نے اثبات وحدت وجود اور تنزلات پر کچھ فارسی رباعیات کہی تھیں۔ چونکہ قافیے کی پابندی کی وجہ سے تفصیل کے لئے میدان تنگ تھا اس

لئے ناگزیر طور پر اس اجمال کی تفصیل وتشریح کے لئے انہیں یہ منثور رسالہ لکھنا پڑا۔ اس میں انہوں نے اکابر صوفیہ کے ملفوظات کی مدد سے اپنی چوالیس رباعیات کی شرح لکھی ہے

[رک: تکملہ: شاہی، ص۔ ۲۸۰]۔

۱۸۔ منشآت جامی

مولانا کے مکتوبات اور رقعات کا مجموعہ ہے جسے انہوں نے خود ہی مرتب کیا۔

اس مجموعۂ منشآت میں پانچ اقسام کے رقعات ہیں:

۱۔ وہ رقعات جو خواجہ عبیداللہ احرار کے درویشوں کو لکھے گئے۔

۲۔ وہ رقعات جو سلطان حسین بایقرا کے عمّال اور ملازمین کو ارسال کئے گئے۔

۳۔ وہ رقعات جو ارباب حکومت کے نام تحریر ہوئے۔

۴۔ خراسان سے باہر سلاطین و اکابر کے نام رقعات۔

۵۔ ملوک و افاضل و اقارب کے نام متفرق رقعات، قطعات، اس میں بیشتر سفارشی خطوط اور تعزیت نامے ہیں۔

ان منشآت سے جامی کا مخصوص طرز انشاء نمایاں ہے۔ یہ خاص اسلوب ان کا اختصار، ایجاز اور مسجع عبارات ہیں، جنہیں وہ اشعار اور پُر معانکات سے مرصّع کرتے ہیں۔ پانچویں قسم میں موجود تاریخی مکتوبات جو جامی نے اپنے معاصر فضلاء اور قضات کو لکھے ہیں وہ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہیں۔ یہاں ایک خط کا ذکر ناگزیر ہے جو انہوں نے قاضی زادہ رومی کو لکھا۔ یہ وہی صلاح الدین موسٰی ہیں جن کا شمار سمرقند کے ممتاز علماء میں ہوتا تھا اور وہ زیج جدید گورگانی کی تالیف میں میرزا الغ بیک کے شریک کار تھے۔ جوانی میں جامی اُن کے شاگرد بھی رہ چکے تھے (تفصیلات ص ۱۳۹ پر گذر چکی ہیں) اس مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا نے اُن کے حکم سے ایک کتاب بھی تالیف کی جو انہیں ارسال کی۔ وہ مکتوب یہ ہے:

"چون این مخدرہ حور الیۂ حلہ کتابت پوشید و حلی تصحیح و مقابلہ بست وقت آن آمد کہ منصۂ عرض از خلوتخانۂ بیت الکتب خاطر راغب ذی الفکر الثاقب والرای الصائب لازال مجداً للانام محدا جلوہ دادہ شود .باشد کہ بعین رضا ملحوظ گردد واز قبلۂ حسن قبول محظوظ

چون پس از تصحیح یابی درکتاب — جا بجا حرفی نہ بر وجہ صواب

عذر آن باشد ذکی را متضح — قد ابی کل کتاب ان یصح"

قاضی مجد الدین حسن یزدی، قاضی عیسیٰ صدر معروف دربار سلطان یعقوب ترکمان کے نام خطوط کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں . جامی نے تفسیر سورۂ اخلاص بظاہر قاضی عیسیٰ ہی کے لئے لکھی تھی . [رک : تکملۂ نوشاہی : ۳۵۱].

۱۹۔ دیوان قصائد و غزلیات

جامی نے اپنا دیوان تین دفعہ مرتب کیا، پہلی دفعہ ۸۸۴ھ/۷۹-۱۴۷۸ء میں اس کی تدوین و تنظیم ہوئی . اس مدون دیوان پر جامی نے ایک مقدمہ بھی لکھا .

ابتدائے دیوان اول: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ہست صلای سر خوان کریم
خوان کرم کردہ کودیم آشکار
گوید بسم اللہ، دستی بیار

لطف کی بات یہ ہے کہ جامی نے اس مقدمے میں مترسلین کا اسلوب تحریر اپنایا ہے اور آیات و احادیث کے حوالے سے شعر و شاعری کے محاسن و فضائل گنوائے ہیں، جو آیات و احادیث، شعر و شاعری کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں انہیں بھی بڑی چابکدستی کے ساتھ بطور تلمیح درج کیا ہے . اس کے بعد حضرت رسول اکرمؐ سے ایسی

روایات نقل کی ہیں جو ان کی شعر دوستی پر محمول کی جاتی ہیں. ازاں بعد بزرگانِ دین اور صوفیہ کی منظوم کلام سے رغبت پر مبنی حکایات درج کی ہیں. آخر میں وہ اپنی شاعری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں :

"القصہ در ہر وقت سخنی کہ مناسب آن وقت بود روی میداد سواد میکردم، و در حال نکتہ کہ موجب مقتضای آن حال در خاطرمی افتاد بہ بیاض می آوردم تا بتفاریق مجموعہ جمع آمد جمیع معانی را جامع، و لوامع سرّ جامعیت از مطاوی آن لامع، الا آنکہ در وی از استیلاء طبع خام و حرص بر اخذ حطام، بمدح و قدح لئام زبان بیالودہ ام و قلم نفرسودہ و الحمد للّٰہ علی ذٰلک و در این معنی گفتہ شدہ است :

نہ دیوان شعرست این، بلکہ جامی — کشیدہ است خوانی برسم کریمان
زالوان نعمت، دراو ہر چہ خواہی — بیابی مگر مدح و ذمِّ لئیمان

و چون آن در اوقات مختلف و احوال متفاوت دست دادہ بود در این ترتیبی جز وضع آن بر نہج حروف تہجی بنفتادہ بود دروی تقدیم ما حقہ التأخیر بسیار بود و تأخیر ما حقہ التقدیم بیشمار. لاجرم در این وقت در خاطر افتاد کہ آن ترتیب را تغییری دہم و تجدید ترتیبی نہم. تا ہر شعری در محل خود قرار گیرد و ہر غزلی در مقر خود استقرار پذیرد.

و چون مولد این فقیر ولایت جامست کہ مرقد مطہر و مشہد معطر شیخ الاسلام احمد الجامی قدس اللّٰہ سرہ السامی آنجاست و این معنی را شحنہ از جام ولایت وی میدانم تحقیق نسبت را بولایت جام و جام ولایت شیخ الاسلام، جامی تخلص کردہ شد.

مولدم جام و رشحۂ قلم جرعۂ جام شیخ الاسلامست
لاجرم در جریدۂ اشعار بدو معنی تخلصم جامیست"[1]

دوسری بار جامی نے ۸۸۵ھ/۱۴۸۰ء میں اپنے مزید تقریباً دس ہزار اشعار جمع کر کے پہلے دیوان سے ملحق کر دیے۔ البتہ دوسرے مدون دیوان پر الگ مقدمہ بھی لکھا۔

ابتدائے دیوان دوم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اعلی حمد المنان الکریم
آنکہ باین نکتہ سنجیدہ گشت
فاتحہ آرای کلام قدیم

متکلمی کہ خلعت اعجاز کلام معجز طراز قرآن را بما ہو نفی و ما ہو بقول شاعر از آلایش تہمت شعر مطہر ساختہ" اسی مقدمہ میں وہ سبب تالیف یوں بتاتے ہیں۔

"نمودہ می آید کہ در تاریخ سنۂ اربع وثمانین وثمان مائہ کہ مدت عمر از شصت گذشتہ بود و بہفتاد نزدیک گشتہ قریب بدہ ہزار بیت از شعر ہای پراکندہ کہ اوقات شریف بآن ضایع گشتہ بود برآن تاسف می بروم۔ دفع دغدغہ را جمع و ترتیب کردہ شد و ہمت برآن بود کہ اگر بقیۂ حیاتی باشد بتلافی آن مصروف گردد۔ اما چون گاہ گاہ بحکم وقت بی سابقۂ تکلفی بیتی یا بیشتر از خاطر سرمی زد بموجب اشارت بعضی از درویشان کہ با داوقت ایشان خوش چو وقت دیگران زایشان، صورت تکمیل می یافت و در قید کتابت در می آمد و ادراج در سلک آنچہ پیشتر سمت انتظام یافتہ بود۔ مظنۂ اخلال بترتیب آن

---

[1] دیوان جامی (گنج بخش): ۹۔

می بود جداگانہ در این اوقات ثبت افتاد۔ امید است کہ اگر موجب اجری نباشد مفضی بو زری نیز نگردد۔

درآغاز تصویر این تازہ نقش — چو تمنہ گفتم از بہر فال
خردمند دانا بسر حروف — از آن گفتہ دریافت تاریخ سال"[1]

(تمنہ = ۸۸۴ھ]۔

تیسری بار جامی نے ۸۹۶ھ/۹۱-۱۴۹۰ء میں یعنی اپنی وفات سے دو سال پہلے اپنے دیوان کی تدوین کی اور اسے ایک جدید ترتیب کے تحت تین حصّوں میں تقسیم کر دیا۔

۱۔ فاتحۃ الشباب۔ نوجوانی میں کہے گئے اشعار کا مجموعہ۔
۲۔ واسطۃ العقد۔ اپنی عمر کے درمیانی حصّے میں کہے گئے اشعار کا مجموعہ۔
۳۔ خاتمۃ الحیوۃ۔ وہ اشعار جو اپنی زندگی کے آخری سالوں میں کہے۔

اس از سرِ نو ترتیب و تدوین کے دو سبب تھے۔ ایک تو امیر خسرو دہلوی کی مثال جامی کے سامنے تھی جنہوں نے اپنے اشعار کو زندگی کے ادوار کے لحاظ سے مدوّن کیا تھا۔[2] دوسرا امیر علی شیر نوائی کا تقاضا بھی یہی تھا۔ امیر خود "خمسۃ المتحیرین" میں لکھتا ہے:

"میں (مشہد میں) امام علی بن موسیٰ الرضا کے روضے کی زیارت کے بعد حسب معمول مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان دنوں وہ اپنا تیسرا دیوان ترتیب دے رہے تھے۔ اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک دیوان مجھے عنایت فرمایا۔ میں نے جسارت سے کام لیتے ہوئے کہا "ہم نے نہیں سنا کہ امیر خسرو کے علاوہ بھی کسی شاعر نے اپنے ایک سے زائد دواوین مرتب کئے ہوں۔ خسرو نے اپنے جتنے دیوان

---

[1] دیوان جامی (گنج بخش): ۱۵۶ ب۔

[2] خسرو دہلوی کے دواوین کی ترتیب یہ ہے:
۱۔ تحفۃ الصغر۔ ۲۔ وسط الحیات۔ ۳۔ غرۃ الکمال۔ ۴۔ بقیۂ نقیہ۔ ۵۔ نہایۃ الکمال۔

بھی مرتب کئے ہیں ہر ایک کا الگ اور موزوں نام رکھا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ آپ بھی اپنے ہر دیوان کے لئے ایک مخصوص نام تجویز کریں۔ انھوں (جامی) نے میری تجویز مان لی۔ دو دن بعد جب میں دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو چند کاغذات لا کر مجھے دیے۔ جن پر انھوں نے اپنے دواوین کی فہرست لکھ رکھی تھی اور ہر دیوان کا الگ نام درج تھا۔[۱]

مولانا جامی نے اس تیسرے مدونہ دیوان پر بھی حسب معمول مقدمہ قلمبند کیا۔ جہاں وہ لکھتے ہیں:

"... نمودہ می آید کہ این کمینہ بحسب فطرت اصلی وقابلیت جبلی ہدف سہام احکام نجستہ فرجام صنعت کلام افتادہ بود ہرگز نتوانست کہ اوقات خود را بالکلیہ از ابداع نظمی یا اختراع نثری فارغ یابد و خالی گرداند، لاجرم از توالی اعوام وشہور وتمادی اعصار ودہور رسائل وکتب متعددہ از منثورات ودفاتر متنوعہ از مثنویات ودواوین متفرقہ از قصاید وغزلیات جمع آمدہ بود تا درین زمان کہ از تاریخ ہجرت نبویہ تا تکمیل مائۃ تاسعہ سہ سال بیش باقی نماندہ است محب ومعتقد درویشان بلکہ محبوب ومعتقد ایشان نظام الملۃ والدین علی شیر وفقہ اللہ ہمت شریف بدان آوردہ است کہ دواوین وقصائد وغزلیات را کہ عدد آن بسہ رسیدہ، دریک جلد فراہم آورد وچون سہ مغز دریک پوست بپرورد، ازین فقیر استدعای آن کرد کہ ہریک باسمی خاص اختصاص گیرد وازوصمت ابہام واشتراک صورت استخلاص پذیرد۔ لاجرم بملاحظۂ اوقات ووقوع آن دیوان اول کہ در اوان جوانی واوایل زمان امانی بوقوع پیوستہ بہ "فاتحۃ الشباب" اتسام می یابد ودیوان ثانی کہ در اواسط ایام زندگانی

---

[۱] خمسۃ المتحیرین ترجمہ فارسی محمد نخجوانی۔ (حکمت)۔

انتظام یافتہ بہ "واسطۃ العقد" نامزد میشود و دیوان ثالث کہ در اواخر حیات آغاز ترتیب آن شدہ است بہ "خاتمۃ الحیوۃ" موسوم میگردد امیدواری بکرم پروردگار عز شانہ واثقست کہ نام ہمہ عزیزان بصوالح اعمال و لطائف اقوال بر صفحات روزگار بماند و آن را واسطۂ دعای خیر و وسیلۂ سعادت آخرت گرداند.

ہرگز مکناد این فلک پر اشتلم — نام ما را ز نامۂ ہستی گم
زیرا کہ بقای آن پس از مرگ نخست — گویند حکیمان کہ حیوتیست دوم"

ابتدائے دیوان سوم: بسم اللہ الرحمن الرحیم

طرفہ خطابیست ز سفر کریم

کردہ ازین حرز ستایشگران

نقش نگین خاتم پیغمبران

جامی کے ان تینوں دواوین کے مندرجات کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ **قصائد** : وہ نظمیں جو خدا، رسول اکرمؐ، ائمہ اور معاصر سلاطین کی مدح میں لکھیں تاہم اس حصے میں کچھ صوفیانہ کلام، اخلاقی نظمیں اور مراثی بھی آگئے ہیں۔

۲۔ **مثنویات و ترجیعات** : مختلف موضوعات پر مختصر نظمیں ہیں۔

۳۔ **غزلیات** : جامی کے دیوان کا بہترین حصہ یہی غزلیات ہیں۔ ان کی کوئی غزل بھی سات اشعار سے اوپر نہیں جاتی۔ ان غزلوں میں مضامین کی لطافت اور ندرت کم اور عشق و تصوف کے لطائف و حقایق زیادہ ہیں۔

۴۔ **مقطعات** : نصیحت آمیز اور پر مزاح نظموں پر مشتمل یہ ایک مختصر حصہ ہے۔

۵۔ **رباعیات** : یہ حصہ بھی عشق و تصوف کے مسائل پر مبنی ہے۔

ان پانچوں اصناف سخن میں اگرچہ ہم جامی کو قصیدہ سرائی میں انوری و معزی، غزل

گوئی میں سعدی و حافظ، رباعی کہنے میں خواجہ ابوسعید ابوالخیر اور خیام اور قطعہ سازی میں سنائی اور ابن یمین (فریومدی) ایسے اساتذۂ سخن پر فوقیت نہیں دے سکتے بلکہ بعض معاملات میں مذکورہ شعراء ہی کو جامی پر برتری حاصل ہے لیکن جب شاعری میں تصوّف کی اصطلاحات اور حقایق کے بیان کی بات چل نکلتی ہے تو وہاں جامی سب شاعروں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ عربی مضامین، روایات اور اقوال سے مطلب اور مفہوم اخذ کرنے اور انہیں فارسی میں منتقل کرنے کی مہارت میں جامی کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ ترجمے کے کام میں "امانت و دیانت" ان کا شیوہ تھا۔ اگرچہ وہ اس ضمن میں اپنے کلام کو طول دیتے لیکن کیا مجال کہ وہ اصل موضوع کی حد سے ایک قدم بھی تجاوز کریں۔ دیوان جامی میں جہاں کہیں بھی کوئی عربی قطعہ یا شعر منتقل یا بطور ملمع آیا ہے اس نے جامی کے فارسی اشعار کو نئی زینت بخشی ہے۔ عربی ادبیات میں مولانا جامی کا تبحر اور مہارت ان کی شہرت کا اصل سبب ہے کیونکہ جامی سے متقدم یا متاخر جن فارسی شعراء نے بھی عربی اشعار کہے یا عربی ادبیات سے کچھ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے وہ جامی کے پایہ تک نہیں پہنچ پائے۔ جامی کے اشعار پر اپنی رائے زنی سے بہتر ہے ہم یہاں ان کا وہ قطعہ درج کر دیں جو انہوں نے اپنے تیسرے دیوان میں لکھا ہے:

"ہست دیوان شعر من اکثر	غزل عاشقان شیدائی
یا فنون نصائح است و حکم	منبعث از شعور و دانائی
ذکر دو نان نیابی اندر وی	کان بود نقد عمر فرسائی
مدح شاھان دراو باشد عاشت	نہ زخوش خاطری و خودرائی
امتحان را، اگر زسرتا پاش	برروی صدره و فرود آئی
نان مدائح بخاطرت نرسد	معنی حرص و آز پیمائی
ہیچ جا نبود آن مدائح را	درعقب قطعۂ تقاضائی"

[رک: تکملۂ نوشاہی: ۳۵۴].

۲۰۔ الفوائد الضیائیہ یا شرح بر کافیۂ ابن حاجب

یہ عربی کتاب ۱۱ر رمضان ۸۹۷ھ / ۷ر جولائی ۱۴۹۲ء کو تالیف ہوئی۔

ابتداء: "الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی نبیہ وعلی آلہ و اصحابہ المتادبین بآدابہ۔"

اختتام: "قد استراح من مکد الانتهاض لنقل ہذا الشرح من السواد الی البیاض العبد الفقیر عبدالرحمٰن الجامی ... فی ضحوۃ السبت الحادی عشر من شہر رمضان المنتظم فی سلک شہور سنہ سبع وتسعین وثمان مائہ۔"

علم نحو میں ابن حاجب کی عربی کتاب "کافیہ" کی شرح ہے[1] جو جامی نے اپنے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کے لئے لکھی جو ان دنوں ابتدائی عربی تعلیمات حاصل کر رہے تھے۔ اسی مناسبت سے کتاب کا نام "فوائد الضیائیہ" رکھا۔ کتاب کا اسلوب قدیم شارحین کی طرز پر ہے یعنی اصل متن کا جملہ نقل کر کے اس کی شرح لکھی گئی تاہم ضمناً آیات و احادیث اور عربی اشعار بطور حوالہ استعمال کر کے جامی نے کئی اضافی نکات بھی درج کیے ہیں۔ [رک: تکملۂ نوشاہی: ص ۳۹۵].

جامی کی تالیفات کا ذکر یہیں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اس بارے میں یہ اظہارِ افسوس ناگزیر ہے کہ ہمیں مولانا کے دیگر قلمی آثار دستیاب نہ ہو سکے اور ان کا تعارف درج ہونے سے رہ گیا۔ دراصل تہران میں جو وسائل و اسباب میسّر تھے یا جامی کے جن نسخوں کو دیکھا یا پڑھا جا سکتا تھا ہم نے انہی پر اکتفا کیا ہے اور یہ مختصر باب دراصل

---

[1] جمال الدین ابی عمرو عثمان بن عمر معروف بہ ابن حاجب (م ۶۴۶ھ) کی نحو پر مشہور عربی کی کتاب "الکافیہ" کے لئے ملاحظہ ہو: کشف الظنون ۲: ۱۳۷۰-۱۳۷۶۔

تصانیف جامی کے سلسلے میں مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ دوسرے علماء وفضلاء ان ناقص معلومات کو مکمل کریں گے اور جو کچھ صرفِ نظر ہوا ہے اس کی تلافی فرمائیں گے۔ اگر کوئی سہو و اشتباہ واقع ہوا ہے تو اس کی بھی تصحیح کی جائے۔

تکملۂ

آثارِ جامی

از

سید عارف نوشاہی

مقدّمہ

جیسا کہ جناب حکمت نے لکھا ہے کہ ان کی مولانا جامی کی تمام تصانیف تک رسائی نہیں تھی اور انہوں نے صرف وہی کتابیں قابل ذکر سمجھی ہیں جن کو وہ تہران میں میسّر اپنے وسائل کی مدد سے دیکھ پائے تھے[1]

جناب حکمت کی یہ مشکل بجا تھی کہ صرف تہران میں بیٹھ کر خراسان و ایران کی حدود سے باہر بھی پراگندہ تصانیف جامی کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا اور ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

۱۳۲۰ ہجری شمسی (جو جناب حکمت کی جامی پر زیر نظر کتاب کا تقریبی سال تالیف ہے) سے لے کر اب تک (۱۳۶۲ ہجری شمسی) کے درمیانی بیالیس سالوں میں محققین اور کتاب شناسوں نے جامی کے چند مزید آثار دریافت کر لئے ہیں۔ اُدھر دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود مشرقی مخطوطات کی جو فہارس شائع ہوئی ہیں ان میں بھی جامی کے نئے اور پرانے آثار کا ذکر ملتا ہے۔ فارسی اور عربی ادب کی تاریخ پر کام کرنے والوں نے بھی جامی کی کتابیں دریافت کرنے کے لئے جستجو کی ہے۔ جامی کی تصانیف کی ایک جامع فہرست مرتب کرنے کے لئے مذکورہ فہارس کتب اور تواریخ ادب سے استفادہ کرنا ناگزیر ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے مقدمہ میں لکھ آئے ہیں[2] کہ جامی کے معنوی اور علمی تعلقات بڑے وسیع تھے اور ترکستان،

---

[1] زیر نظر کتاب، ص ۲۹۶ و ۳۴۰۔

[2] دیکھیے مقدمۂ کتاب، ص ۴۹۔

ہندوستان، ماوراءالنہر، روم اور عراق وغیرہ کے سلاطین واکابر کے ساتھ ان کی خط و کتابت اور تبادلۂ کتب رہتا تھا۔ لہٰذا ان ممالک کے شاہی، سرکاری اور علمی خاندانوں کے موروثی کتب خانوں سے بھی جامی کے آثار کی تلاش ضروری ہے۔

مولانا جامی کی تصنیفات و تالیفات کی فہرست کی تکمیل کے لئے مذکورہ بنیادی تقاضوں کو پاکستان (بالخصوص راولپنڈی جیسے سنگلاخ شہر) میں بیٹھ کر پورا کرنا ہمارے لئے بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا جناب حکمت کے لئے تہران میں۔ اس کے باوجود ہم نے کوشش کی ہے کہ یہاں دستیاب تواریخ ادبیات اور عربی و فارسی کتب کی فہارس سے تصانیف جامی کا سراغ لگایا جائے اور جن پاکستانی کتب خانوں تک ہماری رسائی اور وہاں کی کتابوں سے استفادے کی سہولت ممکن تھی وہاں سے بھی آثار جامی تلاش کر کے ان کے نام اپنی فہرست میں شامل کریں۔

بہرحال اس محدود کوشش سے اب تصانیف جامی کی نسبتاً ایک جامع تر فہرست تیار ہوئی ہے اور ہم نے جناب حکمت کی طرف سے آثار جامی کے دیئے گئے ۴۹ ناموں پر مزید ۷۰ ناموں کا اضافہ کیا ہے [1]

زیرِ نظر فہرست (تکملہ) میں بعض کتب و رسائل کا تعارف مختصر اور تشنہ ہے۔ اس کی بڑی وجہ اُن رسائل کا ابھی تک دستیاب نہ ہونا یا مخطوطہ کی صورت میں پاکستان سے باہر ہونا ہے، جنہیں اپنے ذاتی ذرائع سے حاصل کرنا میرے لئے آسان نہیں تھا۔ امید

---

[1] جناب حکمت نے تحفۂ سامی، تکملۂ لاری اور ریو کی فہرست کی مدد سے جامی کی ۴۹ کتابوں کے نام گنوا کر ان میں سے ۲۶ کتابوں کا مفصل تعارف پیش کیا ہے۔ جبکہ زیرِ نظر تکملہ میں جامی کی (متفق علیہ) اپنی کتابوں کی تعداد ۷۵ اور تحقیق طلب آثار کی تعداد ۴۸ ہے۔

ہے کہ فہرست آثارِ جامی کی تکمیل کا یہ کام کوئی دوسرا " خوش معاش جامی شناس " کرلے گا۔

ہم نے اس تکملہ میں تصانیف جامی کی فہرست کو از سرِ نو موضوعی ترتیب پر مدوّن کیا ہے اور انہیں تین حصوں پر تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ: (قسم الف) جامی کی مستقل تصانیف کی فہرست پر مشتمل ہے اور جامی سے ان کی نسبت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اس انتساب کی صحت کے لئے ہم نے مولانا عبدالغفور لاری کے تکملۂ حواشی نفحات الانس (تألیف بعد از ۸۹۸ھ و قبل از ۹۱۲ھ) سے مدد لینے کے علاوہ ذاتی اجتہاد سے بھی کام لیا ہے۔ اس حصہ میں ۵۷ کتابوں کا ذکر ہے۔

(قسم ب) جامی کی غیر مستقل تصانیف پر مبنی ہے۔ یعنی اُن کی مستقل اور اصل کتابوں کا انتخاب و اقتباس جو الگ نام سے معروف ہے۔ ہم نے اس قسم کی ۵ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

دوسرا حصہ: اس حصہ میں جامی کی وہ کتابیں متعارف ہوئی ہیں جن کے نام متاخر اور معاصر کتب تاریخ و تذکرہ اور فہارس میں ملتے ہیں۔ ہم ان میں سے اکثر کتابیں دیکھ نہیں پائے۔ (ممکن ہے اب اُن کے صرف نام ہی محفوظ رہ گئے ہوں) ایسی صورت میں ان کتابوں کی جامی سے نسبت کے بارے میں کوئی قطعی اور حتمی رائے دینا مشکل ہے۔ اس بات کا بھی امکان پایا جاتا ہے کہ ایک ہی رسالے کو دو یا دو سے زیادہ نام دیے گئے ہوں۔ پھر بھی تذکرہ نگاروں، مورخوں اور فہرست نویسوں کی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے ان رسائل و کتب کو فی الحال جامی کی تصانیف کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس قسم کی ۸۴ کتابوں کا یہاں اندراج ہوا ہے۔

تیسرا حصہ: اس حصہ میں وہ کتابیں ہیں جو صریحاً غلط طور پر جامی سے منسوب کر دی

گئی ہیں حالانکہ انکے اصل مصنفین معلوم ہیں یا دوسرے شواہد کی بنا پر انہیں جامی کی تصنیف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ غلط انتساب دراصل کاتبوں، نساخوں اور ان کی پیروی میں فہرست نگاروں، تذکرہ نویسوں کی عجلت اور کم توجہی کا نتیجہ ہے۔ ہم نے موضوع کی مناسبت سے یہاں صرف گیارہ کتابوں کی نشان دہی کی ہے ورنہ مزید تلاش اور ورق گردانی سے مزید مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔

اس تکملہ میں کوشش کی گئی ہے کہ حصہ اول و دوم میں مذکور کتابوں کے ضروری اور دستیاب کوائف درج کر دیے جائیں۔ لیکن ہم نے ان کتابوں پر نقد و نظر سے گریز کیا ہے کیونکہ یہ کام ان صاحب نظر لوگوں کا ہے جو اپنے اپنے ذوق کے مطابق جامی کی تحریروں کا خصوصی اور عمیق مطالعہ رکھتے ہیں۔ بعض موارد میں یہ کام ان مصححین نے بھی انجام دے دیا ہے جنہوں نے آثار جامی کی تصحیح کی اور اپنے تحقیقی و تحلیلی مقدموں کے ساتھ انہیں شائع کیا۔ ہم نے ایسی معیاری اشاعتوں کی نشاندہی کر دی ہے اور مزید تفصیلات کے لئے دوسری کتابوں اور مقالوں کی طرف ارجاع دے دیا ہے۔ (اپنی اطلاع کے مطابق) غیر مطبوعہ تصانیف جامی کے سلسلے میں ہم نے ان کے (معلوم) قدیم ترین مخطوطات کا ذکر مفید سمجھا ہے۔

ان متفرق کوششوں کے باوجود اس امر کی شدید ضرورت پائی جاتی ہے کہ ایک مربوط اور مکمل "کتاب شناسی جامی" کے لئے وسیع اور تکنیکی بنیادوں پر کام کیا جائے جو کم از کم مندرجہ ذیل پہلوؤں پر محیط ہو۔

۱۔ جامی کے حالات پر مستقل کتابیں۔

۲۔ جامی کے حالات پر عمومی کتابیں۔

۳۔ جامی کے بارے میں مقالات۔

۴۔ جامی کی تصانیف و تالیفات و شروح وغیرہ کی فہرست۔

۵۔ جامی کے آثار کی شروح وتراجم وغیرہ کی فہرست۔

۶۔ جامی کے آثار کی طباعتیں۔

۷۔ جامی کے آثار کے نویں اور دسویں صدی ہجری میں مکتوبہ قلمی نسخوں اور دیگر نفیس مخطوطات کی فہرست۔

سید عارف نوشاہی

پہلا حصہ (قسم الف):

جامی کی مستقل تصانیف

ادب ۔ نثر

۱۔ بہارستان یا روضۃ الاخیار (فارسی ۔ نثر و نظم)

رک: متن، صفحہ ۳۲۸

آغاز: "چون مرغ امرذی بالی زآغاز نہ از نیروی حمد آید بپرواز

... ہزاران ہزار داستان حمد و ثنا از زبان مرغان بہارستان عشق و وفا کہ"

نیز ملاحظہ ہو:

۱۔ احمد گلچین معانی: تاریخ تذکرہ ہای فارسی ۲: ۸۶ ۔ ۴۸۵۔

۲۔ خواجہ عبداللہ مروارید: "درباب کتاب بہارستان جامی": مقالہ در "آریانا" کابل ج ۳، شمارہ ۱۱۔[1]

"بہارستان" پر دانشکدۂ ادبیات و علوم انسانی، دانشگاہ تہران (ایران) کی طرف سے ایم۔ اے کی ڈگری کے لئے مندرجہ ذیل رسائل لکھے گئے ہیں[2]

۱۔ ابوالحسن منفرد، منصورہ (۴۵ ۔ ۱۳۴۴ شمسی)، شمارہ ۲۵۱ "مقایسہ بین گلستان سعدی

---

[1] بحوالہ آریانا۔ ج ۲۶، شمارہ ۳، ص ۳۹۔

[2] مہری دخت بشارت: فہرست رسالہ ہای تحصیل دانشگاہ تہران ۱: ۵۰۰، ۱۸۳۔

و بہارستانِ جامی"۔ ۸۶ص۔

۲۔ میرخارع، باقر (۴۴-۱۳۴۳شمسی)، شمارہ ۱۶۷ "مقایسہ گلستانِ سعدی و بہارستان جامی"، ۱۶۷ص۔

۳۔ سوداگر، مہدی (۴۳-۱۳۴۲شمسی)، شمارہ ۷۶۔ "بہارستان جامی با مختصری از شرح حال و سبک آن و ذکر لغات مشکلہ کتاب"۔ ۱۱۴ص۔

تہران یونیورسٹی، تہران سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کے لئے بھی بہارستان پر ایک رسالہ لکھا گیا۔

۱۔ فرنگیس پرویزی (۳۵-۱۳۳۴شمسی) شمارہ ۳۹۳ "بہارستان نورالدین عبدالرحمٰن جامی" ۴۷+ ۲۹۲ص[1]

۲۔ شرح دیباچہ مرقع (فارسی نثر)

یہ میر علی شیر نوائی (۸۴۴-۹۰۶ھ) کے "دیباچہ مرقع" کی شرح ہے۔
اس کا ایک مخطوطہ کلیاتِ جامی مورخ ۱۰۷۹ھ، نمبر ۱۷۲۰، کتب خانہ اکادمی علوم شوروی۔ لینن گراڈ (روس) میں موجود ہے۔[2]

---

[1] پوراندخت مشوف ادر خلیل شیرازی "فہرست مقدماتی رسالہ ہای دکترای دانشکدۂ ادبیات و علوم انسانی" در مجلہ "کتابداری" دفتر ہشتم شمارہ ۲۹، تہران ۱۹۸۰ء، ص ۱۱۴۔

[2] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۵: ۳۴۵۹۔ وہاں اسی شرح کے جس دوسرے نسخہ (مخزونہ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور) کی نشاندہی کی گئی ہے وہ در اصل حفیظ اللہ کی "شرح دیباچہ نورس" ہے یہ غلطی حروف چینی (کمپوزنگ) کے دوران میں مواد کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے۔

۲۔ منشآت جامی (فارسی۔نثر)

رک : متن، صفحہ ۳۳۲

آغاز : بعد از انشای صحائف ثنای ومحمدت اللہ الذی انزل علی عبدالکتاب وپس از ادای وظائف درود وتحیت علی افضل من اوتی الحکمۃ وفصل الخطاب نمودہ می آید۔

اختتام :
فتحی کہ نصیب نیک خواہان تو شد
مغلوب شدن روزی بدخواہ تو باد[1]

مؤسسہ شرق شناسی اکادمی علوم ازبکستان، روس میں شمارہ ۸، ۲۱ کے تحت مکاتیب جامی کا جو قلمی نسخہ موجود ہے اس میں جامی کے تین سو سے بیشتر مکتوبات اور رقعات درج ہوئے ہیں۔[2]

پاکستان وہند میں یہ مجموعۂ مکاتیب "انشائے جامی" اور "رقعات جامی" کے نام سے کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ چند اشاعتیں یہ ہیں :

۱۔ کلکتہ، ۱۲۲۶ھ، ۴۴ ص۔

۲۔ بمبئی، طبع خانۂ فضل الدین کھمکر، ۱۲۶۱ھ، شرح سکندرنامہ کے حاشیہ پر ص ۴۱۳-۵۲۳۔

۳۔ کان پور، مطبع احمدی۔ ۱۳۰۸ھ، ۱۰۸ ص۔

۴۔ نامۂ جامی بہ نوائی (فارسی)

جامی نے امیر علی شیر نوائی کو یہ مکتوب اس وقت لکھا جب اس نے (نوائی) گوشہ نشینی

---

[1] آغاز واختتام مطابق نسخہ مطبع احمدی، کانپور، ۱۳۰۸ھ۔

[2] گیر سیخ (مترجم)، "مکاتیب مولانا جامی" مقالہ مندرج در "آریانا"، کابل ج ۲۳، شمارہ ۲، ص ۹۱-۹۶۔

اختیار کر لی تھی (۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء کے بعد)۔

یہ مکتوب، کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران میں مخزونہ بیاض (نمبر ۴۱۷۷) کے ص ۵۰-۵۱ پر درج ہے۔[۱]

ادب۔ نظم

۵۔ اشعار نایاب جامی (فارسی)

مذکورہ عنوان سے جامی کے نایاب اشعار جناب محمد علم غواص نے جمع کر کے اپنے مقدمہ کے ساتھ مؤسسہ طبع کتب، مطبع دولتی ہرات (افغانستان)، ۱۳۴۸ھ ش، د + ۱۶۰ + ۶ ص سے شائع کئے ہیں۔[۲]

مرتب نے مقدمہ میں وضاحت کی ہے کہ اس مجموعہ کے نایاب اشعار، مولانا جامی کی اولاد میں سے ہرات کے معاصر شاعر اور صوفی جناب بہاوالدین قاصد ادہی کے مملوکہ مخطوطہ سے لئے گئے ہیں۔ یہ قلمی نسخہ ناقص الطرفین ہے اور خط نستعلیق میں دوسو سال قبل لکھا گیا تھا۔

مذکورہ نسخہ میں جامی کی تقریباً چار سو غزلیات، دس قصائد، ایک سو تین قطعات اور رباعیات موجود ہیں۔ دیوان کامل جامی باہتمام ہاشم رضی مطبوعہ تہران اور کلیات و دواوین جامی مطبوعہ ہند سے تقابل کے بعد اس نسخہ کی ۱۵۷ غزلیں اور قصائد نایاب ثابت ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں نسخۂ ادہی کا کلیات جامی کے دو مخطوطات سے بھی مقابلہ کیا گیا جن میں سے ایک نویں صدی ہجری میں لکھا گیا ہے اور ہرات میوزیم میں موجود ہے۔

---

[۱] دانش پژوہ: فہرست کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران ۱۳: ۳۱۴۴ (صفی)۔
[۲] حسین نایل: فہرست کتب چاپی دری افغانستان: ۲۷۳ (عدد مسلسل)۔

دوسرا مخطوط غلام محمد مجددی (بظاہر افغانستان) کی ملکیت میں ہے جو بارہویں صدی ہجری میں تحریر ہوا۔

اس مطبوعہ نسخہ سے جامی کی ایک نامکمل غزل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

سبکدستی کن ای ساقی بده رطل گران مارا
بخود درمانده ایم از مازمانی وارهان مارا
نمی خواهم که افتد چشم ما بر تو خوشا وقتی
که سازی در حجاب غیب خویش از ما نهان مارا
میانِ ما و تو نبود حجابی جز وجود ما
بیا یکدم کمر بکشای و بردار از میان مارا
جمال خود نما تا نیست گردیم از وجود خود
که هست این نیستی تخم بقای جاودان مارا[۱]

۶۔ دوازدہ امام (فارسی۔ مثنوی)

پچپن اشعار پر مشتمل یہ مثنوی (اہلِ تشیع کے) بارہ ائمہ کے مناقب اور محامد پر مشتمل ہے تاہم ابتدائی چار اشعار چہار خلفائے راشدین کی مجموعی مدح میں ہیں۔

آغاز: مخترع عالم کون و فساد   چار گہر در کف گیتی نہاد

اختتام: جامی و اخلاص علی الکریم   ہم بخدا ہم بعلی العظیم

اس مثنوی کا متن ایک بیاض موسوم بہ "بیاض اللہوردی" مؤلفہ و مکتوبہ ۱۰۷۵ھ

---

[۱] آریانا۔ کابل۔ ج ۲۸، ش ۴، ص ۸۸۔ ۸۹ تعارف کتاب "اشعار نایاب جامی"۔

میں درج ہے۔ یہ بیاض جو پہلے کسی سُنّی عالم کی ملکیت میں تھی، اب سیّد محمود فرخ (ایران) کے پاس موجود ہے۔ سیّد صاحب نے اُسی نسخہ سے اس مثنوی کا متن مختصر مقدمہ کے ساتھ مجلّہ "نامۂ آستان قدس رضوی" مشہد (ایران) جلد ۱، شمارہ ۲، صفحات ۲۳-۲۶ میں شائع کر دیا ہے۔ انھوں نے اپنے مقدمہ میں علی اصغر حکمت کی کتاب "جامی" میں مندرج جامی کے عقائد اور زیر نظر مثنوی کے مندرجات کو مطابقت دینے کی کوشش کی ہے[۱]

۷۔ دیوانِ جامی (فارسی۔ نظم)

رک : متن، ص ۳۳۲

جامی کے اشعار کا کلیات متعدد بار برِصغیر، ترکی اور ایران سے شائع ہو چکا ہے[۲]۔ تحقیقی متن مندرجہ ذیل ہے۔

دیوان کامل جامی : باہتمام و مقدمہ ہاشم رضی، انتشارات پیروز، تہران (ایران)، ۱۳۴۱ش، ۳۰۲ + ۹۵۵ ص۔

دیوانِ جامی کے تحلیل و تجزیہ اور تقابل کے ضمن میں رضا مصطفوی سبزواری کے ڈاکٹریٹ کے رسالہ (دانشگاہ تہران۔ سال ۱۳۵۴ شمسی) "تحلیل دیوان جامی بر اساس

---

[۱] مطبوعہ متن میں چوّن (۵۴) شعر درج ہوئے ہیں کیونکہ مصحح مخطوطہ سے ایک شعر نہیں پڑھ سکا۔ ہمیں اس مطبوعہ متن کا عکس کتابخانۂ آستان قدس رضوی، مشہد (بحوالہ خط نمبر ۵۰۲۰۔ مورخ ۲۴/۳/۱۳۶۰ ش) نے مہیا کیا ہے جس کے لئے ہم بے حد شکرگزار ہیں۔

[۲] خانبابا مشار : فہرست کتابہای چاپی فارسی ۲ : ۸۱-۲۲۸۰۔

تحلیل اشعار ناصر خسرو" کا ذکر بھی ضروری ہے۔[1]

۸۔ ہفت اورنگ (فارسی۔نظم)

رک : متن، ص ۳۱۳

آغاز (مقدمہ) : "حمد الرب جلیل من عبد ذلیل وسلاماً علی حبیب فایق من محب صادق وعلی صحبہ وآلہ":

ہفت اورنگ میں شامل مثنویات الگ الگ متعدد بار پاکستان، ہند اور ایران وغیرہ سے شائع ہو چکی ہیں۔ مگر ان کے مجموعہ کا مندرجہ ذیل ایڈیشن بہتر طور پر قابل استفادہ ہے۔

مثنوی ہفت اورنگ۔ بتصحیح و مقدمۂ آقا مرتضیٰ۔ مدرس گیلانی، کتابفروشی سعدی، تہران (۱۳۵۱ش)، چاپ دوم، سی وشش + ۱۰۴۹ + (۲) ص۔

مندرجات کی تفصیل اس طرح ہے :

مقدمۂ مصحح (ص سہ۔سی وچہار)، مقدمۂ جامی (ص سی وپنج۔سی وشش)، سلسلۃ الذہب۔ دفتر اول (ص ۱۔۱۸۳)، سلسلۃ الذہب۔ دفتر دوم (ص ۱۸۴۔۲۵۸)، سلسلۃ الذہب۔ دفتر سوم (ص ۲۵۹۔۳۰۹)، سلامان وابسال (ص ۳۱۰۔۳۶۴)، تحفۃ الاحرار (ص ۳۶۵۔۴۴۳)، سبحۃ الابرار (ص ۴۴۴۔۵۷۶)، یوسف وزلیخا (ص ۵۷۷۔۷۴۸)، لیلیٰ ومجنون (ص ۷۴۹۔۹۱۰)، خردنامۂ اسکندری (ص ۹۱۱۔۱۰۱۳)، فہرست مطالب مثنویات (ص ۱۰۱۴۔۱۰۴۸)، فہرست آثار جامی (ص ۱۰۴۹)۔

---

[1] مجلہ "کتابداری"، دفتر ہشتم، شمارہ ۲۹۔ ص ۱۲۵۔

۸/۱۔ سلسلۃ الذہب

رک : متن، ص ۳۱۴ تا ۳۱۸

مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔

۱۔ ازسعدی تا جامی : ۷۶۸-۷۷۱۔

2. D.S. Robertson : Journal of Royal Asiatic Society, Oct : 1945 Apr : 1946. بحوالہ ازسعدی تا جامی : ۷۶۶

۸/۲۔ سلامان وابسال

رک : متن، ص ۳۱۸

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو :

۱۔ ازسعدی تا جامی : ۷۶۶ اور ۷۷۴-۷۷۱۔

۲۔ جامی از حکمت : ۹۳-۱۸۹۔

۳۔ نگاہی بہ سلامان وابسال جامی و سوابق آن، از عبدالحی حبیبی، تعلیق از محمد اسمٰعیل مبلّغ، از نشرات انجمن جامی۔ کابل عقرب ۱۳۴۳ش/۱۹۶۴ء، ۲+۵۲+۳+ (۴) ص۔

سلامان وابسال پر چند تنقیدی مقالات یہ ہیں :[1]

۱۔ عالمشاہی : "نگاہی بہ سلامان وابسال جامی" (نوشتۂ عبدالحی حبیبی)، مجلّہ سہ ماہہ

---

[1] ایرج افشار: فہرست مقالات فارسی ۲: ۱۸۰۰۱، ۲۰۶۰۳، ۲۰۶۰۳، ۷۰۱۱ (عدد ہائے مسلسل)۔

"ادب" (کابل) جلد ۱۲، شمارہ ۵-۶، ص ۹۹-۱۱۶۔

۲۔ حبیبی، عبدالحی: "توضیح انتقاد" (مربوط بہ سلامان و ابسال). ادب، کابل، ج ۱۲، ش ۱-۲، ص ۶۲-۷۰۔

۳۔ مبلغ، محمد اسمٰعیل: "جواب نویسندۂ تعلیق" (بر نقد مربوط بہ کتاب سلامان و ابسال). ادب، کابل، ج ۱۳، ش ۱-۲، ص ۷۱-۸۱۔

۸/۳۔ تحفۃ الاحرار

رک: متن، ص ۳۲۰

آغاز (مقدمہ): حامد المن جعل جنان کل عارف مخزن اسرار کمالہ و لسان کل واصف مطلع انوار جمالہ۔

نیز ملاحظہ ہو: از سعدی تا جامی: ۶۶۷ اور ۷۵-۷۷۴۔

۸/۴۔ سبحۃ الابرار

رک: متن، ص ۳۲۱

آغاز (مقدمہ): "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
خطبۂ قدس است بملک قدیم

المنۃ للہ کہ بخون گر خفتم   یک چند چو غنچہ عاقبت بشگفتم

.... سبحان اللہ این چہ گوهر هاست کہ در نیسان احسان از رشحات سحاب فضل در صدف صدق گرد آمدہ"

نیز دیکھئے: از سعدی تا جامی: ۶۷۷ اور ۷۷-۷۷۵۔

۸/۵۔ یوسف و زلیخا

رک : متن ، ص۳۲۲

اختتام : زبان را گوشمال خامشی ده که هست از هر چه گویی خامشی به

نیز دیکھئے :

۱۔ از سعدی تا جامی : ۷۹ ۔ ۷۸۰

۲۔ بہروز ، محمد حسین ، "تکملۂ یوسف و زلیخای جامی" (از شاعر مجهول الاسم ۔ قرن ۱۲ھ) ، مجلۂ آریانا ، کابل ، ج ۲۱ ، ش ۸ ، ص ۲۴۔۳۲ ۔

۳۔ خیامپور ، عبد الرسول : "یوسف و زلیخا" (یوسف و زلیخا کی داستان پر مشتمل کتابوں پر بحث ہے) ، نشریۂ دانشکدۂ ادبیات تبریز (ایران) ' ۱۰ : ۲۲۱۔ ۲۲۸ و ۴۱۸۔۴۳۳ اور ۱۱ : ۳۹ ۔ ۶۸ و ۲۳۳ ۔ ۲۶۰ ۔[1]

۸/۶۔ لیلیٰ و مجنون

رک : متن ، ص ۳۲۶

اختتام : پاکان بنیاز صبحگاهان آمرزشم از خدای خواهان

اس مثنوی اور داستان لیلیٰ و مجنون پر مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو :

۱۔ "رومئو و ژولیت" ترجمہ و نگارش علی اصغر حکمت ، تہران ، ۱۳۱۹ش ۔

۲۔ از سعدی تا جامی : ۷۸۰۔ ۷۸۱ ۔

---

[1] ایرج افشار : فہرست مقالات فارسی ۱ : ۲۲۲ (عدد مسلسل) ۔

۲۔ روان فرہادی: "آغاز و انجام عشق و عشقبازی در لیلیٰ و مجنون جامی" مقالہ مندرج "در تجلیل ... نورالدین عبدالرحمٰن جامی"، ص ۵۶ - ۶۸۔

۸/۷۔ خرد نامۂ اسکندری

رک: متن، ص ۳۲۷

اختتام:

بیا مطربا تیز کن چنگ را — بلندی دہ از زخمہ آہنگ را

کہ تا پنبہ از گوش دل برکشیم — ہمہ گوش گردیم و دم درکشیم

نیز دیکھیے:

۱۔ ایرج افشار: "خرد نامۂ اسکندر مخلوق جامی" مقالہ در "تجلیل ... جامی" ص ۱۲۲ - ۱۲۷۔ مجلۂ دانشکدۂ ادبیات (دانشگاہ تہران) ۱۲: ۱۶۲ - ۱۶۹۔

علومِ نقلی۔ تفسیر

۹۔ تفسیر سورۂ اخلاص

یہ تفسیر مولانا جامی نے تبریز (آذربایجان) کے حکمران سلطان یعقوب بیگ[۱] (حکومت ۸۸۴ - ۸۹۶ھ) کے فاضل وزیرِ اعظم قاضی عیسیٰ ساوجی[۲] کے لئے تالیف کی اور انہیں بھیجی۔ مولانا نے قاضی کے نام اپنے ایک مکتوب میں اس تفسیر کا ذکر یوں کیا ہے۔

"دیرگاہ بود کہ در خاطر فاتر میگذشت کہ تفسیر سورۂ اخلاص و تقریر صورت

---

[۱] و [۲] سلطان یعقوب بیگ اور قاضی عیسیٰ کا ذکر ص ۱۱۵ پر گذر چکا ہے۔

اختصاص قلمی کردہ سمت عرض یابد اما بواسطہ توہم گستاخی در حیز توقف وتراخی می ماند. بحمد اللہ سبحانہ کہ تحریک این سلسلہ وتسیک این مرحلہ بعنایت بی علت منعم علی الاطلاق المقتدی بالنعم قبل الاستحقاق از آن جانب بظہور آمد۔ آری آری، اینہا ز تو آید وچنین ہا تو کنی۔[1]

۱۰۔ تفسیر سورۂ فاتحہ (فارسی۔ نثر)

نفیسی نے تاریخ نظم ونثر در ایران ۱: ۸۸۔ ۲۸۷ اور بشیر ہروی نے تعلیقات تکملہ حواشی نفحات الانس: ۸۱ میں اس کا نام درج کیا ہے۔
احمد منزوی نے فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۱: ۲۹ میں جامی کی اس تفسیر کا ذکر "تفسیر سورۂ فاتحۃ الکتاب" کے نام سے کیا ہے جو کلیات جامی مکتوبہ ۹۷۰ھ میں شامل ہے اور یہ کلیات نئی دہلی بھارت (کتب خانہ کا نام درج نہیں) میں موجود ہے۔
نیز دیکھئے: تفسیر قرآن مجید اسی صفحہ پر۔

۱۱۔ تفسیر قرآن مجید (عربی۔ نثر)

پہلے پارہ کی سورۂ بقرہ کی آیت "وایای فارھبون" (آیہ ۴۰) تک کی تفسیر ہے۔
جامی سبب تالیف میں لکھتے ہیں کہ وہ ایک ایسی جامع تفسیر لکھنا چاہتے تھے جو بلغاء کے نکات اور عرفاء کے اشارات پر مشتمل ہو اور ناقابل فہم لطائف ودقائق سے پاک ہو۔ بعد میں جامی کے شاگرد مولانا عبد الغفور لاری نے مؤلف کے حکم پر اسے صاف کرکے

---

[1] انشائے جامی: ۸۱۔ یہ مفصل مکتوب اس عربی شعر سے شروع ہوتا ہے:
وعلیک یا اہل السلام سلامی — والیک شوقی دائما وغرامی

لکھا ہے۔ خود لاری کی اس تفسیر کے بارے میں یہ رائے ہے کہ جامی نے اس میں اسرار سے پردہ اٹھایا ہے[۱]

آغاز: الحمد للہ رب العالمین من الاولین الاقدمین والآخرین الاکرمین .. امابعد: فقد کان یخالج صدری و یدور فی خلدی ان ارتب فی تفسیر کلام اللہ وتاویل آیاتہ کتاباً جامعاً لوجوہ اللفظ والمعنی.

انجام: فوایای فارھبون فلاتنقضوا عہدی.

کتب خانہ سلیمانیہ۔ ترکی میں اس تفسیر کے کم از کم آٹھ مخطوطات موجود ہیں۔ ایا صوفیہ ترکی کے نسخہ ۵۰۴ پر جامی کے دستخط کے ساتھ وہ منثور و منظوم عبارت درج ہے جو انہوں نے مذکورہ نسخہ سلطان یعقوب بیگ آق قوینلو (مقتول ۸۹۶ھ) کو پیش کرتے وقت لکھی تھی۔[۲]

اسی تفسیر کا ایک قلمی نسخہ جناب علی اصغر حکمت کے پاس موجود تھا۔ لیکن انہوں نے پروفیسر ایڈورڈ براؤن کی کتاب کے فارسی ترجمہ "از سعدی تا جامی" میں محض اس کا تذکرہ کیا ہے[۳] اور کوئی تفصیل نہیں دی۔

حدیث

۱۲۔ چہل حدیث = اربعین (فارسی۔ نظم)

رک: متن، ص ۳۱۱

آغاز: (مقدمہ): صحیح ترین حدیثی کہ راویانِ مجالس دین و محدثان مدارس

---

[۱] کشف الظنون ۱: ۴۴۴ "تفسیر الجامی"۔

[۲] ولیم چیٹک، استدراکات "نقد النصوص": ۵۰۸-۵۰۹۔

[۳] از سعدی تا جامی: ۷۶۲۔ حاشیہ

یقین املا کنند حمد و آیاتی کہ کلمات تامہ جامعہ بر زبان معجز بیان حبیب خود گذرانیدہ۔

چہل حدیث کا خوبصورت ایڈیشن مندرجہ ذیل عنوان کے ساتھ بمناسبت پنجصد و پنجا ہمین سال ولادت جامی ہروی، کابل (افغانستان) سے شائع ہوا ہے۔

"اربعین۔ ترجمۂ منظوم چہل حدیث مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی، بخط حسین وفا سلجوقی، مقدمہ در علم حدیث از محمد شاہ ارشاد، معرفی آثار جامی از مایل ہروی۔ از نشرات انجمن جامی، ریاست تنویر افکار وزارت مطبوعات (کابل)، عقرب ۱۳۴۳ش، ۲۲ (مقدمات) + ۴۱ ص۔

مذکورہ ایڈیشن میں ہر صفحہ پر پہلے عربی میں ایک حدیث، اس کے بعد فارسی منظوم ترجمہ اور آخر میں حدیث مذکورہ کی قسم اور حوالہ دیا گیا ہے۔

اربعین جامی کا صحیح ترین متن باہتمام محمد یعقوب واحدی بعنوان "اربعین جامی و اربعین نوائی" ماہنامہ آریانا، نشریۂ انجمن تاریخ افغانستان۔ کابل، جلد ۲۴۔ شمارۂ مسلسل ۲۶۳، ۲، شمارہ حاضر ا و ۲، دلو و حوت ۱۳۴۴ش/جنوری۔ فروری ۱۹۶۶ء، ص ۵۶۔ ۷۱ (ص ۵۶ تا ۵۷ مقدمہ، ص ۵۸ تا ۶۵ اربعین جامی، ص ۶۶ تا ۷۱ اربعین نوائی (بہ ترکی منظوم) شائع ہوا ہے۔ مصحح نے یہ متن ہندوستان، افغانستان اور ترکی میں مطبوعہ اربعین جامی اور کابل میں اربعین جامی کے چند اہم مخطوطات کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے۔

۱۳۔ شرح حدیث عمائیہ (فارسی۔ نثر)

ابی رزین عقیلی (رحمتہ اللہ علیہ) سے منقول اس حدیث نبوی کہ شرح ہے کہ کسی نے آنحضرت (ص) سے پوچھا کہ "این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق" (کہاں تھا ہمارا خدا اس سے پہلے کہ خلائق کو پیدا کرے؟) تو آپ نے فرمایا "کان فی عماء ما تحتہ ہوا و ما فوقہ ہواء"

(ایک ابر (یا آسمان) میں تھا اس کے نہ نیچے ہوا تھی نہ اوپر)۔

شارح کے نزدیک اس حدیث کے ظاہری معنی اشکال سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ شکوک واشکال رفع کرنے کے لئے انہوں نے "سخنان کبرائے دین" اور کلمات عظمائے اہلِ یقین" سے مدد لی اور لکھا کہ حضرت حق تعالیٰ کے من حیث توجیہ عالم ظہور تک کچھ مراتب ہیں۔ اس کے بعد شارح نے چھ مراتب بیان کئے ہیں۔

آغاز: اے پاک ز حیز و مبرا ز مکان
خالی ز تونی درون نہ بیرون جہان
از کنہ تو کس نہ نام بیند نہ نشان
در ستر عماست دیدۂ عقل و گمان

عن ابی رزین العقیلی (رح) قال قلت یا رسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق"۔

انجام: ہر حرف خطا کہ جستہ باشد ز قلم
شویند بآب عفو و باران کرم[1]

اس شرح کا قدیم ترین مخطوطہ کتابخانہ ملک، تہران میں کلیات جامی (۵۹۷۴) مورخ ۸۹۵ھ ص ۶۶۰ (تا ۶۶۲) ہے[2]

---

[1] نسخہ مخزونہ کتابخانہ گنج بخش راولپنڈی (نمبر ۱۶۱۷) درمجموعہ ص ۴۵۔۵۰، مورخ ۱۲۲۲ھ۔

[2] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی ۲ (۱): ۱۲۲۸۔

اس حدیث پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں:

۱۔ خدا کو تخلیق سے پہلے کسی جگہ کی ضرورت تھی۔

۲۔ تخلیق کے بعد وہ اپنی مخلوقات میں تھا، یہ بھی حلول ہے۔ (باقی ۳۶۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

۴ا۔شواہد النبوۃ لتقویۃ یقین اہل الفتوۃ (فارسی۔نثر)

رک : متن ، صفحہ ۳۰۹

آغاز: "الحمد للہ الذی ارسل .... اما بعد نمودہ می آید کہ نخستین رکن از ارکان اسلام اقرار بہ کلمۂ شہادتست :"

انجام : "باعث و متصدی این جمع تألیف را بہ دعای خیر مرحمت یاد کنند و بہ استدعای فضل و مکرمت امداد نمایند .....

در آن بیخودی بازگشتش تو باش   کہ حسن المآبی و نعم المآل"

شواہد النبوۃ کی کوئی منقح و مصحح طباعت ہماری نظر سے نہیں گذری۔ البتہ کئی قدیم ہندوستانی اشاعتیں موجود ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے :

لکھنؤ، نولکشور، ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء، ۲۴۴ ص۔[۱]

جناب احمد منزوی نے شواہد النبوۃ کے دو قدیم ترین قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے :

ا۔تہران ، کتابخانہ ملی، شناذ بخط جامی مورخ ۸۷۷ھ، ص ا۔ ۱۹۵۔

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۳)

جامی کے علاوہ دوسرے صوفیہ اور علماء نے بھی اس حدیث کی وضاحت کی ہے۔ ان میں سے صاین الدین علی ترکہ اصفہانی (م ۸۳۵ھ) اور محمد نوربخش (م ۸۶۹ھ) کی شروح کا ذکر "فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۲: ۲۹ - ۱۲۲۸ میں ملتا ہے۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ نویں صدی ہجری میں یہ مسئلہ بڑی توجہ کا حامل رہا ہے۔

[۱] مزید ایڈیشنوں کے لئے دیکھئے: خانبابا مشار: فہرست کتابہای چاپی فارسی ۳: ۳۳۱۹۔

۲۔ استنبول، ایاصوفیہ ۲۰۷/۱، ۴، درکلیات جامی مورخ ۸۷۷ھ[۴] مگر شواہد النبوۃ کی تاریخ تالیف ۸۸۵ھ کی روشنی میں مذکورہ نسخوں کی تاریخ کتابت مشکوک نظر آتی ہے۔

۱۵۔ مناقب شیخ الاسلام عبداللہ انصاری (فارسی نثر)

کچھ عرصہ پہلے تک خیال کیا جاتا تھا کہ جامی کا یہ رسالہ مفقود ہو چکا ہے لیکن مشہور مستشرق آربری نے ثابت کیا ہے کہ اس کا واحد نسخہ دہلی میں موجود ہے۔ آربری کا خیال ہے کہ نسخۂ دہلی جامی کے خودنوشت نسخہ کی نقل ہے۔ اس کے آخر میں لکھا ہے "رسالۂ شریفہ صورت اتمام نیافتہ بود وسمت اختتام پذیرفتہ"۔ بقول آربری اس رسالہ کا بیشتر حصہ "نفحات الانس" میں درج ہوا ہے لیکن بقیہ مضامین کسی دوسری جگہ نہیں ملتے۔[۲]

اس کی دو اشاعتیں ہمارے علم میں ہیں :

۱۔ تصحیح آربری

Arberry, A. J. : Jami's Biography of Ansari

Islamic Quarterly London, 1963 Vol : 7. pp 57-82.[۳]

۲۔ مقامات شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری، بہ تصحیح وحواشی فکری سلجوقی، کابل، انجمن جامی، ریاست تنویر افکار، ۱۳۴۳ھ ش، ۴۵ ص۔[۴]

---

[۱] فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۲/(۱) : ۱۲۶۴۔

[۲] و [۳] ولیم چِٹک : مقدمہ بر نقد النصوص، ہیجدہ۔

[۴] حسین نایل : فہرست کتب چاپی دری افغانستان : ۱۷۱ (عدد مسلسل)۔
نیز دیکھئے :

۱۔ شمہ ای از احوال خواجہ عبداللہ انصاری" (نقل از رسالہ" (باقی صفحہ ۳۶۶ پر دیکھئے)

۱۶۔ نفحات الانس من حضرات القدس (فارسی۔نثر)

رک : متن صفحہ ۳۰

آغاز : الحمد للہ الذی جعل مرائی قلوب اولیائہ مجالی جمال وجہ الکریم ... اما بعد میگوید پای شکستہ زاویۂ خمول و گمنامی عبدالرحمن بن احمد جامی۔

اختتام : رباعی فی تاریخ اتمامہ

این نسخۂ مقتبس زانفاس کرام — کز وی نفحات انس آید بمشام
از ہجرت خیر البشر و فخر انام — در ہشتصد و ہشتاد و سوم گشت تمام

نفحات الانس کی دو بہترین اشاعتیں موجود ہیں :

۱۔ بکوشش مولوی غلام عیسیٰ، عبدالحمید و کبیرالدین احمد۔ بانضمام شرح احوال مؤلف (انگریزی) بقلم W. Nassau Lees (1825-1889) مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ ۱۸۵۹ء، ۲۰ + ۳۰ + ۷ + ۱۵ ص۔

۲۔ تصحیح و مقدمہ و پیوست مہدی توحیدی پور، کتابفروشی محمودی، تہران ۱۳۳۷ش۔ ۱۶۵ + ۶۷۹ ص۔

نفحات الانس پر مزید دیکھئے :

۱۔ عبدالرؤف بینوا : "نفحات الانس مولانا جامی" مجلۂ آریانا، کابل جلد ۱، شمارہ ۹۔

۲۔ شمس بریلوی : مقدمہ بر "نفحات الانس (اردو ترجمہ)" کراچی ۱۹۸۲ء۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶۵) منسوب بجامی کہ اخیراً پیدا شدہ است) کتاب ہفتہ (تہران. شمارہ ۱۰۴، ص ۸۱-۸۶۔

۲۔ بورکوی : "مولانا عبدالرحمن جامی و خواجہ عبداللہ انصاری" مقالۂ مندرج در تجلیل.. ‌ز جامی" ص ۳۸-۴۶۔

W. Ivanow :

"The sources of Jami's Nafhat"; Journal and

Proceedings Asiatic Society of Bengal (New series)

Vol : XVIII,1922, No : 7, issued 26th Oct : 1923, P-365-402

۶. W. Ivanow :

"More on the s ources of Jami's Nafhat",

Journal and Proceedings A.S.B. Vol : XIX, 1923,

No : 7. p 299-303.

فقہ

۱۷۔ رسالۂ مناسک حج (صغیر)۔ (فارسی۔ نثر)

رک : متن ، صفحہ ۳۰۳ "ارکان الحج"

مولانا لاری لکھتے ہیں :

"حضرت ایشان (یعنی جامی) درمناسک حج دو رسالہ نوشتہ اند۔ یکی صغیر کہ مشہور است ویکی کبیر کہ .... مشہور نیست" [۱]

۱۸۔ رسالۂ مناسک حج (کبیر)۔ (بظاہر فارسی)

چاروں مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے عقائد کی بنیاد پر مسائل حج پر یہ رسالہ

---

[۱] تکملہ حواشی نفحات الانس : ۳۹۔

جامی نے سفر حجاز کے دوران (۸۷۷ھ/۷۳-۱۴۷۲ء) میں لکھا۔ مگر عرفات میں گم ہو گیا۔ چونکہ اس کا اصل مسودہ بھی موجود نہیں تھا اس لئے (دوبارہ نہ لکھا جا سکا اور) پردۂ گمنامی میں رہا۔[1]

۱۹۔ شرح النقایہ مختصر الوقایہ (فارسی۔ نثر)

حنفی فقہ پر صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود (م ۷۴۵ھ) کی عربی کتاب "النقایہ مختصر۔ الوقایہ" کی مختصر فارسی شرح ہے۔[2]

آغاز: الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وسائر النبیین ....بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنی ابتدا میکنم نام خدائے مہربان بخشایندہ۔[3]

یہ شرح مطبع نولکشور، لکھنو (ہند) سے ۱۳۰۲ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

تصوّف

۲۰۔ اشعۃ اللمعات شرح لمعات (فارسی۔ نثر)

رک: متن، ص ۳۱۰

آغاز: لولا لمعات برق نور القدم من نحو حمی الجود وحی الکرم ... پاکا خداوندی کہ آئینۂ محمدی

---

[1] تکملۂ لاری: ۳۹

[2] حاجی خلیفہ: کشف الظنون ۲: ۱۹۷۲

[3] یہ آغاز جناب خلیل الرحمٰن داؤدی (مقیم نکلسن روڈ) لاہور کے مملوکہ اس نسخہ سے درج کیا گیا ہے جو انہوں نے عجائب گھر لاہور کو فروخت کے لئے پیش کیا تھا اور میں نے اسے عجائب گھر ہی میں دیکھا ہے۔

را مطرح اشعۂ لمعات جمال جمعی احدی ساخت۔

اشعۃ اللمعات کی تازہ ترین اور خوبصورت اشاعت باہتمام حامد ربانی تہران سے ۱۳۵۲ش میں ہوئی ہے [۱]

۱۴۔ تہلیلیہ۔ شرح لا الٰہ الا اللہ۔ ۱ (فارسی۔ نثر)

"لا الٰہ الا اللہ" کے معنی اور اس کے ذکر کی اہمیت اور "محمد رسول اللہ" کی شرح پر مختصر رسالہ ہے۔ "لا الٰہ الا اللہ" میں حروف الف و لام و ھا کے رموز پر بھی بحث کی گئی ہے۔

آغاز: من طلب البر من غیر الباری فھو مشرک بالباری۔ عشق روی بر تابد قبلہ گاہ وی ذات معشوق است وبس۔

انجام: تا خاطر خود ز خیر صافی نکنی
شایستۂ سر لا یزالی نکنی

والحمد للہ ... یہدی من یشاء الی صراط مستقیم [۲]

اس رسالہ کے دانشگاہ تہران، تہران (نمبر ۱۶/ ۸۶۷) اور برٹش میوزیم لندن (برطانیہ) ADD—26294/5 میں مخطوطات موجود ہیں۔ [۳] کتب خانہ اسعد افندی ایا صوفیہ (ترکی) کے فہرست نگار نے جامی کے "رسالہ فی اعراب لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر کیا ہے۔ وہ بظاہر یہی رسالہ ہے [۴]

---

[۱] بحوالہ ولیم چٹک: مقدمہ بر نقد النصوص: بیست وچہار۔ اشعۃ اللمعات کی دیگر قدیم اشاعتوں کے لئے ملاحظہ ہو۔ خانبابا مشار: فہرست کتابہای چاپی فارسی ۱: ۳۴۲۔

[۲] ولیم چٹک: مقدمہ بر نقد النصوص: نوزدہ۔ بیست۔

[۳] فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۱: ۲۵۰۔

[۴] دفتر کتب خانہ اسعد افندی، ص ۲۸۸۔ عدد عمومی ۱۷۰۱۔

۲۲- تہلیلہ یا کلمۃ فی التوحید-۲ (فارسی-نثر)

بظاہر یہ بھی "لا الٰہ الا اللہ" کی مختصر شرح ہے۔

برٹش میوزیم، لندن (نسخہ نمبر ۸۰۱۸) اور کتابخانۂ مجلس۔ تہران (نمبر ۱۲/۴۰/۴۸۸۴) اس کے مخطوطات موجود ہیں۔ نسخۂ مجلس بخط نستعلیق، مورخ ۱۳۰۵ھ از ص ۱۷۸ تا ۱۸۰ ہے اور اس کا آغاز ان کلمات سے ہوتا ہے:

"مبنای طریق مشغولی این عزیزان"[1]

۲۳- الدرۃ الفاخرہ یا رسالہ در تحقیق مذہب صوفی و متکلم و حکیم (عربی-نثر)

لاری[2] اور سام میرزا[3] نے اس کا نام "رسالہ تحقیق مذہب صوفی و متکلم و حکیم" لکھا ہے لیکن قاہرہ سے یہ رسالہ "الدرۃ الفاخرہ" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

مؤلف نے تاریخ تالیف کی طرف اشارہ نہیں کیا اور نہ ہی اس رسالے کا کسی بزرگ معاصر شخصیت سے انتساب کیا ہے تاہم اگر طاش کبری زادہ مؤلف "الشقایق النعمانیہ" کی زیر بحث رسالہ کے سبب تالیف کے بارے میں بات درست ہو یعنی جامی نے یہ کتاب سلطان محمد خان فاتح کے حکم اور سیدی علی الفناری کی خواہش پر تالیف کی ہے تو اس کتاب کی تالیف مذکورہ سلطان کی سلطنت کے آخری دنوں میں واقع ہوئی ہے کیونکہ یہ رسالہ سلطان کی وفات کے بعد روم پہنچا تھا (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۹۵ میں

---

[1] فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۱: ۳۶

[2] تکملہ: ۳۹

[3] تحفہ سامی: ۱۴۵۔

کتاب) چونکہ سلطان کی موت ۸۸۶ھ میں واقع ہوئی لہٰذا یہ رسالہ مذکورہ سال سے چند سال پہلے لکھا گیا۔ (غالب گمان یہ ہے کہ ۸۸۰ھ اور ۸۸۶ھ کے درمیان تألیف ہوا)۔ اور یہ عین وہ زمانہ ہے جب مولانا جامی تصوف پر اہم کتب مثلاً نفحات الانس کی تألیف میں مشغول تھے۔ چونکہ مولانا مکہ اور شام ۸۷۷ھ میں گئے تھے لہٰذا اس رسالہ کی تألیف اس سفر سے واپسی کے بعد ہوئی۔ اس زمانے میں مولانا کی روم (ترکی) اور شام کے شہروں میں کافی شہرت تھی کیونکہ ۸۷۷ھ کے اوائل میں جب جامی شام پہنچے تھے تو اس کی اطلاع قیصر روم کو مل چکی تھی۔

اس رسالہ میں وحدت وجود، اور خدا کے اسماء، صفات، علم، قدرت، ارادہ اور کلام ایسے مسائل پر اشعری متکلمین اور حکماء کی آراء پر صوفیہ کے نظریات کو ترجیح دی گئی ہے اور مصنف نے صدر الدین قونیوی اور خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتب، اشارات بوعلی سینا، شرح مفتاح الغیب از فناری وغیرہ سے دلائل نقل کئے ہیں۔

جامی مقصد تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اما بعد فہذہ رسالۃ فی تحقیق مذہب الصوفیہ والمتکلمین والحکماء المتقدمین وتقریر قولہم فی وجود الواجب لذاتہ وحقایق اسمائہ وصفاتہ وکیفیۃ صدور الکثرۃ عن وحدتہ من غیر نقص فی کمال قدسہ وعزتہ ومایتبع ذلک من مباحث آخر یؤدی الیہا الفکر والنظر والمرجو من اللہ سبحانہ ان ینفع بہا کل طالب منصف ویصونہا عن کل متعصب متعسف وہو حسبی ونعم الوکیل۔"

رسالہ میں درج مباحث اور مضامین کی فہرست یہ ہے:

۱۔ تمہید۔ فی ان فی الوجود واجبا و الالزام انحصار الموجود فی الممکن۔

۲۔ الکلام فی ماذھب الیہ جمہور المتکلمین وبیان حاصل مذہب الحکماء فی ان الوجود

مفہوماً واحداً.

۳۔ الکلام فی ان مستند الصوفیۃ فیما ذھبوا الیہ ھو الکشف والعیان لا النظر و البرھان.

۴۔ القول فی وحدتہ تعالیٰ.

۵۔ القول الکلی فی صفاتہ تعالیٰ.

۶۔ القول فی علمہ تعالیٰ.

۷۔ القول ان علمہ بذاتہ منشأ لعلمہ بسائر الاشیاء.

۸۔ القول فی الارادۃ.

۹۔ القول فی القدرۃ.

۱۰۔ القول فی ان الاثر القدیم ھل یستند الی المختار ام لا.

۱۱۔ القول فی کلامہ سبحانہ وتعالیٰ.

۱۲۔ القول فی بیان ان لا قدرۃ للممکن.

۱۳۔ القول فی صدور الکثرۃ عن الوحدۃ.

آغاز: الحمد للہ الذی تجلی بذاتہ لذاتہ فتعین فی باطن علمہ مجالی ذاتہ وصفاتہ ثم انعکست آثار تلک المجالی.

انجام: وما انبساط علی القوابل لایجاد حقائق العین فلا یلزم ان یکون علی تلک النسبۃ فیمکن ان یکون الصادر ولا بالوجود العینی اکثر من واحد کما ذھب الیہ الصوفیۃ الموحدۃ قدس اللہ اسرارھم.

یہ رسالہ قاہرہ (مصر) میں مطبعہ کردستان العلمیہ نے ۱۳۲۸ھ میں امام فخر الدین رازی کی کتاب "اساس التقدیس" کے حاشیے پر صفحہ ۲۴۸ سے بعد شائع ہو

چکا ہے[1] لیکن اس کا تنقیح اور تصحیح شدہ متن نکولس ہیر Nicholas Heer استاد اورگن یونیورسٹی، امریکہ نے تیار کیا ہے جس میں مصحح نے خود جامی کے متعدد حواشی سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یہ متن مک گیل فاؤنڈیشن، تہران کی طرف سے زیرِ طبع ہے۔[2]

۲۴۔ سخنان خواجہ پارسا یا الحاشیۃ القدسیہ (فارسی و عربی۔ نثر)

رک: متن، صفحہ ۳۰۸

جناب احمد طاہر عراقی، خواجہ پارسا کے "قدسیہ" پر اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ رسالۂ سخنان خواجہ پارسا کے مرتب کا نام مجہول ہے (مطبوعہ تہران، ۱۳۵۴ش، ص ۷۶). بعد ازاں ہرمان ایتھے کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ چونکہ سخنان خواجہ پارسا کے مرتب مولانا جامی ہیں لہٰذا بظاہر قدسیہ کا حاشیہ بھی عبدالرحمن جامی ہی کا لکھا ہوا ہے (ص ۹۲)۔ مگر یہ استدلال درست نہیں ہے۔ کسی کتاب میں بھی "قدسیہ" پر جامی کے حواشی کا ذکر نہیں ہوا۔ البتہ بعض مآخذ میں سخنان خواجہ پارسا کا دوسرا نام الحاشیۃ القدسیہ درج ہوا ہے۔

جناب عراقی نے "قدسیہ" کا جو حاشیہ جامی سے منسوب کیا ہے (مقدمہ بر قدسیہ" صفحہ ۸۸-۹۲) اس کے طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان سے بھی ظاہر ہے کہ وہ جامی کی تحریر نہیں ہے کیونکہ مذکورہ حواشی کی عبارت ثقیل ہے اور اس لطافت اور چاشنی سے خالی ہے

---

[1] یہاں تک تمام مضمون علی اصغر حکمت کے مقالہ "چہار کتاب از مولانا جامی" مندرج در مجلۂ آموزش و پرورش "تہران"، شمارہ ۶، شہریور ماہ ۱۳۲۳ سال چہاردہم، ص ۲۸۲ تا ۲۸۴ سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

[2] ولیم چِٹک: مقدمہ بر نقد النصوص: بیست و پنج۔

نیز ملاحظہ ہو: طرازی: "جامی..." ص ۱۰۲۔

جو جامی کی تحریروں کا خاصہ اور حصہ ہے۔[1]

یہ رسالہ سہ ماہی مجلہ "فرہنگ ایران زمین (تہران) دفتر ۴ جلد ۱، ۱۳۳۲ شمسی میں ص ۲۹۴ تا ۳۰۳ شائع ہو چکا ہے۔

۷۵۔ سر رشتۂ طریقۂ خواجگان (فارسی نثر)

یہ وہی رسالہ ہے جس کا ذکر سام میرزا نے "طریق صوفیان" اور مولانا لاری نے "رسالہ در طریق خواجگان" کے نام سے کیا ہے۔[2]

جامی نے یہ رسالہ گیلان کے اس ارادتمند کے لئے لکھا تھا جو موت کے منہ میں تھا اور مولانا جامی کی باطنی توجہ سے دوبارہ جی اٹھا۔ (تفصیل صفحہ ۲۷۸ پر گذر چکی ہے)۔

اس مختصر رسالہ میں مولانا جامی نے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند اور اُن کے خلفاء کے حاصل طریقہ کی نشان دہی کی ہے یہ طریقہ تصحیح عقیدہ کے بعد ان کی سلف صالح کے عقائد کے ساتھ مطابقت، اعمالِ صالحہ سے وصول، سننِ ماثورہ کا اتباع، محظورات و مکروہات سے اجتناب اور حق سبحانہ کے ساتھ دائمی حضور ہے۔

جامی کے نزدیک اس طریقہ سے وصول تین طرح سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ ذکر لا الٰہ الا اللہ سے۔

۲۔ توجہ و مراقبہ سے۔

۳۔ شیخ کے ساتھ رابطہ سے۔

اس کے بعد وہ وقوفِ زمانی پر روشنی ڈالتے ہیں۔

---

[1] ولیم چٹک: مقدمہ بر نقد النصوص: بیست و شش (حاشیہ) ملخصاً۔

[2] تذکرہ تحفۂ سامی: ۱۴۵، تکملہ حواشی نفحات الانس: ۳۹۔

طرازی نے "نور الدین عبد الرحمٰن جامی: ۲۱۴" میں اس رسالہ کا دوسرا نام "نوریہ" لکھا ہے۔

یہ رسالہ اشعار، رباعیات اور حکایت سے مزیّن ہے۔

آغاز: سررشتۂ دولت ای برادر بکف آر
دین عمر گرامی بخسارت مگذار

..... بدان افناک اللہ عنک و ابقاک بہ کہ حاصل طریقۂ حضرت خواجہ۔

انجام: جملہ سر خواص و سر عوام
گفتہ شد والسلام والاکرام

اس رسالہ کی بہترین اشاعت با مقدمہ و تصحیح و تعلیق عبدالحی حبیبی از نشر انجمن جامی، ریاست تنویر افکار وزارت مطبوعات (افغانستان۔ کابل)، ۱۳۴۳ش/ ۱۹۶۴ء ہے۔ ہم نے اسی ایڈیشن سے استفادہ کیا ہے۔

۲۶۔ سوال و جواب ہندوستان (بظاہر فارسی۔ نثر)

سام میرزا اور مولانا لاری نے اس رسالہ کا ذکر کیا ہے۔[۱]

جامی کی ہندوستان میں ملک التجار محمود گاوان اور اس کے بیٹے سے تصوّف کے مسائل پر خط و کتابت تھی (تفصیل صفحہ ۴۹، ۲۴ پر گذر چکی ہے) ممکن ہے یہ رسالہ ان لوگوں کے استفسا کے جواب میں لکھا گیا ہو۔

۲۷۔ شرح بیت خسرو دہلوی۔۱ (فارسی۔ نثر)

جامی نے جس شخص کے اشارے پر یہ شرح لکھی، مقدمہ میں محض اس کی صفات "امارت

---

[۱] تذکرۂ تحفۂ سامی: ۱۴۵ میں "رسالہ جواب وسوال رسولان ہندوستان" اور تکملہ حواشی نفحات الانس: ۲۹ میں "رسالۂ جواب سوال ہندوستان" کے نام سے ذکر ہوا ہے۔

مآبی و سعادت انتسابی" لکھنے پر اکتفا کیا ہے اور نام کی تصریح نہیں کی ہے.

امیر خسرو دہلوی (م ۷۲۵ھ) کے مشہور شعر اور بقول شارح "بیتی کہ بر دل و زبان اہل ذوق و وجدان رسانیدہ".

ز دریائے شہادت چون نہنگ لا بر آرد سر
تیمم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

کی ابن عربی کے عقائد کے مطابق صوفیانہ شرح کی گئی ہے. شارح نے "دریائے شہادت" اور "نہنگ لا" کی اصطلاحات اور "نوح" کی تشبیہ کی توجیہات کی ہیں. بالمجموع یہ "لا الٰہ الا اللہ" کی شرح میں ہے.

آغاز: "یا من لارب غیرہ ولا الٰہ سواہ وفقنا فی القول والعمل لما تحبہ وترضاہ.
... این چند کلمہ الیست بر حسب اشارت خدمت امارت مآبی سعادت انتسابی."

انجام: قطع این رہ براہ پیمائی
کی توان کرد اگر تو ننمائی[1]

اس شرح کا قدیم ترین نسخہ کتابخانۂ ملک. تہران (نمبر ۸/۹۵،۴) میں موجود کلیات جامی، مورخ ۸۹۵ھ، ص ۶۵۸-۶۵۹ میں شامل ہے.[2]

یہ رسالہ متعدد بار پاکستان و ہند سے شائع ہو چکا ہے.

---

[1] شرح بیتی از خسرو، نسخۂ کتابخانۂ گنج بخش. راولپنڈی (نمبر ۱۸۱۶). در مجموعہ ص ۱۴۷-۱۵۰.
[2] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی ۲/(۱): ۱۲۱۹-۲۰
نیز دیکھئے: ولیم چٹک: مقدمہ بر نقد النصوص جامی: بیست و ہفت.

۲۸۔ شرح بیت خسرو دہلوی۔ ۲ (فارسی۔نثر)

سید حسن برنی مثنوی "قران السعدین" از خسرو دہلوی پر اپنی تمہید میں لکھتے ہیں:

"مثنوی قران السعدین کا ایک شعر تاریخی دلچسپی رکھتا ہے۔

خسرو نے کشتی کی تعریف میں لکھا ہے:

ماہ نوی کاصل وے از سال خاست

گشت یکے ماہ بدہ سال راست[۱]

کہتے ہیں کہ جس وقت مولانا جامی نے اس شعر کو دیکھا تو انہیں سال اور ماہ کے معنی سمجھنے میں کچھ تردد ہوا۔ بالآخر انھوں نے اس شعر کی تفسیر میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور بحث کا خاتمہ اس پر کیا کہ:

"چیزی خواستہ کہ بزبان ہند مخصوص باشد۔"

نفائس المآثر کا مصنف کہتا ہے کہ جب سلطان حسین مرزا کے زمانے میں شیخ جمالی دہلوی خراسان گئے تو ان کی ملاقات مولانا جامی سے بھی ہوئی۔[۲] مولانا نے اس شعر کے معنی شیخ سے دریافت کئے تو شیخ نے کہا کہ "سال" دراصل ایک لکڑی کا نام ہے جس سے ہندوستان میں کشتی بنائی جاتی ہے۔"[۳]

---

[۱] یہ شعر "قران السعدین" طبع علی گڑھ ۱۹۱۸ء، ص ۱۴۵ پر موجود ہے۔

[۲] جمالی دہلوی (م ۱۰ ذیقعد ۹۴۲ھ) کے سفر خراسان اور مولانا جامی سے مجالس کا مفصل حال جناب سید حسام الدین راشدی نے "مہر و ماہ" از جمالی مطبوعہ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، راولپنڈی ۱۹۷۴ء کے مقدمہ میں صفحہ ۶۸۔۷۳ پر کیا ہے۔

[۳] سید حسن برنی: تمہید بر "قران السعدین" مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۱۸ء، ص ۵۷۔۵۸۔

دیگر تذکرہ نگاروں نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً بندرا بن داس خوشگو نے "سفینۂ خوشگو" میں جامی اور جمالی کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

(جامی) ورقی چند بدست جمالی داد و فرمود کہ من شرح شعر استاد ہندستانی را چنین نوشتہ ام و آن بیتی ہست کہ امیر خسرو دہلوی در کتاب "قران السعدین" در تعریف کشتی گفتہ :

ماہ نوی کامل وی از سال خاست
یک مہ نوگشتہ بدہ سال راست

بر لفظ "سال" تکلفات کردہ بودند۔ جمالی قدری ازان مطالعہ کردہ دریافت و اوراق درحوض آب انداخت و گفت : "سال نام درختی ست کہ در ہند پیدا میشود و ازو کشتی ھا سازند۔ این ہمہ عبارت آرائی ھا بکار نمی آید۔ مولوی ازین معنی ملزم شد۔"[1]

چونکہ جمالی ۸۹۷ھ/۱۴۹۲ء کے بعد اس سفر پر نکلے تھے۔ اور ہرات میں جامی نے انہیں زیر نظر رسالہ دکھایا تھا لہٰذا قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ شرح (۸۹۷ھ) سے پہلے کی تصنیف ہوگی۔ ایران سے یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے۔[2]

۲۹۔ شرح دو بیت از مثنوی مولوی (فارسی۔ نثر و نظم)

سام میرزا نے تحفۂ سامی میں جامی کے رسالہ "شرح بیتی چند از مثنوی مولوی" کا ذکر

---

[1] بندرا بن داس : سفینۂ خوشگو، نسخۂ خطی دانشگاہ پنجاب لاہور۔ ورق ۱۲ اب، بحوالہ مقدمۂ راشدی بر "مہر و ماہ"، ص ۱۷۔ ۲۱۔

[2] بشیر ہروی : تعلیقات بر تکملۂ لاری : ۱۷۔

کیا ہے۔[1] یہ رسالہ تصوف کے رسائل کے مجموعہ (مثلاً اشعۃ اللمعات جامی ومنتخب جواہر الاسرار علی بن حمزہ الطوسی وغیرہ)، مطبوعہ طہران ۱۳۰۳ھ صفحہ ۳۸۲ کے حاشیے پر چھپ چکا ہے جامی اس میں کہتے ہیں :

ہم شرایع را بیان من میکنم	ہم حقایق را عیان من میکنم
ہرچہ باشد نظم و نثر اندر زمن	نیست الا نغمہ ھای لحن من
ہست ازین خوش لحن ہای جان فزا	مثنوی درشش مجلد یک نوا
فرصتی خوش باید و عمری دراز	تا بگویم حال خود یک شمہ باز
چون بپایان می نیاید این سخن	می نہم مہر خموشی بر دھن

اس کے بعد جامی نے مثنوی مولوی کے مطلع کی نثر میں تشریح کی ہے اور جگہ جگہ اشعار بھی درج کئے ہیں۔ اس طرح زیر نظر رسالہ میں تقریباً پانچ سو اشعار موجود ہیں۔

آغاز :

"بشنو از نی چون حکایت می کند	وز جدائی ھا شکایت می کند"
کیست نی آن کس کہ گوید دمبدم	من نیم جز موج دریای قدم
از وجود خویش چون گشتم تہی	نیست از غیر خدایم آگہی
خالی از خویشم من و باقی بحق	شد لباس ہستی ام یکبارہ شق

انجام :

این سعادت روی ننماید بکس	جز پس از عمری وآن ہم یک نفس
چون پس از عمری بتو روی آورد	زود تر از برق خاطف بگذرد

---

[1] تحفہ سامی، ۷۷ ۔

تشنہ را گر ز دریا خطرۂ در دل آید ملکہ برلب قطرۂ[1]

سعید نفیسی در بشیر ہروی نے جامی کی "شرح مثنوی" کا نام لیا ہے۔[2]

۳۰۔ شرح رباعیات (فارسی۔ نثر و نظم)

رک: متن، صفحہ ۳۳۱

جناب ولیم چٹک کے خیال کے مطابق یہ رسالہ جامی کی ابتدائی تصانیف میں سے ہے، کیونکہ اس رسالہ کا تیسرا حصہ جامی نے اپنی کتاب "نقد النصوص" سے بجنسہ یا ترجمے کی صورت میں نقل کیا ہے۔ جناب چٹک نے "شرح رباعیات" اور "نقد النصوص" کے مضامین کے صفحات کا تقابل پیش کیا ہے۔ اس شرح میں جامی نے کوشش کی ہے کہ تمام مضامین فارسی زبان میں ہوں۔ اگر "نقد النصوص" سے اقتباس کئے گئے مضامین عربی میں تھے بھی تو جامی نے انہیں فارسی میں منتقل کر دیا ہے۔[3]

آغاز (شرح): حمداً.... پاکایگانہ کہ کثرت ثنویت صفت و موصوف را گرد سراپردہ عزت وحدتش راہ نیست۔

یہ شرح پاک و ہند، ایران اور افغانستان سے شائع ہو چکی ہے۔ چند اشاعتیں یہ ہیں:

۱۔ "شرح رباعیات جامی" حیدرآباد، مطبع بشیر دکن۔ تاریخ ندارد، ۸، ص۔

۲۔ شرح رباعیات۔ بتصحیح مایل ہروی۔ کابل ۱۳۴۳ ش۔[4]

---

[1] علی اصغر حکمت: مقالہ "چہار کتاب از جامی" مندرجہ رسالۂ آموزش و پرورش، شمارہ ۶ سال ۱۴ ص ۲۸۲۔

[2] تاریخ نظم و نثر ۱: ۲۸۸، تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱۔

[3] مقدمہ بر نقد النصوص: بیست و یک۔ بیست و دو۔

[4] ایضاً: نوزدہ، حاشیہ نمبر ۲۔

۴۔ "سہ رسالہ در تصوف : لوامع و لوایح در شرح قصیدۂ خمریۂ ابن فارض و در بیان معارف و معانی عرفانی بانضمام شرح رباعیات در وحدت وجود" از عبدالرحمٰن جامی۔ با مقدمۂ ایرج افشار، کتابخانۂ منوچہری، تہران (۱۳۶۰ھ ش)، ۱۸۹ ص۔

برتلس نے کتابخانۂ برلن کے فہرست نگار پرچ (Pertsch) کے اس گمان کی تردید کی ہے کہ یہ رباعیات خود جامی کی نہیں ہیں۔[1]

۳۱۔ شرح فصوص الحکم (عربی، نثر)

تصوف پر جامی کی آخری اہم تصنیف ہے جو جمادی الاوّل ۸۹۶ھ/ مارچ ۱۴۹۱ء میں لکھی گئی۔ یہ امر قابل توجہ اور دلچسپی کا حامل ہے کہ جامی کی تصوف پر پہلی کتاب یعنی "نقد النصوص" اور آخری کتاب "شرح فصوص" دونوں براہِ راست یا بالواسطہ "فصوص الحکم" کی شرح میں ہیں اور یہ بات جامی کی ابن عربی (مؤلف فصوص الحکم) کے مسلک اور عقائد سے دائمی وابستگی کی عمدہ دلیل ہے۔

فصوص الحکم پر جامی سے پہلے صدر الدین قونیوی (م ۶۷۲ھ)، موید الدین جندی (م ۷۰۰ھ)، عبدالرزاق کاشانی (م ۷۳۶ھ) اور داؤد قیصری (م ۷۵۱ھ) شروح لکھ چکے تھے جو سب اصحاب فکر و نظر تھے اور ان کی شروح میں نئے معارف و نکات کثرت سے ملتے ہیں۔ مگر جامی نے فصوص کی شرح میں نیا انداز اپنایا۔ وہ جُملہ جُملہ آگے چلتے ہیں اور کسی مقام پر بھی اصل موضوع سے دُور نہیں گئے۔ اس شرح نویسی سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ قاری "فصوص الحکم" کی عبارات کو جُملات اور دستورِ زبان کی رُو سے سمجھ سکے۔ انہوں نے

---

[1] یوگنی ادوارد وویچ برتلس: "تصوف و ادبیات تصوف"، ترجمہ سیروس ایزدی، باب "شرحی از عبدالرحمٰن جامی بر رباعیات منسوب بہ او"، امیر کبیر، تہران، ۲۵۳۶ شاہنشاہی، ص ۶۲۱-۶۴۹۔

فروعی مباحث سے اجتناب کیا ہے اور کہیں بھی مستقل طور پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ اس طرح یہ شرح ان لوگوں کے لئے بہترین ہے جو ابھی شیخ اکبر کے مکتب کے رموز سے پوری طرح واقف نہ ہوں۔

آغاز: الحمد للہ الذی زین خواتم قلوب اولی الھمم الفصوص فصوص الحکم وختم بہا باب النبوۃ۔

انجام: لقد وفق للفراغ عن فک ختام ھذہ الفصوص وکشف ابہام ھذہ النصوص العبد .... عبدالرحمٰن بن احمد الجامی .... غرۃ جمادی الاولیٰ المنتظمۃ فی سلک شہور سنہ ست وتسعین وثمانمایہ واللہ اعلم۔

یہ شرح ۱۹۰۷ء میں فیروز آباد۔ ہندوستان سے چھپ چکی ہے[1]، یہی کتاب "جواہر النصوص فی حل کلمات الفصوص سید عبدالغنی النابلسی" کی شرح کے حاشیے پر ۱۳۰۴ھ میں مطبعۃ الزمان مصر سے دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے[2]

۳۲۔ شرح قصیدۂ تائیہ فارضیہ یا شرح نظم الدّر (فارسی۔ نثر)

مولانا سبب تألیف میں لکھتے ہیں:

"چون درین فرصت این کمینہ بی بضاعت را مطالعۂ قصیدۂ تائیہ فارضیہ موسوم بہ نظم الدر للہ در ناظما اتفاق افتاد و بقدر قوت و استطاعت استفادہ معانی و حقائق

---

[1] مندرجہ بالا تمام معلومات جناب ولیم چٹک کے مقدمہ بر نقد النصوص جامی، صفحہ بیست و پنج اور صفحہ چہل و دو سے ماخوذ ہیں۔

[2] حکمت: "چہار کتاب از جامی" مقالہ مندرجہ رسالہ "آموزش و پرورش" شمارہ ۶ سال ۴۱ صفحہ ۲۸۴ - ۲۸۵۔

از شروح عربی و فارسی آن دست داد. در خاطر فاتر چنان آمد کہ شرحی جمع کردہ شود مشتمل بر مجرد حل لغات و بیان حاصل المعنی بعبارت فارسی کہ فائدہ اش ظاہر آید و عام. و ترجمہ آن بہ وزن رباعی کہ کلامی است مختصر و تمام"۔[1]

آخری شعر کی شرح ملاحظہ ہو :

لانت منی قلبی وغایۃ بغیتی

وانی مرادی و اختیاری وخیرتی

این بیت جواب قسم ہائی است کہ در ابیات سابق گذشتہ. میگوید سوگند باین امور کہ سبق ذکر یافتہ و پرتو شعور و آگاہی بران تافتہ کہ ہر آینہ تو آرزوی دل ناشاد منی و غایت مقصود و غایت مرادمنی از ہمہ خوبان ترا پسندیدہ ام و بر ہمہ محبوبان ترا برگزیدہ. رباعی :

ہم آرزوی خاطر افکار توئی	ہم غایت مقصود دل زار توئی
ہر خستہ دل اختیار یاری کردست	مارا ازمیان ہمہ مختار توئی[2]

آغاز : پاکا خداوندی کہ صفحات کائنات نامہ سپاس و ستایش اوست و صحیفہ مکنونات نسخہ بخشش و بخشایش او۔[3]

انجام : دیکھیے نمونہ مندرجہ بالا۔

ابن فارض کے قصیدۂ تائیہ کی یہ شرح ان کے قصیدۂ خمریہ کی شرح "لوامع" سے الگ ہے۔ اس کا قدیم ترین مخطوطہ کتب خانۂ ایا صوفیا (استنبول۔ ترکی) میں موجود کلیات جامی (نمبر ۴۲۰۹)

---

[1] نسخۂ مخزونہ کتابخانۂ گنج بخش راولپنڈی (نمبر ۳۹۴)۔ در مجموعہ مورخ ۹۰۰ھ (ص ۳۲۸۔ ۳۶۵) ص ۲۹۔ ۳۲۸۔

[2] ایضاً، ص ۳۶۵۔

[3] ایضاً، ص ۳۲۸۔

مورخ ۷۵۸ھ میں شامل ہے[1] اور یہ شرح شائع ہو چکی ہے۔

۳۴۔ شرح قصیدۂ عطّار

عطار نیشاپوری کے قصیدہ بمطلع:

از روی در کشیدہ بباز ار آمدہ
خلقی بدین طلسم گرفتار آمدہ

کی شرح ہے۔ یہ قصیدہ انتیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس شرح کا مقدمہ اور خود شرح حق تعالیٰ کے وجود مطلق ہونے اور اس کی مختلف جہات کی تفصیل پر مبنی ہے۔ جامی نے زیر بحث موضوع کی تشریح کے لئے امام غزالی کی مشکوۃ الانوار، شیخ اکبر کی کتاب معرفت، فصوص، شیخ صدرالدین کی تفسیر فاتحہ، شیخ علاء الدولہ کے رسالۂ قدسیہ سے دلائل و شواہد نقل کئے ہیں۔ نیز اس رسالہ میں صوفی شعراء کے اشعار علامتی حوالے کے ساتھ درج ہوئے ہیں۔ ع سے مراد عطار، م سے مراد مثنوی مولوی، گ سے مراد گلشن راز، س سے مراد سنائی، ح سے مراد امیر حسینی اور ق سے مراد عراقی ہے۔

آغاز (مقدمہ): الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین،

ع ای پاکی تو منزہ از ہر پاکی
مقدسی تو مقدس از ادراکی

... بدانک نزد محققان صوفیہ حق تعالیٰ وجود مطلقست۔

---

[1] فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی ۲: ۱۲۴۴ و نیز ۵: ۳۴۸۰۔

(شرح) : ای روی درکشیدہ بیازار آمدہ ... یعنی ای آنکہ روی خود راکہ نور ظاہر وجود ست۔

انجام : لیکن چون این صانع مصنوع حقست پس مآل جمیع محامد بحق باشد والی اللہ عاقبۃ الامور و آخر دعوٰیہم ان الحمد للہ رب العالمین۔

یہ رسالہ "دیوان قصائد و غزلیات شیخ فرید الدین ابو حامد محمد بن ابوبکر ابراہیم بن اسحاق عطار نیشاپوری" با تصحیح و مقدمہ سعید نفیسی، بسرمایہ و اہتمام مدیر کتابفروشی و چاپخانہ اقبال، تہران ۱۳۱۹ کے ہمراہ صفحہ ۷۰۴ تا ۷۵۱ شائع ہو چکا ہے۔ سعید نفیسی نے یہ شرح اس مخطوط کی اساس پر چھاپی ہے جو ان کے اپنے کتب خانہ میں محفوظ تھا اور جامی کی شرح رباعیات شرح قصیدہ میمیہ خمریہ ابن فارض اور شرح قصیدۂ تائیہ ابن فارض کے ساتھ یکجا ہے۔ سعید نفیسی نے اس قلمی نسخہ کے کاغذ اور خط کو دسویں صدی ہجری کا بتایا ہے۔

ہم نے مندرجہ بالا تمام معلومات اسی مطبوعہ نسخے سے نقل کی ہیں۔

۴۳۔ شرح مفتاح الغیب

شیخ صدر الدین محمد قونوی (م ۶۷۳ھ) کی تصوف پر عربی کتاب "مفتاح الغیب" کے بعض مضامین کی شرح ہے جو مبیضہ صورت میں تیار نہ ہو سکی۔ لاری اس کے بارے میں لکھتے ہیں :

"شرح بعضی از مفتاح الغیب کہ بہ بیاض نرفتہ"[1]

[1] تکملہ حواشی نفحات الانس : ۲۹، نیز ص ۸۰۔

۳۵۔ رسالۂ طریقۂ خواجگان (فارسی، نثر و نظم)

سلسلۂ نقشبندیہ کے دستورات پر جامی نے اپنی رباعیات کی خود ہی شرح لکھ کر یہ رسالہ ترتیب دیا ہے۔

آغاز:

ترا یک پند بس در ہر دو عالم — کہ بر ناید ز جانت بی خدا دم
اگر تو پاس داری پاس انفاس — بسلطانی رسانندت ازآن پاس

اس رسالہ کا ۲۲ صفحات پر مشتمل ایک مخطوطہ انجمن تاریخ، کابل (افغانستان) میں "مجموعہ قدیم رسائل نقشبندیہ" میں موجود ہے۔[۱]

واضح ہو کہ یہ رسالہ "سررشتۂ طریقۂ خواجگان" سے جدا ہے۔

۳۶۔ لوامع انوار الکشف والشہود علی قلوب ارباب الذوق والجود یا شرح خمریہ (فارسی۔ نثر)۔

رک: متن، ص ۳۰۲

تاریخ تألیف واختتام:

بی دعوی فضل جامی ولاف ہنر — در سلک بیان کشید این عقد گہر
وان لحظہ کہ شد تمام آورد بدر — تاریخ مہ و سال وی از شہر صفر

جناب حکمت یا اکثر فہرست نگاروں نے مذکورہ رباعی کے مصرعۂ چہارم میں مذکور "شہر صفر"

۱۔ عبدالحی حبیبی: مقدمہ بر سررشتۂ طریقۂ خواجگان۔ مطبوعہ افغانستان ۱۳۴۳ش، صفحہ ۱۔

کو مادہ تاریخ قرار دے کر سال تالیف ۸۷۵ھ اخذ کیا ہے۔ لیکن جناب ولیم چٹک "از شہر صفر" کو مادۂ تاریخ سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق ۸۸۳ھ کو سال شرح قرار دیتے ہیں۔ اس تاریخ کو انہوں نے رباعی کے معنی اور اسلوب کتاب کی بنا پر ترجیح دی ہے[1]
لیکن ہمارے خیال میں مذکورہ مصرعۂ چہارم کا بغور مطالعہ کرنے [" اس کے (اتمام کے) ماہ و سال کی تاریخ شہر صفر سے ہے۔" ترجمہ] سے "شہر صفر" ہی معقول مادۂ تاریخ نظر آتا ہے۔ دوسرا اس شرح کا جو نسخہ ایا صوفیا کتب خانہ، استنبول میں کلیات جامی (شمارہ ۴۲۰۷) میں شامل ہے اس کی تاریخ کتابت (کلیات کی تاریخ کتابت) ۲۲ شعبان ۸۷۷ھ ہے[2] اور یہ تاریخ ۸۷۵ھ سے متاخر تر اور ۸۸۳ھ سے مقدم تر ہے۔

ابن فارض (م ۶۳۲ھ) کے جس عربی قصیدہ کی شرح زیر بحث رسالہ میں کی گئی ہے وہ بتیس اشعار پر مشتمل ہے۔ ردیف میم کے اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے:

شربنا علی ذکر الحبیب مدامۃ
سکرنا بہا من قبل ان یخلق الکرم

لوامع کی دو جدید اشاعتیں یہ ہیں:

۱۔ "لوامع جامی در وصف راح محبت" بتصحیح حکمت آل آقا، انتشارات بنیاد مہر، تہران، ۱۳۴۱ ش، ن + ۹۲ ص[3]

۲۔ "سہ رسالہ در تصوف، لوامع و لوایح در شرح قصیدۂ خمریۂ ابن فارض و در بیان معارف و معانی عرفانی بانضمام شرح رباعیات در وحدت الوجود" از عبدالرحمن جامی،

---

[1] مقدمہ بر نقد النصوص: بیست و سہ۔
[2] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۲/(۱): ۱۳۴۸۔
[3] خانبابا مشار: فہرست کتابہای چاپی فارسی ۴: ۴۴۴۵۔

با مقدمۂ ایرج افشار، کتابخانۂ منوچہری، تہران (۱۳۶۰ھ ش)، ۱۸۹ص۔

۳۷۔ لوایح (فارسی۔ نثر)

رک: متن، صفحہ ۳۰۱۔

مولانا جامی مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"اما بعد این رسالہ ایست مسمی بہ لوایح در بیان معارف و معانی کہ بر الواح اسرار و ارواح ارباب عرفان و اصحاب ذوق و وجدان لائح گشتہ، بعبارات لائقہ و اشارات رائقہ، متوقع کہ وجود متصدی این بیان را درمیان نبیند و بر بساط اعراض و سماط اعتراض ننشیند، چہ او را در این گفتگوی نصیبی جز منصب ترجمانی نی و بہرہ ئی غیر از شیوۂ سخن رانی نی۔"[1]

لوایح کے خاتمہ پر جامی نے اس رسالہ کی تالیف پر یوں روشنی ڈالی ہے:

"چون مقصود از این عبارت و مطلوب از این اشارت تنبیہ بود بر احاطۂ ذات حق سبحانہ و تعالی و سریان نور او در جمیع مراتب وجود تا سالکان آگاہ و طالبان صاحب انتباہ، بشہود ہیچ ذات از مشاہدۂ جمال ذات غافل نشوند و بظہور ہیچ صفت از مطالعۂ کمالات صفات او غافل نگردند۔"[2]

نسخۂ تہران (تسبیحی) مجموعی طور پر ۳۳ "لایحہ" اور ایک "خاتمہ" پر مشتمل ہے۔

لوایح کی چند مفید اشاعتیں یہ ہیں:

۱۔ عکس نسخۂ خطی لوایح، ہمراہ انگریزی ترجمہ از E.H. Whinfield و انگریزی مـ

---

[1] لوایح، چاپ تسبیحی: ۵-۶۔

[2] ایضاً: ۷۵۔

از میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی۔ مطبوعہ انگلستان، ۱۹۲۸ء۔[1]

۲۔ لوایح، با تفسیر و شرح لغات و اصطلاحات فلسفی و عرفانی، بکوشش محمد حسین تسبیحی کتابفروشی فروغی تہران ۱۳۴۲ شمسی، بیست و پنج + ۱۸۴ ص۔

۳۔ سہ رسالہ در تصوف: لوامع و لوایح در شرح قصیدۂ خمریۂ ابن فارض و در بیان معارف و معانی عرفانی بانضمام شرح رباعیات در وحدت وجود از عبدالرحمٰن جامی۔ با مقدمۂ ایرج افشار کتابخانۂ منوچہری، تہران، (۱۳۶۰ھ ش) ۱۸۹ ص۔

۳۸۔ نائیہ یا نی نامہ (فارسی۔ نثر و نظم)

رک: متن، صفحہ ۳۲۱

یہ رسالہ بعنوان "نی نامہ یعنی رسالۂ نائیہ مولانا یعقوب چرخی و رسالۂ نائیہ مولانا جامی" با مقدمہ و تحشیہ و تعلیق استاد خلیل اللہ خلیلی، کابل ۱۳۳۶ ش / ۱۳۷۷ ق شائع ہو چکا ہے اور اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اسی سے ہم اس کا مفصل تعارف لکھ رہے ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی معنوی کے مطلع:

بشنو از نے چون حکایت میکند

از جدائی ها شکایت میکند

میں مذکور لفظ "نے" کی تشریح اور توجیہ پر اصحاب حال اور ارباب قال نے اپنے اپنے انداز فکر

---

[1] اسی اشاعت کا عکس مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد اور اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور نے مشترکہ طور پر شائع کیا ہے۔

دفتر کتب خانہ اسعد افندی، ایا صوفیا، عدد عمومی ۱۵۰۰، ص ۱۳۷ پر جامی کے رسالہ "لوائح العرفان" کا اندراج ہوا ہے۔ وہ بظاہر یہی لوائح ہے۔

میں بڑا زورِ بیان اور زورِ قلم صرف کیا ہے۔ بعض "نَے" کو "روح" اور بعض "مرشدِ کامل" کہتے ہیں۔ بعض نے اس سے مراد "عاشق" لیا ہے اور بعض اسے "قلمِ اعلیٰ" قرار دیتے ہیں یعنی وہ "حقیقتِ محمدیہ" ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ "نَے" "دراصل یہی ظاہری قلم" ہے۔ کچھ نکتہ رس ارباب نے "نَے" کے اعداد ساٹھ کو حرف سین کے اعداد (ساٹھ) کے برابر قرار دے دیا ہے اور یہ تاویل پیش کی ہے کہ "سین" "درحقیقت "سید المرسلین" کا مخفف ہے۔ یاد رہے کہ حروف تہجی میں "سین" ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ کچھ شرح نویسوں نے تاویل و توجیہ سے بچتے ہوئے "نَے" سے مراد "نَے" ہی لیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا مجاز کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولانا رومی نے اپنے خیالات بزبان نَے پیش کئے ہیں[1]

مولانا جامی نے بھی زیرِ نظر رسالہ میں اپنی جدتِ فکر سے "نَے" کی تشریح فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "نَے" کو ان واصلان و کاملانِ کامل سے پوری پوری مناسبت ہے جو خود اور مخلوق سے فانی ہو کر مقام "بقا باللہ" پر فائز ہیں، کیونکہ لفظ "نَے" بعض مقامات پر نفی کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے اور ان لوگوں نے اپنے عارضی وجود کی نفی کر رکھی ہے۔

پھر مولانا جامی کہتے ہیں کہ "نَے" سے مراد "قلم" بھی ہو سکتا ہے جو مذکورہ گروہ (واصلین و کاملین) کے لئے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔

آگے چل کر جامی لکھتے ہیں کہ ہم مجاز اور استعارہ سے گزر کر "نَے" سے مراد ظاہری "قلم" بھی لے سکتے ہیں، کیونکہ اولیاء اللہ جو تمام موجودات کا ادراک رکھتے ہیں، اپنی تعلیم (بذریعہ قلم) ہی طالبوں اور مریدوں تک پہنچاتے ہیں۔

آغاز: "عشق جز نائی و ما جز نی نہ ایم
او دمی بی ما و ما بی وی نہ ایم

---

[1] خلیلی: مقدمہ بر نائیہ": ۸۶-۸۷ ملخص و ماخوذ۔

نی کہ ہر دم نغمہ آرائی کند
درحقیقت از دم "نائی کند

این سطریست چند بعضی منثور و بعضی منظوم بقلم صدق نیت و رقم خلوص طویت در بیان معنی نی و حکایت شکایت وی"

انجام "دربقای او شوی فانی تمام
زندۂ جاوید باشی والسلام"

اس رسالہ کے قدیم ترین مخطوطات کتب خانہ امیر المؤمنین نجف میں موجود کلیات جامی (نمبر۱۴۸۲) مورخ ۸۸۱ھ اور کتب خانہ طوپقپو سرای۔ استنبول کے کلیات جامی (نمبر ۱۸/۲/H.۹۰۲) مورخ ۸۷۷-۸۹۵ھ میں شامل ہیں[1]۔ لہٰذا اس رسالہ کی تاریخ تصنیف مذکورہ تاریخوں سے پہلے کی قیاس کرنا چاہیے۔

۳۹۔ نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص (فارسی۔ نثر)

رک: متن، صفحہ ۳۰۰

بعض مصنفین کو اس اصل متن کے مصنف کے بارے میں اشتباہ ہوا ہے جس کی یہ شرح لکھی گئی ہے۔ مثلاً:

۱۔ ایڈورڈ براؤن نے "از سعدی تا جامی" مترجمہ علی اصغر حکمت ص ۶۱۰، میں اسے صدرالدین قونیوی کی کتاب "فصوص" کی شرح بتایا ہے۔

۲۔ محمد تقی بہار "سبک شناسی" ۳: ۲۲۶-تہران، ۱۳۲۱ش میں اسے "شرح فصوص الحکم"

---

[1] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۲: ۱۳۷۵ و ۵: ۳۵۱۵۔

از جامی بزبان عربی سے الگ نہیں کرسکے[1]

حالانکہ خود جامی نے "نقد النصوص" کے مقدمہ میں یہ وضاحت کردی ہے کہ "نقش الفصوص" دراصل "فصوص الحکم" کا خلاصہ ہے۔ یہ خلاصہ خود ابن عربی نے تیار کیا تھا۔ تاہم جامی نے اس کی شرح لکھتے وقت صدر الدین قونیوی کی "نقش الفصوص" پر شرح سے ضرور استفادہ کیا ہے۔

"نقد النصوص" با مقدمہ وتصحیح وتعلیقات ویلیام چیتیک William C. Chittick وپیشگفتار سید جلال الدین آشتیانی، انجمن شاہنشاہی فلسفہ ایران۔ تہران سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۴۰۔ وجودیا وجودیہ یا رسالۂ وجیزہ در تحقیق واثبات واجب الوجود

(عربی۔ نثر)

اس میں متکلمین اور حکماء کے مذاق پر وجود اور ماہیات پر فنی بحث کی گئی ہے۔

آغاز: الوجود ای ما بانضمامہ الی الماہیات تترتب علیہا آثارہا المختصہ لہا۔

انجام: الی انحصار الوجود الواحد فی کونہ قائماً بکل واحد منہا وکونہ قائماً بالمجموع، فلا یجدی نفعاً۔

نکولس ہیر (Nicholas Heer) استاد دانشگاہ اورگن امریکہ نے اس رسالہ کی تصحیح اور انگریزی ترجمہ کیا ہے۔

"Al-Jami's Treatise on Existence" Islamic Philosophical Theolygy, Edited by P. Morewedge, Albany, 1977. [2]

---

[1] ویلیم چٹک: مقدمہ بر نقد النصوص: سہ وچہار۔ [2] ایضاً: ص بیست وپنج وبیست وشش۔

سعید نفیسی نے جامی کے تین رسائل تحقیق الوجود، رسالہ فی الوجود اور رسالۂ وجود و موجود کا ذکر کیا ہے[1]

علوم زبان

۴۱۔ شرح العوامل المائۃ (فارسی منظوم)

"عوامل" کے عربی متن کے مصنف عبدالقاہر جرجانی (م ۴۷۱ھ) ہیں اور یہ نحو کی مشہور اور متداول کتاب ہے۔ جامی نے اس کی منظوم شرح لکھی ہے۔

آغاز: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ النوع الاوّل۔

نوع اوّل ہفدہ حرف جر بود می دان یقین

کاندرین یک بیت آمد جملہ بیچون و چرا

یہ شرح لکھنؤ سے ۱۸۹۰ء میں اور بعد میں بھی متعدد بار شائع ہو چکی ہے[2]

۴۲۔ صرف فارسی منظوم و منثور

یہ رسالہ ۱۱ رمضان ۸۶۷ھ/۱۴۶۳ء میں تالیف ہوا[3]

جناب بشیر ہروی لکھتے ہیں کہ اس رسالہ کا ایک ناقص نسخہ ان کے پاس موجود ہے اگرچہ اس کے متن میں ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں جس سے صراحت ہو کہ یہ رسالہ جامی

---

[1] تاریخ نظم و نثر ۱: ۲۲۸۔

[2] مشار: فہرست کتابہای چاپی فارسی ۳: ۳۲۵۰ (طبع ثانی)۔

[3] فہرست میکرو فیلمہای کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران ۱: ۱۶۳۔

کی تصنیف ہے لیکن اس کی تالیف وتنظیم میں نثر ونظم کا جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس کا جامی کی تحریر، نظم اور علمی مسائل و قواعد کو لبادۂ شعر پہنانے میں جامی کی مہارت سے موازنہ کرنے کے بعد یقین ہو جاتا ہے کہ یہ نسخہ وہی "صرف فارسی منظوم و منثور" جامی ہے۔

اس کے بعد ہروی صاحب نے بطورِ نمونہ چند عبارات نقل کی ہیں۔ مثلاً

بیان آنکه بناهای رباعی مجرد در اسم پنج است

در رباعیست اسم پنج بناست | که ازان پنج نه فزود و نه کاست
جعفر و درهم و دیگر برثن | پس قمطراست و زبرج ازبرکن[1]

"صرف جامی" کے دو مخطوطات طوپقپوسرای استنبول میں ہیں۔

ایک کلیات جامی مکتوبہ دسویں صدی ہجری (نمبر R-887/17) میں اور دوسرا کلیات جامی میں "فوایدالضیائیہ" (نمبر A-1585/22) کے بعد۔

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا نسخہ (نمبر ۳/۴۱ (۵۴۲)) "صرف اللسان" کے نام سے مذکور ہے[2]

جناب احمد منزوی نے "صرف منظوم" کے عنوان سے بھی جامی سے منسوب کتاب کا ذکر کیا ہے۔ البتہ اس میں افعال کی صرف میں نثری عبارات سے بھی کام لیا گیا ہے اس صرف کا آغاز مندرجہ ذیل کلمات سے ہوتا ہے:

"صرف اللسان نحو ثنائک اولی وعطف البیان الی نعت خاتم انبیائہ احری۔

یعنی گو ابیدن آلت زبان ۔۔۔ کلمات عرب سہ قسم بود:

---

[1] تعلیقات بر تکملہ حواشی نفحات الانس، ۸۰

[2] فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۳: ۲۰۶۸

نامشان حرف و فعل و اسم بود
ہمچو باللہ اقسم ای فرزند[1]"

۴۳- فوائد الضیائیہ (عربی، نثر)

رک : متن، صفحہ ۳۴۰

نیز دیکھئے :

۱- قیام الدین خادم : "وملا جامی شرح پرکافیہ باندی" پشتو مقالہ مشمولہ "تجلیل ... جامی"، ص ۶۹-۸۳ ۔

فنون شاعری

۴۴- رسالۂ عروض یا مجمع الاوزان (فارسی نثر)

وزن شعر کے اصول مثلاً تالیف کلام، زحافات اور تقطیع شعر وغیرہ چند فصلوں میں بیان کئے گئے ہیں ۔

آغاز : سپاس وافر قادری راکہ حرکت سریع دوائر افلاک را سبب ازدواج وصول و امتزاج گردانید .. و بعد بدانکہ ارباب صناعت عروض بناء اصول اوزان شعر را بر سہ رکن نہادہ ۔

اس رسالہ کے قدیم ترین مخطوطات کتابخانۂ ملی، تہران میں کلیات جامی

---

[1] فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۴ : ۸۹-۲۹۸۸ ۔

مورخ ۸۷۷ھ (نمبر درج نہیں) اور کتب خانہ طوپقپو سرای. استنبول میں کلیات جامی
مورخ ۸۷۷۔۸۹۵ (نمبر H-672/19) اور کتابخانۂ ملک تہران میں کلیات جامی
مورخ رجب ۸۹۵، ص ۸۷۷۔۷۸۷ (نمبر ۵۹۷) میں موجود ہیں۔[1]
بلوکمان نے اسے ۱۸۷۲ء میں کلکتہ سے شائع بھی کر دیا تھا۔ یورپ اور برصغیر کی دیگر اشاعتیں بھی موجود ہیں۔[2]

۴۵۔ الرسالۃ الوافیہ فی علم القافیہ یا مختصر وافی در علم قوافی (فارسی نثر)

رک : متن، صفحہ ۲۹۹

اگرچہ خود کتاب میں تاریخ تصنیف کی تصریح نہیں ہوئی لیکن اس رسالہ کے مندرجہ ذیل قدیم ترین مخطوطات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی تصنیف کا تقریبی زمانۂ تالیف ۸۷۷ھ/۷۳۔۱۴۷۲ء تا ۸۹۱ھ/۱۴۸۶ء متعین کیا جاسکتا ہے۔ مخطوطات یہ ہیں :

۱۔ طوپقپو سرای. استنبول، شمارہ H 672 20 مشمولہ کلیات جامی مورخ ۸۷۷۔۸۹۵ھ۔

۲۔ کتابخانۂ مدرس رضوی، تہران۔ "المعجم فی معاییر اشعار العجم" مورخ ۸۹۱ھ کے حاشیہ پر ہے۔[3]

ایچ۔ بلوکمان H. Blochmann نے "عروض سیفی" وغیرہ سمیت اسے پہلی بار

---

[1] احمد منزوی : فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۳ : ۲۱۶۱۔
[2] خانبابا مشار : فہرست کتابہای چاپی فارسی ۳ : ۳۵۱۰۔
[3] احمد منزوی : فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۳ : ۲۱۷۳۔

مشن پریس کلکتہ سے ۱۸۶۷ء اور ۱۸۷۲ء میں شائع کیا تھا۔[1]

معمّیات

معمّا پر جامی کے چار رسائل موجود ہیں :

۱۔ رسالۂ کبیر موسوم بہ حلیۃ الحلل۔

۲۔ رسالۂ متوسط یا دستور معمّا۔

۳۔ رسالۂ صغیر۔

۴۔ رسالۂ اصغر۔ منظوم۔

رسالۂ ۱ و ۳ کا تعارف جناب علی اصغر حکمت نے درج کر دیا ہے (ص ۹۸-۲۹۷)

بقیہ دو رسائل کا حال ذیل میں آ رہا ہے۔

۴۶۔ حلیۂ حلل = رسالۂ معمّا۔ کبیر (فارسی۔ نثر)

رک : متن، صفحہ ۲۹۷

نادر مخطوطات کے لئے دیکھئے :

احمد منزوی : فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۳ : ۲۱۸۳ جہاں جناب طاہری شہاب مقیم ساری (ایران) کے کتب خانہ کے ایک نسخہ کو بخط مصنف بتایا گیا ہے۔

۴۷۔ رسالۂ معمّا۔ صغیر (فارسی۔ نثر)

رک : متن، صفحہ ۲۹۸

1 Arberry, A.J. : Gat : of the Library of the India Office, Vol : II, Part VI (Persian Books), p-50.

نادر مخطوطات کے لئے ملاحظہ ہو۔

احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۳: ۲۱۸۴-۲۱۸۴ "دستور معما (۲)" کے قدیم ترین مخطوطات میں سے نسخۂ کتابخانۂ ملک، تہران، شمارہ ۱۸/۹۵،۴ مورخ تقریباً ۸۹۵ھ ازورق ۱۸۱ تا ۳۸ اور نسخۂ طوپقپوسرای، استنبول، شمارہ H-672/12 مشمولہ کلیات جامی مورخ ۸۷۷-۸۹۵ھ قابلِ ذکر ہیں۔

۴۸۔ دستور معمّا متوسط (فارسی۔ نثر و نظم)

یہ رسالہ "حلیۃ الحلل" سے مختصر اور "رسالۂ صغیر" سے مفصل تر ہے لہٰذا اسے "رسالۂ متوسط" بھی کہتے ہیں۔

کتاب میں کسی جگہ تاریخِ تالیف کی تشریح نہیں ہوئی البتہ بعض جگہوں پر سلطان حسین (۸۷۳-۹۱۱ھ) اور ابوالقاسم بابر (۸۵۶-۸۶۰ھ) کے نام کے معمّے ملتے ہیں۔

اس رسالہ میں بھی معما کے تین ارکان تسہیلی، تحصیلی اور تکمیلی پر بحث کی گئی ہے۔

آغاز: اے اسم تو گنج ہر طلسمی
قانع ز تو ہر کسی بہ اسمی

..... معما کلامی ست موزون کہ دلالت کند بر اسمی از اسماء بطریق رمز و ایما۔[1]

انجام: در اسم برہان:

برد جامی رہ سوے دربان عجیب رمزی شنید
کامد از فکرت در آن نام دل ارامی پدید[2]

---

[1] دستور معما از جامی، مخطوطۂ کتابخانۂ گنج بخش، راولپنڈی نمبر ۱۱۲۰ (در مجموعہ از ص ۱۱۲-۱۴۰) ص ۱۱۲۔
[2] ایضاً، ص ۱۴۰۔

اس رسالہ کا قدیم ترین مخطوطہ کتابخانۂ ملک تہران میں موجود کلیات جامی (نمبر ۴،۹۵) مورخ تقریباً ۸۹۵ھ میں صفحہ ۷۶۲ تا ۷۷۲ شامل ہے۔[1]

۴۹۔ دستور معما منظوم (فارسی)

جامی نے یہ مختصر رسالہ ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء میں منظوم کیا۔ لفظ "فیض" (= ۸۹۰) مادۂ تاریخ تصنیف ہے، جیسا کہ رسالہ کے اختتام پر لکھتے ہیں :

بنامی زد ز ہے در گرامی   کہ سفت الماس نوک کلک جامی
چو فیض قدس آمد جائے توبیخ   نباشد گر کنندش فیض تاریخ[2]

جامی نے اس رسالہ میں اعمال معما کی تین اقسام پر بحث کی ہے اور اُن کے نمونے درج کئے ہیں :

کہ اعمال معمای سہ قسم است   کہ ہر یک گنج اسما را طلسم است
یکے اعمال تسہیلی کہ از وے   بتحصیل حروف آرد خرد پے
دویم آنہا کہ در تکمیل صورت   بود صاحب معما را ضرورت
سیم اعمال تحصیلی کہ دانا   ز وے گردد بر آن باقی توانا[3]

آغاز : چو از حمد و تحیت یافتی کام   بدان اے در معما طالب نام[4]
انجام : بہ تشریف قبول ار زندہ بادا   بر ارباب کرم فرخندہ بادا[5]

---

[1] فہرست نسخہ ہای خطی فارسی از احمد منزوی ۲ : ۲۱۸۴ ۔

[2] دستور معما از جامی قلمی نسخہ کتابخانۂ گنج بخش راولپنڈی نمبر ۱۹۹۰ (در مجموعہ از ص ۱۲۹ تا ۱۳۶) ص ۱۳۶ ۔

[3] و [4] ایضاً : ص ۱۲۹ ۔

[5] ایضاً : ص ۱۳۶ ۔

جناب احمد منزوی نے اس رسالہ کے پندرہ مخطوطات کا ذکر کیا ہے جن میں سے قدیم ترین نسخہ طوپقپو سرای۔ استنبول (ترکی) کے کلیات جامی مورخ ۸۷۷-۸۹۵ھ نمبر H 672/7 میں موجود ہے۔[1]

۵۰۔ شرح معمیات میر حسین معمائی (فارسی۔نثر)

میر حسین بن محمد حسینی معمائی نیشاپوری (م ۹۰۴ھ) جامی کے ہمعصر تھے اور جامی سے متاثر ہو کر معما پر رسالہ دستور معما یا رسالہ معمیات لکھا۔[2] اپنے اسی رسالہ کے مقدمہ میں وہ فن معما کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"چون اکثر معمیات این مختصر از نظر کیمیا اثر حضرت حقایق پناہی مظہر فیض الٰہی کہ خرد خورده دان تصریح نام یا احترامش را خلاف ادب دانستہ بزبان رمز و ایما ادامی نماید. جامی

زخود بگسستہ و وارستہ از غیر

بشہر لامکان دل بستہ از سیر

شرف التفات یافتہ بود دقایل آن بطریق تتبع از فیض دقایق خامہ بدایع نگار غرایب آثار آنحضرت درین فن مستفید گشتہ در بیان قواعد نیز بارادہ شرف متابعت اعمال معمائی را کہ بر چہار قسم ..... کہ در بعضی از رسایل آن جامع الحقایق و الفضایل ترتیب یافتہ ایراد نمود."[3]

---

[1] فہرست نسخہ ھای خطی فارسی ۳: ۸۶-۲۱۸۵۔

[2] احمد منزوی : فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش ۲: ۱۲۴۱۔

[3] دستور معما نیشاپوری، نسخہ گنج بخش لائبریری، راولپنڈی۔ نمبر ۷۱۰، ص ۳۶-۳۷ (در مجموعہ)۔

اسی رسالۂ معمیات کی شرح جامی کا ذکر سعید نفیسی اور بشیر ہروی نے کیا ہے۔[1]
اس شرح کی تاریخ تالیف کے متعلق مندرجہ بالا عبارت سے قیاس کیا جا سکتا ہے
کہ چونکہ رسالہ معمیات حسینی، جامی کے رسایل معما کی پیروی میں لکھا گیا ہے اور رسالۂ
کبیر جامی ۸۵۶ھ میں اور معمائے منظوم ۸۹۰ھ میں تالیف ہوا تھا لہٰذا یہ ان سے
بعد کی تالیف ہے۔

علومِ عقلی ۔ موسیقی

۵۱۔ رسالۂ موسیقی (فارسی ۔ نثر)

ا رجب ۸۹۰ھ/۱۴ جولائی ۱۴۸۵ء کو تالیف کیا۔ مضامین کی ترتیب اور تفصیل
اس طرح ہے:

دیباچہ۔
تمہید در بیان آواز۔
فصل در تاثیر نغمات و ایقاع آن در نفس و لذت این دو۔
قسم اول در علم تالیف در احوال نغمات، در چند فصل۔
قسم دوم در علم ایقاع در احوال ازمنہ، در چند فصل۔

آغاز: ... بعد از ترنم بہ نغمات سپاس خداوندی کہ شعبہ دانان مقامات بندگی را گوش
امید۔

انجام: اینست آنچہ از اصول و فروع این فن میسر شد۔ و اللہ سبحانہ ملہم الصواب

---

[1] تاریخ نظم و نثر در ایران ۱: ۲۸۸۔ تعلیقات بر تکملہ لاری: ۸۱۔

... ونیسر ذلک فی غرۃ رجب المرجب سنہ تسعین و ثمانمایہ۔

یہ رسالہ روسی ترجمے کے ساتھ جناب بلیایوا (Beliyaeva) کے زیر اہتمام تاشقند (روس) سے ۱۹۶۰ء میں ۱۱۱ ص + ۲۳۸ ص ۔ ۲۴۶ ورق میں شائع ہو چکا ہے۔[۱]

---

[۱] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۵: ۳۹۰۹-۱۰۰۔ نیز دیکھئے:

۱۔ محمد تقی دانش پژوہ: "صد و اند اثر فارسی در موسیقی"، مجلہ ہنر و مردم (تہران)۔ شمارہ ۹۵۔ شہریور ماہ ۱۳۴۹ ش، ص ۴۶-۴۷۔

محمد تقی دانش پژوہ: مداومت در اصول موسیقی ایران، نمونہ ای از فہرست آثار دانشمندان ایرانی و اسلامی در غناء و موسیقی: ۱۴۱-۱۴۳، تہران ۲۵۳۵۔

۲۔ ہوشنگ مرشد زادہ: "کتابی در موسیقی از جامی" مجلۂ موزیک ایران (تہران)۔ جلد ۱، شمارہ ۲، ص ۱۰-۱۱ و شمارہ ۳ ص ۱۳-۱۴۔ و شمارہ ۴ ص ۲۵-۲۶۔

۳۔ حسین علی ملاح: "شرح بر رسالۂ موسیقی جامی" مجلۂ موسیقی (تہران)، دورۂ سوم شمارہ ۱۰۱، ص ۵۰-۶۲، ش ۱۰۲، ص ۴۲-۵۰، ش ۱۰۳، ص ۱-۱۹، ش ۱۰۴/۱۰۵: ص ۶۲-۸۵۔ ش ۱۰۶: ص ۵۸-۶۱، ش ۱۰۷، ص ۴۶-۷۱۔

پہلا حصّہ (قسم ب)

جامی کی غیر مستقل تصانیف

یہاں جامی کی چند ایسی منظوم کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو ان کی مثنویات یا دواوین سے انتخاب یا اقتباس کی گئی ہیں مگر بعض کاتبوں، ناشروں اور مصنفوں نے انہیں الگ حیثیت سے پیش کیا ہے لیکن بنیادی طور پر وہ جامی کی مستقل تصنیف نہیں ہیں۔

۱۔ اعتقادنامہ (فارسی۔ مثنوی)

سلسلۃ الذہب، دفتر اوّل کے اختتام پر اسلامی اعتقادات پر طویل نظم ہے، جس کی تفصیل صفحہ ۱۵۷ پر گذر چکی ہے۔

۲۔ پندنامہ (فارسی۔ مثنوی)

مثنوی "یوسف و زلیخا" کے اختتام پر بعنوان "در پند دادن و بند نہادن فرزند ارجمند کہ دست ادراک در فتراک اکتساب کمالات استوار دارد و پای میل در ذیل اجتناب از جہالات برقرار، وفقہ اللہ لما یحبہ و یرضاہ" ننانوے اشعار کی نظم ہے۔

آغاز: تو لاک اللہ ای فرزانہ فرزند
نگہدار تو باد از بد خداوند

انجام: ہمان بہ کاندرین دیر مجازی
کند فضل خدایت کار سازی[1]

۳۔جلاء الروح (فارسی۔قصیدہ)

جامی نے خاقانی اور خسرو دہلوی کے قصیدہ "مرآۃ الصفا" کے جواب میں ایک سو تیس اشعار کا شینیہ قصیدہ لکھا اور "جلاء الروح" سے موسوم کیا۔ یہ قصیدہ جامی کے دیوان اوّل میں موجود ہے۔

آغاز: معلم کیست عشق و کنج خاموشی دبستانش
سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش

اختتام: خدایا ریز بر جامی ز ابر فضل بارانی
کہ مرجہ آن نہ بہر تست شوید پاک دیوانش[2]

۴۔ساقی نامہ (فارسی۔مثنوی)

جامی کے "خرد نامۂ اسکندری" کی مختلف حصوں سے میخانہ اور اس کے لوازمات سے متعلق اشعار یکجا کئے گئے ہیں۔ ملا عبدالنبی فخرالزمانی قزوینی نے "تذکرۂ میخانہ" میں انہیں بعنوان "ساقینامہ" پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مولوی (جامی) سے کوئی مستقل ساقی نامہ تو نظر سے نہیں گزرا لیکن میں نے اُن کے سکندر نامہ سے وہ اشعار جو ساقینامہ سے مناسبت

---

[1] یوسف و زلیخا: ۴۴-۴۰۷۔

[2] دیوان جامی (گنج بخش): ۱۹-۲۶۔

رکھتے تھے لکھ کر مرتب کر دیے[1]۔

اس کے بعد ایک سو انتیس اشعار پر مبنی "ساقی نامہ" درج کیا ہے۔

آغاز : دلا دیدۂ دور بین برگشای
دریں دیر دیرینہ دیر پای

انجام : کہ تا پنبہ از گوش دل برکشیم
ہمہ گوش گردیم و دم درکشیم[2]

۵۔ لجۃ الاسرار (فارسی۔قصیدہ)

امیر خسرو دہلوی کے قصیدہ کے جواب میں سو اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ ۸۸۰ھ (=فرخ) ۷۶-۱۴۷۵/۷۷ء میں منظوم ہوا جو اُن کے دیوان اول کا حصّہ ہے۔

آغاز : کنگر ایوان شہ کز کاخ کیوان برتراست
رخنہا دان کش بدیوار حصار دین دراست

انجام : سال تاریخش اگر فرخ نویسم دور نیست
زانکہ سال از دولت تاریخ او فرخ فرست[3]

---

[1] تذکرۂ میخانہ : ۱۰۵ (ترجمہ)۔

[2] ایضاً : ۱۰۵-۱۱۱۔

[3] دیوان جامی (گنج بخش) : ۲۶-۳۱۔

دوسرا حصّہ

جامی سے منسوب کُتب

(بہ ترتیبِ الفبائی)

۱- ابیات و عبارات عربیہ و فارسیہ استعملہا نورالدین الجامی فی رسائلہ و منشآتہ

جیساکہ نام سے ظاہر ہے، یہ کتاب جامی کی اُن عربی اور فارسی ابیات و عبارات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اپنے رسائل اور منشآت میں استعمال کی ہیں۔

آغاز: بقیت بقاء لایزال خاتما۔

اس رسالہ کا واحد نسخہ دارالکتب قاہرہ کے مجامیع ترکی طلعت میں بذیل شمارہ ۹-۴۹ موجود ہے۔ مذکورہ نسخہ بلا تاریخ ہے۔ اس رسالہ کا متن مجموعہ میں ورق ۲، ۱ پر درج ہے اور ناقص الآخر ہے۔[1]

۲- ارشادیہ

مولانا جامی نے یہ رسالہ سلطان محمد فاتح (۸۵۵-۸۸۶ھ) پادشاہ ترکیہ کے لئے تالیف کیا۔ نام اور کیفیت تألیف سے اس رسالہ کا موضوع تصوّف و نصائح معلوم ہوتا ہے۔

نفیسی[2] اور بشیر ہروی[3] نے اس کا نام درج کیا ہے۔

---

[1] طرازی: نورالدین عبدالرحمٰن جامی: ۲۰۔
[2] تاریخ نظم و نثر ۱: ۲۸۷۔
[3] تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱۔

۳۔ رسالہ فی الاصلیت (بظاہر عربی)

سعید نفیسی[1] اور بشیر ہروی[2] نے اس رسالہ کا نام لیا ہے۔

۴۔ تاریخ صوفیان و تحقیق مذہب آنان (بظاہر فارسی۔نثر)

نام سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ رسالہ صوفیہ کی تاریخ اور ان کے مسلک کی تحقیق پر ہے۔
سعید نفیسی نے اس کا نام ایسے ہی لکھا ہے۔[3]
جامی کے عربی "رسالہ فی التصوف واہلہ وتحقیق مذہبہم" کا ذکر صفحہ ۴۱۰ پر آئے گا، ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی رسالہ کے دو زبانوں میں نام ہیں۔

۵۔ تحقیقات (فارسی، نثر)

یہ رسالہ علم توحید پر لکھا گیا ہے۔
آغاز: الحمد للہ الذی خلق الانبیاء علی صورتہ لخلافتہ ... یا اخی ایدک اللہ بروح القدس
اعلم ان للتوحید لجۃ و ساحلا۔

دارالکتب قاہرہ، ۱۸ مجامیع فارسی طلعت میں اس کا ایک مخطوط بقلم حسین آبدال
نعمت اللہی، مورخ رمضان ۹۶۶ھ ایک مجموعہ میں ورق ۴۰ تا ۴۵ موجود ہے۔ مذکورہ
مخطوط کے حاشیے پر اس کا نام "توحید حرفی۔ تحقیقات جامی" درج ہوا ہے۔[4]

---

[1] تاریخ نظم و نثر ۱: ۲۸۸۔ [2] تعلیقات بر تکملۃ اللاری: ۸۱۔
[3] تاریخ نظم و نثر در ایران ۱: ۲۸۷
[4] طرازی: نور الدین، جامی: ۳۵

۶۔ ترجمہ (یا شرح) قصیدۂ بردہ (فارسی)

اگرچہ تصانیف جامی کی ابتدائی فہارس (مندرج در تحفۂ سامی اور تکملۂ لاری) میں اس ترجمہ اور شرح کا نام نہیں ملتا، لیکن کاتبوں نے شرح قصیدۂ بردہ کے اکثر نسخوں کو جامی سے منسوب کیا ہے، جب بعض نسخوں کا مطالعہ کیا گیا تو بڑا واضح تضاد سامنے آیا۔ مثلاً قومی عجائب گھر پاکستان کراچی میں قصیدۂ بردہ کے منظوم ترجمہ کے جو نسخے جامی سے منسوب ہوئے ہیں[1] وہ ترجمہ دراصل محمد حافظ شرف (ترجمہ شدہ ۸۱۰ھ) کا ہے جس کا آغاز مندرجہ ذیل شعر سے ہوتا ہے:

اے زیاد صحبت یارانت اندر ذی سلم
اشک چشم تو بحتی با خون روان گشتہ بہم[2]

اسی طرح شرح قصیدۂ بردہ، نسخہ ۵۰۹ کتابخانہ گنج بخش، راولپنڈی کے کاتب نے ترقیمہ میں اسے جامی سے نسبت دی ہے۔ حالانکہ وہ غضنفر بن جعفر حسینی کی شرح ہے جس کا آغاز مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتا ہے:

"موزون ترین کلامی کہ ارکان بیت المعمور قصیدۂ سخنوری از وسالم است"[3]

تاہم ایک نامعلوم شرح قصیدۂ بردہ، نمبر ۲۱۴۳ مخزونہ گنج بخش لائبریری، راولپنڈی میں شعر:

---

[1] ان نسخوں کے نمبر یہ ہیں: ۱/۱۲۱۶-۱۹۶۱ اور ۱/ ۸۹-۱۹۶۲ اور ۱۲۱۵-۱۹۶۱ اور ۱۲۱۴-۱۹۶۱۔

[2] عارف نوشاہی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی تنہ ملی پاکستان ص ۶۰۹-۶۱۰، احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش ۳: ۱۶۹۴۔ [3] فہرست گنج بخش ۳: ۱۷۰۲۔

فما تطاول امال المدیح الی

ما فیہ من کرم الاخلاق و الیم

کی تشریح کرتے ہوئے شارح نے یہ فارسی شعر لکھا ہے :

صفات حسن تو گفتن نہ حد جامی و بیدل

بہر کجا کہ رسد فہم ما تو برتر ازانی[1]

اس شرح کا آغاز مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتا ہے :

"امن تذکر.. اللغۃ التذکر یاد کردن الجار ہمسایہ الجیران جماعۃ"[2]

شارح پہلے عربی الفاظ کا فارسی ترجمہ لکھ کر پھر "معانی" کے عنوان سے مجموعی معانی بیان کرتا ہے اور عربی الفاظ کے اعراب بتاتا ہے۔

اکادمی علوم شوروی لیننگراڈ، روس میں شرح قصیدۂ بردہ از جامی کے پانچ مخطوطات موجود ہیں لیکن ان کے متن کے بارے میں کوئی تفصیلات معلوم نہیں ہیں[3]

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ خود جامی نے اپنے ایک فاضل دوست سے کہہ کر قصیدۂ بردہ کی شرح لکھوائی تھی۔ بہ نامعلوم الاسم شارح نے شرح کا انتساب "معین الدنیا والدین

---

[1] صفحہ ۱۷۹۔۱۸۰ نسخہ نمبر ۲۲۱۳۔ نسخہ میں یہ شعر اس صورت میں لکھا ہوا ہے

صفات حسن تو گفتن نہ حد جامی بیدل

بہر کجا کہ رسد فہم و تو برتر ازانی

جو ظاہر ہے وزن سے خارج اور مفہوم سے دُور ہے۔ استاد خلیل اللہ خلیلی (شاعر معاصر افغانستان) نے (ایک ملاقات میں) اس کی اصلاح فرمائی ہے۔

[2] صفحہ ۱۱ نسخۂ مذکورہ۔

[3] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۵ : ۳۴۸۳۔

خان خانان بہادر سپہ سالار غازی" کے نام کیا ہے اور مقدمہ میں یوں رقم طراز ہے:

"اگرچہ این فقیر را التقصیر را مجال آن نبود کہ درین باب جرأت نمودہ برین قصیدۂ متبرکہ چیزی نویسد لیکن بنا بر تبعیت سلف و فرمودۂ حضرت مخدومی ملاذ الانامی خجستہ فرجامی نور الدین مولانا عبد الرحمٰن الجامی قدس سرہ السامی۔۔۔

دادیم نشان ز گنج مقصود ترا گر ما نرسیدیم تو شاید برسی[1]

جامی سے منسوب یہ ترجمہ بعنوان "قصیدۂ مبارکۂ بردہ" با ترجمہ و تفسیر محمد شیخ الاسلام، تہران سے ۱۳۶۱ ش میں چھپ چکا ہے۔

۷۔ رسالہ فی التصوف و اہلہ و تحقیق مذہبہم (غالباً عربی، نثر)

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ تصوف اور صوفیہ کے مسلک کی تحقیق پر ہے۔ سعید نفیسی[2] نے مندرجہ بالا عنوان درج کیا ہے۔ جامی کے ایک رسالہ "تاریخ صوفیان و تحقیق مذہب آنان" کا ذکر صفحہ ۲۰۷ پر گذر چکا ہے۔

۸۔ تفسیر پارۂ عم

تیسویں پارہ کی سورۂ نبا (۷۸) تا سورۂ الم نشرح (۹۴) کی تفسیر ہے۔ اس تفسیر کا ایک قلمی نسخہ کتب خانۂ سلیمانیہ، استنبول (ترکی) میں شمارہ ۹۴ کے تحت موجود ہے جس پر تاریخ کتابت درج نہیں ہے[3]

---

[1] شرح قصیدۂ بردہ، نسخہ خطی کتابخانہ گنج بخش، نمبر ۳۹۱۹، ص ۲۔ نیز احمد منزوی: فہرست گنج بخش ۲: ۱۷۰۵۔

[2] تاریخ نظم و نثر ۱: ۲۸۸۔

[3] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۱: ۲۷ بحوالہ سٹوری

Persian Literature by C.A. Story

نیز دیکھیے دفتر کتب خانہ سلیمانیہ، استنبول ۱۳۱۱ھ/۹۲-۱۸۹۳ء۔

۹۔ تفسیر سورۂ یٰس (فارسی۔نثر)

تیئسویں پارہ کی چھتیسویں سورہ کی تفسیر ہے، ۸۹۷ھ سے پہلے کی تالیف ہے۔

آغاز: مفسران خطاب رحمانی۔

اسکا ایک مخطوطہ کتب خانہ آستان قدس رضوی مشہد (ایران) میں پایا جاتا ہے۔ جس کی تاریخ کتابت ۸۹۷ھ ہے، اس پر کوئی دیباچہ نہیں ہے اور صرف سرورق پر اسے "نورالدین عبدالرحمٰن شیرازی معروف بہ جامی" سے نسبت دی گئی ہے۔[۱]

۱۰۔ تفسیر قرآن (عربی، نثر)

یہ تفسیر ابتدائے قرآن سے سورۂ بنی اسرائیل کے اواسط تک ہے۔ اس تفسیر کا ایک نسخہ بخط نسخ کتب خانہ اسعد افندی، ایا صوفیہ۔ ترکی میں موجود ہے۔[۲]

۱۱۔ رسالۃ التوحید (عربی۔نثر)

آغاز: افضل ماجری علی اللسان حمداً و شکراً ذکر لا الٰہ الا اللہ۔

رسالۂ مذکورہ کا ایک نسخہ دارالکتب، قاہرہ میں بخط موسیٰ بن محمد، مورخ

---

[۱] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۱: ۱۲۲۔

[۲] دفتر کتب خانہ اسعد افندی ایا صوفیہ۔ مطبوعہ استانبول۔ تاریخ ندارد۔ ص ۹۔ عدد عمومی ۷۸۔ وہاں مصنف کا نام "عبدالرحمٰن احمد الجامی (تاریخ وفات) ۸۹۲ھ" درج ہوا ہے اور کتاب کا نام تفسیر جامی" لکھا ہے۔ فہرست نگار نے اسی دفتر کے دوسرے مقامات پر جامی کا درست نام "نورالدین عبدالرحمٰن بن احمد الجامی" (ص ۹۲) اور صحیح تاریخ وفات ۸۹۸ھ ہی لکھی ہے (ص ۸۸)۔

۵۱۰۰۵ ء درمجموعہ از ص ۱۲۱ تا ۲۲۳ (بذیل شمارہ ۳۴۸۹ ح) موجود ہے۔[1]

۱۲۔ حیرت الصرف (فارسی)

عربی صرف کے مشکل صیغوں کے حل پر مبنی ہے ۔

آغاز : بدانکہ این نسخہ در بیان حل صیغہ ہاست از لفظ دُرربار حضرت ... جامی : اشتروتن ۔فعل ماضی مجہول در اصل اشتورتن بودہ کسر براو ۔

اس کتاب کے مدرسۂ علوم المرتضیٰ بھلوال ضلع سرگودھا (پاکستان) اور کتب خانۂ جناب نصیر احمد ساکن ضلع گوجرانوالہ (پاکستان) میں قلمی نسخے موجود ہیں۔ پہلا نسخہ ۲۴ صفحات اور دوسرا ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ دونوں تیرھویں صدی ہجری میں لکھے گئے۔[2]

۱۳۔ دیوان رسایل

سعید نفیسی[3] اور بشیر ہروی[4] نے اس کا نام "دیوان رسایل" ہی درج کیا ہے ۔

۱۴۔ رسالۂ عرفانی ۔ ۱ (فارسی)

ایک شخص نے حضرت رسول اکرم (ص) سے دریافت کیا کہ آپ کی اُس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو ایک گروہ سے محبت تو رکھتا ہے مگر اس میں شامل نہیں ہوتا ؟

---

[1] طرازی : نورالدین عبدالرحمٰن جامی : ۱ ۔

[2] فہرست مشترک پاکستان، از احمد منزوی ۔ (مسوّدہ) ۔

[3] تاریخ نظم و نثر ۱ : ۲۸۸ ۔

[4] تعلیقات بر تکملۂ لاری : ۸۱ ۔

آپ (ص) نے فرمایا اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ شخص مسلمان ہوگیا. مسلمانی تو تسلیم ہونا ہے. (صحیحین).

زیر نظر رسالہ اسی حدیث کی تشریح اور توضیح میں ہے. مصنف نے جا بجا فارسی اشعار بھی استعمال کئے ہیں. اور ماوراء النہر کے مشائخ کے اقوال سے استدلال کیا ہے.

آغاز: ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال جا رجل الی رسول اللہ (ص) قال یا رسول اللہ کیف تری فی رجل احب قوما ولا یلحق بہم .... از انفاس قدسیہ مشائخ طریقت است قدس اللہ اسرارہم کار دیدار دل دارد نہ گفتار[1]

انجام: چون ترا آن چشم باطن نبود
گنج می پندار اندر ہر وجود[2]

طرازی نے دار الکتب قاہرہ میں اس رسالہ کے دو مخطوطات کا ذکر کیا ہے[3] کتابخانہ گنج بخش، راولپنڈی میں بھی اس کا مخطوطہ (نمبر ۳۹۳) موجود ہے[4]

---

[1] مخطوطہ گنج بخش راولپنڈی نمبر ۳۹۲ (در مجموعۂ مورخ ۹۰۰ھ از ص ۳۹۸ تا ۴۰۳)، ص ۹۹ - ۳۹۸.

[2] ایضاً: ص ۴۰۳.

[3] نور الدین عبد الرحمٰن جامی: ۲۸.

[4] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش ۲: ۸۲۵ (عدد مسلسل)، اسی فہرست میں عدد مسلسل ۱۲۴۹ کے تحت یہ رسالہ بعنوان "مجوبیہ" خواجہ محمد پارسا بخارائی (م ۸۲۲ھ) یا خواجہ عبد اللہ انصاری ہروی (م ۴۸۱ھ) سے بھی منسوب ہوا ہے اور اس کے دو مزید مخطوطات (نمبر ۵۸۶۶ اور ۱۸۱۶) کا ذکر ہوا ہے. خواجہ پارسا ہی سے منسوب "مجوبیہ" کا ایک نسخہ کتابخانہ مجلس شورائی ملی. تہران (نمبر ۲۴۱۹) مجموعہ رسائل میں (باقی صفحہ ۴۱۴ پر دیکھیے)

۱۵۔ رسالۂ عرفانی ۔۲ (فارسی)

کتابخانۂ امیر المؤمنین، نجف (عراق) میں رسالۂ عرفانی از جامی (نمبر ۱۴۸۲) مورخہ ۱۰۸۸ موجود ہے۔[1] مزید تفصیلات معلوم نہیں ہو سکی ہیں۔

۱۶۔ رسالۂ منظومہ

سعید نفیسی اور بشیر ہروی نے "رسالۂ منظومہ" عنوان ہی سے اس رسالہ کا ذکر کیا ہے۔[2] لیکن ولیم چٹک کا خیال ہے کہ یہ رسالہ "اعتقاد نامہ" (دیکھیے صفحہ ۴۰۳) یا "رسالۂ اصغر در معما" (دیکھیے صفحہ ۳۹۷) ہو سکتا ہے۔[3]

۱۷۔ زبدۃ الصنائع (فارسی)

اس کتاب کا ایک مخطوطہ کتب خانۂ عارف حکمت، مدینۂ منورہ (سعودی عرب)

(بقیہ از صفحہ ۴۱۳) ص ۲۱ تا ۲۸ موجود ہے (احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۲: ۱۳۶۶) جناب ڈاکٹر محمد اختر چیمہ، جو خواجہ محمد پارسا پر کام کر رہے تھے، کتب خانۂ مجلس تہران گئے مگر مخطوطہ کا مذکورہ نمبر عارضی ہونے کے باعث رسالۂ "محبوبیہ" انہیں دستیاب نہ ہو سکا اور اُن کی تحقیق مکمل نہ ہو سکی۔ (دیکھیے: محمد اختر: مقالہ: حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی بخاری" (فارسی سے اردو ترجمہ از سید عارف نوشاہی)۔ نورِ اسلام، شرقپور، اولیائے نقشبند نمبر، حصہ اول، مارچ اپریل ۱۹۷۹ء، ص ۴۵۷)۔

[1] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۱ (۱): ۱۱۵۹۔

[2] تاریخ نظم و نثر در ایران ۱: ۲۸۸، تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱۔

[3] مقدمہ بر نقد النصوص: بیست و ہشت۔

میں ہے۔[1]

۱۸۔ سبحۃ فی النصایح والحکم

سلطان حسین بایقرا (۸۷۲ - ۹۱۱ھ) کے لئے تالیف ہوا۔[2] جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ پند و نصائح پر مشتمل ہے۔

۱۹۔ سرخاب (سہراب) ورستم (فارسی)

اس مثنوی اور اس کے نسخہ مخزونہ دار الکتب، قاہرہ (نمبر ۱۲۴۴) در مجموعہ ' از ورق ۷۶ تا ۱۱۸ کا ذکر جناب طرازی اور جناب احمد منزوی نے کیا ہے اور دونوں نے مندرجہ ذیل ابتدائی شعر نقل کیا ہے۔

آغاز: بنام خداوند جان و خرد
کزین برتر اندیشہ بر نگذرد[3]

لیکن جیسا کہ جناب منزوی نے تصریح کی ہے کہ یہ سر آغاز شاہنامہ فردوسی کا سر آغاز ہے اور کتاب کے عنوان (جو "سہراب و رستم" ہونا چاہیے مگر دونوں فہرست نگاروں نے "سرخاب"

---

[1] عزیز اللہ عطاردی قوچانی: مخطوطات فارسی در مدینہ منورہ: ۴۸۔ کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ادبی کتاب ہے مگر جناب قوچانی نے اسے فقہی کتب میں شمار کیا ہے۔

[2] سعید نفیسی: تاریخ نظم و نثر در ایران ۱: ۲۸۸۔
بشیر ہروی: تعلیقات بر تکملہ حواشی نفحات الانس: ۸۱۔ وہاں رسالہ کا نام غلط چھپ گیا ہے۔

[3] طرازی: نور الدین عبد الرحمٰن جامی: ۴۶۔
احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۳: ۲۹۰۷۔

درستم" ہی لکھا ہے) سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس مثنوی کا تعلق شاہنامہ فردوسی سے ہے۔ جامی سے نہیں۔

۲۰۔ شرائطِ ذکر

سعید نفیسی نے تاریخ نظم و نثر در ایران ۱: ۲۸۸ اور بشیر ہروی نے تعلیقات بر تکملۂ حواشی نفحات الانس: ۸۱ میں اس رسالہ کا نام لکھا ہے۔

جامی نے اپنے رسالہ "سررشتہ طریقہ خواجگان" میں ذکر کی جو شرائط لکھی ہیں وہ اس قدر مختصر ہیں کہ انہیں الگ رسالہ کی صورت میں پیش نہیں کیا جاسکتا لہذا زیر بحث متن کوئی مستقل رسالہ ہوگا۔

ایتھے نے رسالہ "سررشتۂ طریقۂ خواجگان" ہی کا دوسرا نام "رسالہ در شرائط ذکر" اور "رسالہ در مراقبہ و ابواب ذکر" لکھا ہے[1]

۲۱۔ شرح اصطلاحات شعرا یا کنایات الشعراء (فارسی، نثر)

جناب ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے "فہرست مخطوطات شیرانی" ج ۳، عدد مسلسل ۲۰۵۳ میں "کنایات الشعراء" عنوان سے جامی کے ایک رسالہ (شمارہ نسخہ ۱/۱۴۱/۲۳/۵۷۶۱) کا تعارف لکھا ہے ہم نے ذخیرۂ شیرانی، دانشگاہ پنجاب لاہور میں مذکورہ مجموعۂ رسائل دیکھا ہے جس میں اوّلین رسالہ (ص ۱۔ ۱۶) کو کنایات الشعراء "بتایا گیا ہے۔ اندرونی طور پر ہمیں ایسی کوئی شہادت نہیں ملی جس کی بناء پر اسے جامی کا رسالہ تسلیم کرلیا جائے بلکہ اس کے

-1 ETHE, HERMANN : CATALOGUE OF THE PERSIAN MANUSCRIPTS IN THE LIBRARY OF THE INDIA OFFICE, Vol : I, No : 714.

اختتام (ص ۱۶) پر کاتب نے یہ الفاظ درج کئے ہیں :

"فافہم فانہا من الکنایات من کتاب تحفۃ المسلین در علم عقائد مؤمنین"

جامی کی فہرست تصانیف میں "تحفۃ المسلین" نامی کسی کتاب کا ذکر نہیں ملتا، ہمارے خیال میں جامی کی طرف انتساب کا سبب اس مجموعۂ رسایل میں دوسرے رسالہ (ص ۱۶-۲۵) کا ترقیمہ بنا ہے جس میں کاتب لکھتا ہے :

تمام شد رسالۂ ثانی مولوی عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی"۔

چونکہ دونوں رسائل ایک ہی کاتب نے ایک ہی خط میں لکھے ہیں اس لئے مذکورہ ترقیمہ سے یہ گمان گذرتا ہے کہ پہلا رسالہ بھی جامی کا ہے۔

اس رسالہ میں شعرا کے ہاں مستعمل بعض اصطلاحات کی حروف تہجی کے اعتبار سے مختصر شرح کی گئی ہے (مثلاً اشتیاق، ابرو، آستانہ، امیری، آشیانہ، استوی، آبرو، اوباش، ایمان .... تا نمامی)

آغاز: "الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین. بدانکہ شعرای ماضی رحمہم اللہ علیہم اجمعین در شعر پردہ نہادہ اند و در پردہ، داد سخن دادہ اند کہ ہیچ نامحرم، محرم نگردد و ہیچ محرم، بی بہرہ نشود. اگر طالبی خواہد کہ شعر بخواند، اول معانی الفاظ ایشان را بیاموزد کہ چگونہ در پردہ سخن گفتہ اند. بعدہ شعر بخواند تا فائدہ حاصل آید وگرنہ ہیچ فائدہ نباشد بلکہ خلل دیگر پیدا شود. الغرض بہ ہزار دشواری ازین صورتی شدہ معنی میرسند واگر ازین صورتی معنی خیالی کنند می میرند و می ترسند، بدین سبب ایشان زلف و خال در قال آوردہ اند و مژگان و ابرو را دربیان گفتار خویش بجمال وجلال دال بدین وسیلہ از صورت را معنی دادہ اند (؟) و فصیحان پا براہ انصاف نہاد"

آنچه نصیب ایشان بود، بدان رسیدند واکثر سفیهان وقبیحان آن را نفهمیدند، جان خود را بدست خویش کشتند و برظاہر معنی عمل نمودند وخیال پردہ فروگذاشتند و روان خود بی پردہ فرسودند۔"

۲۲۔شرح اصطلاحات صوفیہ۔۱ (فارسی۔نثر)

گروہ صوفیہ میں مروّج اصطلاحوں کی شرح ہے۔

آغاز: "حمدلہ۔ امّا بعد این چند کلمہ ای است در اصلاحات صوفیان تاہرکہ در آن شروع کند، بہرہ مند شود و بمعنی ظاہری از راہ نرود۔

اوّل بدانکہ میخانہ وخمخانہ وشرابخانہ باطن عارف راگویندکہ در او معارف۔"

طرازی نے جامی: ۲۱ میں اور جناب احمد منزوی نے "فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان" (زیر تالیف) میں ایک مخطوطہ بخط نستعلیق خوش، بقلم درویش مصطفی المولوی بلغزاوی مورخ ۱۰۸۹ھ، ۱۰ صفحات مخزونہ کتابخانۂ نیشنل ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی کا ذکر کیا ہے۔

۲۳۔شرح اصطلاحات صوفیہ۔۲ (فارسی، نثر)

جناب ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے ذخیرۂ شیرانی، دانشگاہ پنجاب لاہور کے نسخہ ۲/۱۴۴۳/۲۷۰۶۱ کا بعنوان "نکاتِ تصوّف" مؤلفہ مولانا جامی ذکر کیا ہے۔[۱] ہم نے مذکورہ نسخہ دیکھا ہے جامی کی طرف انتساب کی وجہ اس کا یہ ترقیمہ ہے:

---

[۱] فہرست مخطوطات شیرانی ۳: ۵۷۰، ۳۰ (عدد مسلسل) وہاں نسخہ کا نمبر غلط طور پر ۲/۱۴۳۱/۲۳۴۰ چھپ گیا ہے۔

"تمام شد رسالۂ ثانی[1] مولوی عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ السامی"۔

اس رسالہ میں زلف، خال (خال را ہندی در ذنرہ مناسب کنندہ گویند؟)، رو، عارض، رضا، قد، رُخ، چشم، ابرو، ناز، کرشمہ، ساقی، شراب، دیر، کلیسا، بُت، خرابات، خرابی، کفر، زنار، ناقوس، ناموس، نام، قلندری، نماز و روزہ، کعبہ اور کنشت وغیرہ کی صوفیانہ تشریح و توجیہ کی گئی ہے نسخہ کا آغاز بغیر کسی تحمید و تمہید سے یوں ہوا ہے:

آغاز: زلف در حقیقت راہیست دراز و باریک سودا انگیز و پیچان و ابرو تاریک۔

۲۴۔ شرح دعاء القنوت (عربی)

آغاز: القنوت طاعۃ...

اس شرح کا ایک مخطوطہ بقلم موسیٰ بن محمد مورخ ۱۰۰۵ھ دارالکتب، قاہرہ کے مجموعہ نمبر ۴۸۹ میں ورق ۲۴ تا ۲۶ موجود ہے[2]

۲۵۔ شرح دیوان خاقانی (فارسی)

خاقانی شروانی (م ۵۹۵ھ) کے دیوان کی اس شرح کا ذکر صرف جناب احمد منزوی نے کیا ہے اور اس کے ایک مخطوطہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ، بہارت، شمارہ ۹۳ دواوین کی نشان دہی کی ہے[3]

---

[1] اس مجموعہ میں رسالۂ اوّل کا ذکر "شرح اصطلاحات شعراء" کے تحت صفحہ ۴۱۶ پر گذر چکا ہے۔

[2] طرازی: نوادالدین عبدالرحمٰن جامی: ۴۸۔

[3] فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۵: ۶۵-۳۴۶۴۔

۲۶۔ شرح الرسالۃ الوضعیۃ (عربی)

عضد الدین عبد الرحمٰن ایجی (م ۷۵۶ھ/۱۳۵۵ء) کے عربی "رسالۃ العضدیۃ فی الوضع" (وضعیہ) کی اس شرح کا ذکر سعید نفیسی[۱] اور بشیر ہروی[۲] نے کیا ہے۔ کیا الفاظ خدا نے وضع کئے ہیں یا انسان نے جو گفتگو کرتا ہے؟ اس رسالہ میں اسی مسئلہ پر بحث کی گئی ہے۔

آغاز: ھذہ المشار الیہ اما تلک العبارات المخصوصۃ۔

اس شرح کا ایک مخطوطہ دار الکتب قاہرہ (نمبر ۱۴۴۳۰ج) میں از ورق ۲ ، تا ۷۶ موجود ہے۔[۳]

۲۷۔ شرح گلشن راز

محمود شبستری (م ۷۲۰ھ) کی عارفانہ مثنوی "گلشن راز" پر جامی کی شرح کا ذکر بشیر ہروی نے کیا ہے۔[۴] مگر سعید نفیسی کو جامی سے اس انتساب کی صحت میں شک ہے۔[۵]

۲۸۔ شرح مخزن الاسرار

نظامی گنجوی (م ۶۱۹ یا ۶۱۴ھ) کی مثنوی "مخزن الاسرار" پر جامی کی اس شرح

۱۔ تاریخ نظم و نثر در ایران ۱: ۲۸۸۔

۲۔ تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱۔

۳۔ طرازی: نور الدین عبد الرحمٰن جامی: ۴۔

۴۔ تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱۔

۵۔ تاریخ نظم و نثر در ایران ۱: ۱۶۹

کا نام سعید نفیسی[1] اور بشیر ہروی[2] نے لیا ہے۔

۲۹۔ شق القمر (فارسی)

شائد جامی کی تصنیف ہے۔ مسئلہ شق القمر کے حل پر مندرجہ ذیل سات طبقات کے نظریات جمع کئے ہیں۔ ۱۔ اہل ظاہر مقلد، محدث، حافظ۔ ۲۔ اہل ظاہر حکیم اسلام، متکلم۔ ۳۔ متاخر حکمائے ظاہر۔ ۴۔ حکمائے قدیم۔ ۵۔ صوفی محقق۔ ۶۔ قرآنی حروف کے رموز خواں۔ ۷۔ اولوالایدی والابصار۔

اس رسالہ میں ایک جگہ یہ شعر موجود ہے:

اگر جامی بدست آری زخمم جامی بری پُرمَی
وگر پیمانہ ای داری بتو پیمانہ پیماید

آغاز: "بسملہ۔ الحمد لولیہ والصلوۃ علی نبیہ۔ روزی از روزہا کہ بیاری دولت اقبال وہمراہی ایشان بحکم فرمودۂ قل سیروا فی الارض عصای سیاحت بدست قبول گرفتہ گرد سراپای عالم کون میگشت وبدیدۂ اعتبار در ہر بازارمی نگریست وحاصل مطالعۂ ہر طائفہ برمحک عیار میزد۔ یک ناگاہ گذر بر مدارس علوم رسوم کہ میدان تسابق وتجارب فہوم است، افتاد، دید کہ در بحث شق قمر وتحقیق بیان آن بساط مناظرہ گسترانیدہ"۔

انجام: "طبقۂ ہفتم مرتبۂ اولوالایدی والابصار است کہ خادمان خاص حضرت ختمی و وارثان کمال ارجمند اویند... وتحقیق این آنست"۔

---

[1] تاریخ نظم ونثر در ایران ۱: ۲۸۸۔

[2] تعلیقات بر تکملہ لاری: ۸۱۔

اس رسالہ کا ایک نسخہ (نمبر ۴۷۷۸) کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران کے مجموعہ رسائل میں صفحہ ۱ تا ۲۰ موجود ہے۔[1]

۳۰۔ صد کلمہ حضرت علی با ترجمۂ فارسی

سعید نفیسی[2] اور بشیر ہروی[3] نے جامی کے اس ترجمہ کا ذکر کیا ہے۔

ادارۂ علی کالج۔ وزیر آباد (بھارت) نے ۱۳۵۵ھ میں دسویں صدی ہجری کے خوشنویس شیخ نظام کے لکھے ہوئے جس نسخہ کا عکس بعنوان "آیات جلی یعنی حضرت علی علیہ السلام کے زرین اقوال مع ترجمہ حضرت مولوی جامی" شائع کیا ہے اور جس کا آغاز اس کلمہ اور ترجمہ سے ہوتا ہے:

قال امیرالمؤمنین علی لو کشف الغطاء ما ازدت یقینا

حال خلد و جہیم دانستم
بہ یقین آنچنان کہ مے باید
گر حجاب از میانہ بر دارند
از یقین ذرہ (ای) نیفزاید

وہ در اصل رشید الدین محمد وطواط بلخی (۴۸۰ یا ۴۸۷ھ۔ ۵۷۳ یا ۵۷۸ھ) کا منثور و منظوم ترجمہ موسوم بہ "مطلوب کل طالب من کلام علی بن ابیطالب" ہے تاہم بعض مخطوطات میں کاتبوں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے نثری ترجمہ حذف کر کے صرف منظوم ترجمہ

---

[1] محمد تقی دانش پژوہ: فہرست کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران ۱۴: ۳۸۲۲-۳۸۲۳۔ تمام معلومات اسی فہرست سے نقل کی گئی ہیں۔

[2] تاریخ نظم و نثر ۱: ۲۸۸۔ [3] تعلیقات بر تکملہ لاری: ۸۱۔

درج کیا ہے۔ دطواط کی اس کتاب کو فلایشر نے جرمنی زبان میں ترجمہ کرکے ۱۹۳۷ء میں شایع کیا۔ تہران سے بھی یہ فارسی ترجمہ ۱۳۴۲ش میں باہتمام محدث ارموی چھپ چکا ہے۔[1]

دفتر کتب خانہ اسعد افندی ایا صوفیہ میں جامی کے ایک رسالہ "ترجمۃ المنتخب من نثر اللالی فی کلام امام علی کرم اللہ وجہہ" کا اندراج ہوا ہے۔[2] یہ ایک ہی نوعیت کے تراجم معلوم ہوتے ہیں۔

۳۱۔ رسالۂ عروہ

سعید نفیسی[3] اور بشیر ہروی[4] نے اس رسالے کا نام لکھا ہے۔

۳۲۔ من الفتوحات المکیہ فی صفۃ الرافضیہ (بظاہر عربی۔ نثر)

کتب خانہ اسعد افندی، ایا صوفیہ میں اس رسالہ کا ایک نسخہ موجود ہے۔ عدد عمومی ۱۶۹۱ کے تحت مذکور ۱۶ رسائل کے مجموعے میں یہ آٹھواں رسالہ ہے اس مجموعہ میں جامی کے چھ دوسرے رسائل بھی ہیں۔[5]

رسالہ کے نام سے یہ گمان بھی ہوتا ہے کہ "فتوحات المکیہ" سے رافضیت کی تشریح کا استخراج کیا گیا ہے۔

---

[1] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۲: ۱۹۸۵-۸۹۔

[2] دفتر مذکور، ص ۱۳۱، عدد عمومی ۱۶۹۴، مجموعۂ رسایل میں انیسواں رسالہ۔

[3] تاریخ نظم و نثر در ایران ۱: ۲۸۸۔

[4] تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱۔

[5] دفتر کتب خانہ اسعدی افندی ص ۱۲۲۔

۳۳۔ رسالہ قطبیہ (فارسی)

آغاز: الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمّد وآلہ واصحابہ اجمعین ... امّا بعد بر خاطر وقاد طبع نقاد پوشیدہ نماند کہ.

طرازی نے اس رسالہ کے مخطوطہ مخزونہ دارالکتب قاہرہ بلا تاریخ، ۸ ورق (نمبر ۴۲ تاریخ فارسی) کا ذکر کیا ہے[1]

۳۴۔ قلندر نامہ (فارسی)

اس مثنوی کا ایک مخطوطہ کتب خانہ عارف حکمت، مدینہ منورہ (سعودی عرب) میں موجود کلیات جامی (نمبر ۵۹) مورخ ۹۱۷ھ میں شامل ہے۔[2]

۳۵۔ کلمتی الشہادۃ

سعید نفیسی[3] اور بشیر ہروی[4] نے اس کا ذکر کیا ہے۔

۳۶۔ گل و نوروز

اس رسالہ کا نام بھی سعید نفیسی[5] اور بشیر ہروی[6] نے درج کیا ہے۔

---

[1] طرازی: نورالدین عبدالرحمٰن جامی: ۴۰۔ [2] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۴: ۳۰۴۸-۴۹۔ و عزیزاللہ عطاردی قوچانی: مخطوطات فارسی در مدینہ منورہ: ۱۹۔

[3] تاریخ نظم و نثر ۱: ۲۸۸۔ [4] تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱۔

[5] تاریخ نظم و نثر ۱: ۲۸۸۔ [6] تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱۔

۳۷۔ مثنوی عشق (فارسی)

آغاز: ای بدرماندگی پناہ ہمہ
کرم تست عذر خواہ ہمہ

دارالکتب قاہرہ میں اس مثنوی کے دو مخطوطات موجود ہیں۔

۱۔ نمبر ۱۰۴۔ بخط نستعلیق خوش، بلا تاریخ، ۱۱۰ص۔ نسخہ میں جامی سے نسبت کی صراحت موجود ہے۔

۲۔ نمبر ۹۔ بلا تاریخ۔ مجموعہ میں از ورق ۱ تا ۱۶۔ نسخہ میں شاعر کے نام کی وضاحت نہیں ہوئی۔[۱]

۳۸۔ مختصر الفقہ (فارسی)

فقہ پر اس منظوم رسالہ کا مخطوطہ کتب خانہ اسلامیہ کالج پشاور (پاکستان) میں تحت شمارہ ۵۵ موجود ہے۔[۲]

۳۹۔ رسالہ مراتب ستّہ (فارسی)

یہ رسالہ مندرجہ ذیل چھ مراتب کی مختصر تشریح پر مبنی ہے۔

۱۔ مرتبۂ غیب مسمی بہ تعین اول، یعنی تعقل حق۔ ۲۔ غیب ثانی مسمی بہ تعین ثانی،

۱۔ احمد منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۴: ۳۰۰۴۔ "منظومہ ای در عشق" و ۳۱۲۷ "مثنوی جامی" بحوالہ فہرس المخطوطات الفارسیۃ دار الکتب قاہرہ۔

۲۔ مولوی عبدالرحیم: لباب المعارف العلمیہ ۲: ۲۱۔

یعنی تحقق اشیاء۔ ۳۔ مرتبۂ ارواح، یعنی ظہور اشیائے کونیہ۔ ۴۔ مرتبۂ مثال یعنی وجود اشیائے کونیۂ لطیفہ۔ ۵۔ مرتبۂ اجساد، یعنی مرتبۂ وجود اشیائے کونیۂ مرکبۂ کثیفہ۔ ۶۔ مرتبہ جامع جمیع مراتب یعنی حقیقت انسان۔

جس صورت میں یہ رسالہ ہمیں دستیاب ہوا ہے[1]، اس کے مطابق اس کا آغاز و انجام یوں ہے۔

آغاز: ہوالموجود لا غیرہ والمرئی مُظہرہ۔ ما فی الوجود الاعین واحدہ ھی عین الحقیقۃ الحق و وجودہ وہو الموجود المشہود۔

انجام: (غزل۔ جس کے آخری دو اشعار یہ ہیں):

بادہ نہان و جام نہان آمدہ پدید
در جام عکس بادہ و در بادہ رنگ جام

جامی معاد و مبدء ما وحدت ست و بس
ما در میان کثرت موہوم والسلام[2]

---

[1] ہمارے پیش نظر مندرجہ ذیل تین مخطوطات ہیں:
۱۔ نسخۂ کتابخانۂ گنج بخش۔ راولپنڈی، شمارہ ۱۹۱۰۷۔ در مجموعہ مورخ ۱۲۲۲ھ، از ص۴۰ تا ۴۵۔ (نیز دیکھئے: احمد منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانۂ گنج بخش ۲: ۷۹۲)۔
۲۔ نسخہ مخزونہ نیشنل میوزیم آف پاکستان۔ کراچی۔ شمارہ 82-967 بقلم نیاز احمد بن حافظ خیرالدین مورخ ۲۱ جمادی الثانی ۱۲۷۲ھ۔ (فہرست عارف نوشاہی، ص ۲۶۷)
۳۔ نسخۂ مخزونہ کتابخانہ پروفیسر محمد اقبال مجددی۔ لاہور۔
جناب احمد منزوی نے "فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان" میں مزید ایک نسخہ مخزونہ کتابخانۂ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، کوئٹہ (پاکستان) کا ذکر کیا ہے۔

[2] مکمل غزل "دیوان جامی (پژمان)"، ۱۸۱ میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

جامی نے اسی موضوع پر "نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص" کے مقدمہ اور ابتدائی سات فصول میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور وہاں مندرج اکثر عبارات و جملات بجنسہٖ زیر نظر رسالہ میں ملتے ہیں۔ مثلاً "نقد النصوص" کے مقدمہ میں فصل سوم کے وصل آخر کا یہ حصّہ ملاحظہ ہو:

"اگر وجود حق را سبحانہ و تعالیٰ مراتب اعتبار کنی ... در جام عکس بادہ و در بادہ رنگ جام"

یہی بذبعینہٖ رسالۂ مراتب ستّہ کا اختتامیہ بھی ہے۔

رسالہ کے ابتداء میں تحمید و تمہید نہ ہونے کے باعث ہم اسے جامی کی باقاعدہ تصنیف قرار نہیں دے سکتے۔[1] بلکہ "نقد النصوص" کے مقدمات کی بتصرّف تلخیص کہیں گے۔

۴۰۔ ملفوظات جامی (فارسی)

آغاز: من طلب الرحمٰن الباری فہو شترک الباری ... عشق روی بر تابد قبلہ گاہ وی ذات معشوق است۔ (برابر با تہلیلیہ، ص ۳۶۹)

مذکورہ ملفوظات کا مخطوط دار الکتب قاہرہ (مصر) کے ایک مجموعہ مورخ ۱۲۳۵ھ میں صفحہ ۲۰۶ تا ۲۰۹ (شمارہ ۲۷ مجامیع فارسی طلعت) موجود ہے۔[2]

---

[1] مقامات مظہری میں اس کا مستقل رسالہ کے طور پر یوں ذکر ہوا ہے: "مولانا جامی در مراتب ستّہ میفرمایند اگر ....." شاہ غلام علی دہلوی: مقامات مظہری، ص ۱۲۴۔ طبع دہلی ۱۲۶۹ھ۔
ریو نے برٹش میوزیم لندن کے مخطوط (شمارہ OR-1164) میں مندرج متن از ورق ۷۹ تا ۸۱ کا ذکر بعنوان رسالہ فی معرفۃ الحضرات "در مراتب الوجود منسوب بہ جامی" کا ذکر کیا ہے (ریو ۲: ۶ ۸۷)۔

[2] طرازی: نور الدین عبد الرحمٰن جامی: ۲۰۔

ملفوظات جامی کا ایک مجموعہ جو ان کے کسی خاص مرید نے جمع کیا تھا، اسلامیہ کالج پشاور (پاکستان) میں ۱۰۴۷ شمارہ کے تحت رسالۂ قدسیہ (مورخ ۱۱۸۰ھ) کے آخر پر موجود ہے [1]

۴۱۔ مناقب مولوی

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ مولانا جلال الدین محمد رومی مشہور بہ مولوی (م ۶۷۲ھ) کے مناقب پر ہے۔

سعید نفیسی اور بشیر ہروی نے اس کا ذکر کیا ہے [2]

۴۲۔ رسالۂ منطق

اس رسالہ کا ذکر سعید نفیسی [3] اور بشیر ہروی [4] نے کیا ہے۔

۴۳۔ النفحۃ المکیہ

جامی کی تالیفات میں اس نام کا ذکر جناب حسن سادات ناصری نے "تقویم تربیت" از محمد علی تربیت اور "ریحانۃ الادب" از محمد علی تبریزی معروف بہ مدرس کے حوالے سے کیا ہے۔[5]

---

[1] عبد الرحیم: لباب المعارف العلمیہ ۱: ۱۹۳۔

[2] تاریخ نظم و نثر در ایران ۱: ۲۸۹۔ تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱

[3] تاریخ نظم و نثر ۱: ۲۸۸۔

[4] تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱۔

[5] حسن سادات ناصری: حاشیہ بر "آتشکدہ" از آذر، ۱: ۳۱۲۔ ریحانۃ الادب ۱: ۳۳۸، تبریز، طبع سوم ۱۳۴۷ش۔

۴۴۔ رسالۂ نور بخش

حقیقت، طریقت اور مجاز کے بیان میں ہے[1]

آغاز: "بعد حمد منان مستعان و صلوات مغز انس و جان"

اس رسالہ کا ایک مخطوط دار الکتب قاہرہ (مصر) تحت شمارہ ۲۶۱ مجامیع تیمور، ایک مجموعۂ رسائل میں صفحہ ۴۴۲ تا ۴۴۷ موجود ہے[2]

۴۵۔ رسالۂ وحدت الوجود (فارسی)

بشیر ہروی نے اس کا ذکر کیا ہے[3]

یہ رسالہ ماہنامہ "جلوہ" تہران۔ سال دوم (۲۵-۱۳۲۶ش) صفحہ ۱۶-۲۱۱ میں بعنوان "رسالۂ ملا جامی در وحدت وجود" شائع ہو چکا ہے[4]

۴۶۔ الوصیۃ

دفتر کتب خانہ اسعد افندی کے مؤلف نے صرف "الوصیۃ نور الدین عبد الرحمن بن احمد الجامی" ہی لکھا ہے۔ عدد عمومی ۳۷۴۵ کے تحت مذکور یہ رسالہ (یا وصیت) ۱۳ رسائل کے مجموعہ میں چوتھا رسالہ ہے[5]

---

[1] بشیر ہروی: تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱۔ [2] طرازی: نور الدین عبد الرحمن جامی: ۴۱۔
[3] تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۸۱۔
[4] ایرج افشار: فہرست مقالات فارسی ۱: ۵۸۰۷ (عدد مسلسل)۔
[5] دفتر کتب خانہ اسعد افندی ایا صوفیہ، ص ۲۹۵۔

تیسرا حصہ

چند ایسی کتابیں جو صریحاً غلط طور پر جامی سے منسوب کر دی گئی ہیں

۱۔ تاریخ ہرات

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون[۱] میں ہرات کی تاریخ پر کتابوں کے جن سات مصنفین کا ذکر کیا ہے ان میں سے تین نام یہ ہیں:

۱۔ ابو نصر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفامی (۴۷۲۔۵۴۶ھ/۱۰۷۹۔۱۱۵۱ء)۔

۲۔ ابو نصر عبدالرحمٰن القیسی۔

۳۔ نور الدین عبدالرحمٰن جامی (م ۸۹۸ھ)۔

اس کے بعد عمر رضا کحالہ[۲] اور سعید نفیسی[۳] نے بھی "تاریخ ہرات" نامی کتاب کو جامی سے منسوب کیا ہے۔

حاجی خلیفہ کی مندرجہ بالا فہرست پر "تاریخ نامۂ ہرات" از سیف بن محمد ہروی مطبوعہ کلکتہ ۱۳۶۲/۱۹۴۳ء کے مصحح پروفیسر محمد زبیر صدیقی اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں،

---

[۱] کشف الظنون ۱: ۳۰۹-۱۰۔

[۲] معجم المؤلفین ۵: ۱۲۲۔

[۳] تاریخ نظم و نثر ۱: ۲۸۷، نفیسی نے اسی جلد کے صفحہ ۱۹۷ پر عبدالرحمٰن فامی کو آٹھویں صدی ہجری کا مؤلف سمجھتے ہوئے (جو کہ صحیح نہیں) اس کی تاریخ ہرات کا ذکر کیا ہے۔

"تاحال غیر از حاجی خلیفہ کسی مدعی نشدہ کہ عبدالرحمٰن جامی تاریخ ہرات نوشتہ باشد۔ ہمچنین درنسبتی کہ بہ ابوروح عیسیٰ یا ابونصر عبدالرحمٰن قیسی دادہ، مؤید ندارد۔ اصلاً حاجی خلیفہ در اظہارات خود دقت و احتیاط لازم را ہمیشہ مراعات نمی کند"[1]

ترجمہ: ابھی تک حاجی خلیفہ کے علاوہ کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ عبدالرحمٰن جامی نے تاریخ ہرات لکھی ہے۔ اسی طرح اُس (حاجی خلیفہ) نے جو نسبت ابوروح عیسیٰ یا ابونصر عبدالرحمٰن قیسی سے دی ہے اس کی بھی تائید نہیں ہوتی۔ اصل میں حاجی خلیفہ اپنے اظہارات میں کبھی ضروری دقت اور احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھتا۔

معین الدین زمچی اسفزاری جو جامی کا معاصر اور مداح تھا اور اس نے ۸۹۷-۹۹ھ میں "روضات الجنات فی اوصاف مدینۃ ہرات" لکھی۔ وہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں تاریخ ہرات پر جن چار کتابوں کا ذکر کرتا ہے[2] ان میں جامی کی کسی "تاریخ ہرات" کا نام نہیں آیا۔ اگر جامی نے اس موضوع پر کوئی تالیف چھوڑی ہوتی تو زمچی اس سے ضرور واقف ہوتا اور نہ صرف اس کا ذکر کرتا بلکہ اس سے استفادہ بھی کرتا، جیسا کہ اس نے عبدالرحمٰن فامی کی تاریخ ہرات سے اقتباسات دیے ہیں۔

ایسا نظر آتا ہے کہ فہرست نگاروں اور تاریخ نویسوں کو جامی کی ہرات سے نسبت اور تاریخ ہرات کے مصنف عبدالرحمٰن الفامی (م ۵۴۶ھ) کے نام سے التباس و اشتباہ ہوا ہے اور وہ اسے غلط طور پر عبدالرحمٰن الجامی کے نام منسوب کر بیٹھے ہیں۔[3]

۲۔ تجنیس خط یا تجنیس اللغات (فارسی۔ نظم)

رک: متن، صفحہ ۳۱۲

[1] مقدمہ بر "تاریخ نامہ ہرات": ۵۔ [2] روضات الجنات: ۴۱-۴۲۔

[3] ہمارے نظریے کی تائید کے لئے دیکھئے: ہاشم رضی کا "دیوان جامی" مطبوعہ تہران پر مقدمہ، بشیر ہروی کی تعلیقات بر تکملۂ لاری، ص ۸۱، "مقالات مولوی محمد شفیع" ۳: ۲۳۸

آغاز:　　بعد توحید و صفات خالق شام و سحر
وز پس نعت و ثنائے خواجۂ خیر البشر

جناب حکمت کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ مندرجہ ذیل شعر بھی نصاب "تجنیس خط" کا حصّہ ہے

مصر شہر و شہر ماہ و ماء آب و خوف سہم
سہم تیر و اجنحہ چہ بال باشد بال جان

درحقیقت یہ "تجنیس الالفاظ" یا "بدیع البیان" کا ابتدائی شعر ہے جسے خسرو دہلوی اور جامی دونوں سے منسوب کیا جاتا ہے اور ہم اس پر آگے چل کر بحث کر رہے ہیں

رسالۂ "تجنیس خط" کے کاتبوں نے تواتر کے ساتھ اور ان کی پیروی میں بعض فہرست نگاروں نے اسے جامی سے منسوب کیا ہے۔[1]

تمام نسخوں کے اختتام پر ناظم کا نام اس طرح آیا ہے:

تا چند سخن طویل گوئی چندان
خاموشی پیش گیر عبد الرحمٰن
بس کن کہ ہمین رسالہ کافی ست ترا
زین بیش مدہ دردسر بہ کسان

---

[1] مثلاً:
RIEU, CHARLES : CATALOGUE OF THE PERSIAN MANUSCRIPTS IN THE BRITISH MUSEUM. Vol : II, P—504, 509.

محمد بشیر حسین، فہرست مخطوطات شیرانی ۲: ۷۷-۵۷۸ (صفو).

اور ابتدا میں نظم کے تیسرے شعر میں اس کے موضوع کی تصریح ہوئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ نصاب "ضیائی"[1] کو علم لغت سکھانے کے لئے لکھا گیا ہے :

کردم این مجموعہ را در صنع تجنیس اللغات
تا ضیائی را لغت دانی بیاد آرد مگر

مذکورہ اشعار میں وارد محض "عبدالرحمٰن" نام سے یہ تسلیم کر لینا کہ یہ رسالہ عبدالرحمٰن جامی کی تصنیف ہے ایک عاجلانہ فیصلہ ہے ۔

اولاً اس رسالہ کے جو مخطوطات ہمارے علم میں ہیں اور جن کا ذکر فہارس مخطوطات میں آیا ہے وہ سب برصغیر میں کتابت ہوئے ہیں اور کسی غیر ہندوستانی نسخے کا سراغ نہیں ملتا۔[2] جامی کی ایسی تصنیف جسے ایک نصابی اور تدریسی کتاب ہونے کی وجہ سے نسبتاً زیادہ متداول ہونا چاہیے تھا، اس کا ایران، ترکی یا خراسان میں نہ پایا جانا[3] (ان علاقوں میں آثار جامی کے کثیر التعداد نسخ ہیں) اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کتاب ان علاقوں میں تصنیف نہیں ہوئی بلکہ ہندوستان میں کسی عبدالرحمٰن نامی شخص نے لکھی ہے

ثانیاً ہماری نظر سے کوئی نسخہ بھی ۱۱۳۵ھ سے قدیم تر نہیں گذرا۔[4] ہم نے جامی

---

[1] فہرست نگار مخطوطات شیرانی کی رائے میں "ضیائی" جامی کے شاگرد تھے۔ یہ قیاس داخلی نظر آتا ہے بلکہ مذکورہ شعر ہی سے ماخوذ ہے ۔

[2] احمد منزوی ، فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی در پاکستان (زیر تالیف مسودہ مخزونہ کتابخانہ گنج بخش راولپنڈی)۔

[3] احمد منزوی کی فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۱۳ ۱۹۶۱-۲۰۴۶ کے حصہ "فرہنگنامہ ہای دو زبانہ یا بیشتر" میں اس رسالہ کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے حالانکہ اس فہرست میں دنیا کے بالعموم اور ایران کے بالخصوص نسخوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

[4] یہ نسخہ ذخیرۂ شیرانی نمبر ۲/۵/۳۰/۴۰۴ مخزونہ دانشگاہ پنجاب لاہور کی تاریخ کتابت ہے ۔

سے منسوب اس نصاب کا جو مخطوطہ کتب خانۂ احسان دانش مرحوم، انارکلی لاہور میں دیکھا ہے اس کی تاریخ کتابت ۱۲ رمضان ۱۰۸۴ھ ہے لیکن رسالہ کا کاغذ اور خط اس قدر متاخر ہے کہ مذکورہ تاریخ مشکوک معلوم ہوتی ہے۔

"تجنیس خط" بتصحیح Francis Gladwin اور اس کا انگریزی ترجمہ از J. Haddon Hindley مطبوعہ لندن ۱۸۱۱ء[1] ہماری دسترس میں نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ آیا انگریز مصحح نے اپنے پیش نظر نسخہ کے ترقیمے کی بنا پر اسے عبدالرحمٰن جامی کی تصنیف مان لیا ہے یا اس کے پاس اس کی تائید (یا تردید) میں دیگر شواہد و قرائن بھی موجود تھے۔

یہی رسالہ کلکتہ سے ۱۸۱۸ء اور مطبع مسیحائی (بھارت) سے ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء اور کانپور سے ۱۸۷۱ء میں "تجنیس اللغات" جامی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔[2]

۳۔ ترجمۂ کوک شاستر = لذت النساء (فارسی نظم)

جنسیات پر اس مثنوی کو جس کا مطلع یہ ہے:

کنم ابتداء من بنام خدا
کہ پیداست از قدرتش دو سرا

جناب سید سرفراز علی رضوی نے "مخطوطات انجمن ترقی اردو (فارسی۔ عربی)"[3] میں عبدالرحمٰن جامی سے منسوب کیا ہے جو درست نہیں ہے۔

---

[1] ریو۔ بحوالہ مذکور ص ۵۰۴۔

[2] ہم نے یہ تمام ایڈیشن دیکھے ہیں۔

[3] رضوی: مخطوطات انجمن ترقی اُردو (فارسی عربی): ۱:۵۰ (عدد مسلسل) مخطوطہ نمبر ۴ ق ف ۱۲۱۔

یہ درحقیقت حیدر آباد (دکن) کے ایک شاعر جامی کی مثنوی ہے جو اس نے ہندی سے ترجمہ کی تھی۔ ریو[1] نے شاعر کا پورا نام "محمد قلی" اور جناب شمس اللہ قادری[2] نے "شاہ محمد" لکھا ہے۔ یہ جامی دکنی گیارہویں صدی ہجری میں زندہ تھا۔

۴۔ دیوان مادح (فارسی۔ نظم)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و مدح پر مشتمل غیر منقوط اشعار کا دیوان ہے، پہلی نعت کے مقطع میں شاعر نے اپنا تخلص یوں استعمال کیا ہے:

مدح احمد دوام گو مادح
کو دوا داد درد ہمدم را

برصغیر کے مختلف ایڈیشنوں میں اسے "دیوان بے نقاط جامی" کے نام سے شائع کیا گیا ہے[3] لیکن حافظ محمد اسلم جیراج پوری کی تحقیق کے مطابق اشعار کے اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان، جامی کا نہیں بلکہ اس شخص کا ہے جو جامی سے تقریباً ایک سو پچیس سال بعد زندہ تھا۔ حافظ صاحب نے بطور حوالہ یہ شعر پیش کیا ہے:

در سال دہ صد و دو سہ ھسر دو رسالہ را
مادح کہ کرد درسر مدح رسول را[4]

---

[1] RIUE, CHARLES
Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum
Vol. II, 680a

[2] قادری: تاریخ زبان اردو: ۶۶-۶۷۔

[3] مثلاً شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین لاہور ۱۳۴۷ھ ایڈیشن۔

[4] حیات جامی، ص ۵۹-۶۰ تاہم دیوان مادح لاہور میں یہ شعر موجود نہیں ہے

آغاز: حمد لاحد آلہ عالم را
کو روا کردہ کام آدم را

ملا قانع ٹھٹھوی نے "مقالات الشعراء" میں ایک فارسی شاعر ملا داؤد دکعلوی متخلص بہ مادح کا ذکر کیا ہے. لیکن بطور نمونہ جو شعر درج کیا ہے وہ منقوط ہے.[۱]

۵۔ رسالۂ صغیر (فارسی۔نثر)

جناب ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے ذخیرۂ شیرانی، دانشگاہ پنجاب لاہور میں موجود مجموعۂ رسائل نمبر ۲۰۴۰/۵۲/ ۵۰ کے پہلے رسالہ کو بعنوان "رسالۂ صغیر" مولانا جامی سے منسوب کیا ہے[۲] اس انتساب کی صحت جاننے کے لئے جب ہم نے مذکورہ نسخہ دیکھا تو حقیقت حال بڑے دلچسپ انداز میں سامنے آئی. مذکورہ مجموعۂ رسائل ایک ہی کاتب کا لکھا ہوا ہے اور اس کے پہلے تین رسائل کی ترتیب یہ ہے :

۱۔ رسالہ در عروض و قافیہ. مصنف نا معلوم، ص ۲۔۱۲، اسی رسالہ کو ڈاکٹر صاحب نے رسالۂ صغیر سے موسوم کیا ہے.[۳]

۲۔ رسالۂ عروض از قاسم کاہی، ص ۱۳۔۲۲.[۴]

۳۔ رسالۂ معما از جامی، ص ۲۳۔ ۴۸. آغاز: ای اسم تو گنج ہر طلسمی. اس رسالہ کو رسالۂ متوسط کہنا چاہیئے (دیکھئے ہماری یہی کتاب، ص ۳۹۸) مگر ڈاکٹر صاحب نے اسے رسالۂ کبیر یا حلیۃ الحلل کے نام سے فہرست میں درج کیا ہے.[۵]

۱۔ مقالات الشعراء : ۶۹۶

۲،۳۔ فہرست مخطوطات شیرانی ۳ : ۶۲۷.

۴۔ ایضاً: ۳ : ۶۲۸. ۵۔ ایضاً: ۳ : ۶۴۳.

مذکورہ تیسرے رسالہ کا ترقیمہ یوں ہے:

"رسالۂ صغیرے حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرہ روحہ بتاریخ ۹ شہر جمادی الثانی ۱۰۹۹ (ھ) روز سہ شنبہ وقت ظہر بخط فقیر عبدالہادی متوطن موضع رانیپور (کر مخور د ہ) پرگنہ جیورہ تحریر یافت"[1]

اس طرح ذخیرۂ شیرانی کے محترم فہرست نگار نے تیسرے رسالہ کے ترقیمہ کو پہلے رسالہ کا ترقیمہ سمجھ کر اُسے مولانا جامی کی تصنیف قرار دے دیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

رسالۂ اوّل کے بارے میں ہمارا حاصل مطالعہ یہ ہے:

۱۔ مؤلف نے کہیں اپنا نام درج نہیں کیا۔ تاہم مقالۂ سوم "در قافیہ" کے اختتام پر وہ لکھتا ہے "اگر انواع قوافی مقصود باشد، رسالۂ حقیقۃ القوافی این فقیر باید دید"[2] چونکہ جامی کی تصانیف کی فہرست میں "حقیقۃ القوافی" کا نام نہیں ملتا اس لئے زیر نظر رسالہ کو بھی ان کی تصنیف قرار نہیں دیا جا سکتا البتہ اس نام کا ایک رسالہ فخر الدین رازی (۵۴۳-۶۰۶ھ) سے ضرور منسوب ہے۔[3]

۲۔ مؤلف نے سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بعد از انحراف مزاج، شبی در کنج بیت الحزن با صد ہزار بلا و محن نشستہ بودم و در بروی غیر بستہ نہ محبوبی وفادار کہ گاہی مقدار غم از دل دردمندم بردارد و نہ ممدوحی عالی مقدار کہ در ناسازگاری دہر بنظر رحمت خاطر مستمندم را نگاہدارد ...۔ جلیس این فقیر ... (نام کا ذکر نہیں) .. از در، در آمد

---

[1] مخطوطہ زیر بحث ذخیرۂ شیرانی، ص ۴۸ (مجموعہ)۔

[2] زیر بحث نسخہ، ص ۵۔

[3] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۳: ۲۱۵۸، ۲۱۷۰۔

ومرا متحیر و متفکر مشاہدہ مود. پی آنکہ ازمن شکوہ دروظاہر گردد، دریافت وگفت چرا سر در گریبان تفکر فرمودہ ای ؟ سر برآور و وقت شریف را بعزلت وعطلت مگذار و رسالہ در صنایع شعر وعروض و استحسان کہ در آن صنایع وقوع یافتہ باشد بازما بنام ... عالیجناب ... قاضی القضات .. (طویل القاب کے باوجود نام درج نہیں ہوا) ... ، بدین اشارت از جا برخاستم وکمر خدمت بر میان جان بستم و در اتمام این رسالہ توجہ نمودم"۔[1]

۳۔ یہ رسالہ ایک مقدمہ، چھ مقالات اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقدمہ در معنی شعر

مقالۂ ۱۔ کلام موزون را چرا شعر گویند

۲۔ انواع شعر

۳۔ قافیہ

۴۔ محاسن شعر وطرفی صناعات وقسمی از عروض کہ در نظم ونثر بکار دارند

مقالۂ ۵ و ۶ اور خاتمہ مذکور نہیں ہے۔

آغاز : حمد بیحد واجب الوجودی را کہ سلسلۂ موجودات را بواسطۂ اتصال کاف و نون انتظام بخشید وانسان را بجہت قابلیت نطق ومعرفت از موجودات انتخاب نمود.

اختتام : آن برگ خزان بین کہ بران شاخ زران است :

ترقیمہ : تحریر فی التاریخ غرہ جمادی الآخر ۱۰۹۹ھ (ص ۱۳ نسخہ).

---

[1] نسخۂ خطی زیر بحث : ص ۲-۳۔

۶۔ رسالۂ عرفانی (فارسی۔ نثر)

رسالۂ عرفانی مخزونہ کتب خانہ گنج بخش راولپنڈی کے جس مخطوط (۶۳۱۴) کو اس کے ترقیمہ اور کاتب کے حوالے سے "ملای جامی" سے منسوب کیا گیا ہے وہ دراصل "ارشاد المریدین" از کمال الدین حسین خوارزمی (شہادت ۸۳۵۔ ۸۴۰ھ) ہے جس کی تائید خود "فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش" از احمد منزوی، جلد دوم، صفحہ ۵۱۔۵۵۲ پر "ارشاد المریدین" (تحت عدد مسلسل ۶۸۲) اور صفحہ ۸۰۔۶۷۹ پر رسالۂ عرفانی (ذیل عدد مسلسل ۸۲۴) کی دی گئی فہرست مضامین کی یکسانیت سے بھی ہو جاتی ہے۔

۷۔ طریق بحث (فارسی۔ نثر)

یہ مثنوی جس کا آغاز مندرجہ ذیل شعر سے ہوتا ہے:

خداوندی کہ اورا نیست ہمتا
بود از جسم و از جوہر مبرّا

بحث و مناظرہ کے آداب اور طریقوں پر مشتمل ہے۔

اس رسالہ کے دو ایسے مخطوطات ہماری نظر سے گذرے ہیں جن کے ترقیمہ میں اسے جامی سے منسوب کیا گیا ہے۔ ان دونوں نسخوں میں اشعار کی مجموعی تعداد تیس ہے۔

۱۔ نسخۂ مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی۔ لاہور، مورخ ۱۲۷۷ھ[1]

۲۔ نسخۂ مخزونہ کتابخانۂ گنج بخش۔ راولپنڈی۔ شمارہ ۴۰۰۸[2]

---

[1] نیز دیکھیے: احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی پاکستان حصہ منطق۔

[2] احمد منزوی: فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانۂ گنج بخش ۱: ۴۳۹، تحت آداب بحث منظوم۔

مگر کتابخانۂ گنج بخش ہی کے دوسرے نسخے، شمارہ ۱۹۶۴۴، مورخ ۹۲ھ ۱۰۵ درمجموعہ ص ۶۲-۶۴ کے آخر میں تین مزید اشعار موجود ہیں جن میں شاعر کا نام اسیری مذکور ہے۔ اختتام کے وہ اشعار ملاحظہ ہوں :

طریق بحث را تقریر کردم　　بوجہ مختصر تحریر کردم
کہ تا از من بماند این نشانہ　　کہ من ہم بودہ ام اندر زمانہ
چو شد این نظم در خاطر مخیل　　بنام خویشتن کردم مزیل
مقیم گوشۂ فقر و فقیری　　فقیر ناتوان یعنی اسیری[۱]

ان اشعار کی روشنی میں اس مثنوی کے جامی کی بجائے اسیری سے نسبت کے شواہد واضح تر ہیں۔

۸۔ فتوح الحرمین (فارسی نظم)

حج کے مسائل و مناسک اور زیارات مکۂ مکرمہ و مدینۂ منورہ پر محی لاری (م ۹۳۳ھ / ۲۷-۱۵۲۶ء) کی مثنوی جس کا مطلع یہ ہے :

ای ہمہ کس را بدرت التجا　　کعبۂ دل راز تو نور صفا

یا　　ای دو جہان غرقۂ آلای تو　　کون و مکان قطرۂ دریای تو

کو بعض فہارس کتب اور مطبوعہ ایڈیشنوں میں غلط طور پر جامی اور شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی (م ۵۶۱ھ) سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

---

[۱] احمد منزوی، فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانۂ گنج بخش ۱: ۳۹۴ واضح ہو کہ وہاں محترم فہرست نگار نے "اسیری" کی نسبت مکانی کوئٹہ (پاکستان) سے ظاہر کی ہے، غالباً یہ اشتباہ مصرعہ "مقیم گوشۂ فقر و فقیری" میں لفظ "گوشہ" کو "کوئٹہ" پڑھنے سے ہوا ہے۔ محولہ فہرست میں اس مخطوطہ کا نمبر بھی غلط طور پر ۱۹۶۶ چھپ گیا ہے۔

جامی سے انتساب کی دو وجوہ ہیں۔ اولاً خود جامی نے مناسک حج پر رسائل لکھے۔ ثانیاً زیرِ نظر مثنوی میں مندرجہ ذیل شعر اشتباہ کا باعث بنا۔

گر بودت از سخن من ملال
گوش کن از عارف جامی مقال

شیخ جیلانی سے اس مثنوی کا انتساب شاعر کے "محی" تخلص کے سبب سے ہے۔

محی از افسانۂ او لب ببند
کو دل تو باز رھاند زبند[1]

۹۔ لطائف شرائف (فارسی۔ نثر)

محترمہ خالدہ صدیق (اب خالدہ آفتاب) نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ "تہیہ نسخ فارسی موجود در کتابخانہ ھای لاہور" میں فقیر خانہ۔ لاہور میں موجود "لطائف شرائف" از عبدالرحمٰن جامی کا نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔[2]

مزید تحقیق کے لئے جب ہم نے فقیر خانہ کا یہ نسخہ (نمبر ۲۲۰) دیکھا تو معلوم ہوا کہ نسخہ کے

---

[1] RIEU, CHARLES : CATALOGUE OF THE PERSIAN MANUSCRIPTS IN THE BRITISH MUSEUM. Vol : II, P-655 باضافہ و تلخیص

حکمت مرحوم نے اپنے مقالہ "چہار کتاب از جامی" مندرجہ رسالہ "آموزش و پرورش" شمارہ ۲ سال ۱۴ ص ۸۶ ۔ ۷۸ میں تردد کے ساتھ چوتھی کتاب "فتوح الحرمین" ہی کا ذکر کیا ہے۔

[2] تہیہ نسخ فارسی موجود در کتابخانہ ہای لاہور : ۴۰۰۔ اس مقالہ کی ایک نقل کتب خانۂ گنج بخش، راولپنڈی میں بذیل شمارہ ۷۵۰۰ (مطبوعات) بھی موجود ہے۔

سرورق اور ترقیمہ کی عبارت کی وجہ سے یہ کتاب جامی سے منسوب ہوئی ہے۔ ترقیمہ کے الفاظ یہ ہیں:

"تمت تمام شد لطائف شرایف من تصنیف حضرت مولوی عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ بیدالخط فقیر سراج الدین، برای خاطر برخوردار شہاب الدین مولوی ولد نبی بخش ساکن جیرانوالہ (دہیرانوالہ ضلع گوجرانوالہ) صورت تحریر یافت۔ مالکہ فقیر شہاب الدین متولد ۱۵ ربیع الثانی ۱۲۵۹ھ"۔

لیکن خود متن کے اندر ایک ایسی شہادت موجود ہے جس سے اس کتاب کی جامی سے نسبت کی تردید ہو جاتی ہے۔ جہاں لکھا ہے:

"مولوی معنوی میفرماید۔ فرد۔

گر یکی ——————

طمطراق در جہاں افگنند

و نیز در کلام مولوی جامی .. کہ فرمودہ است، بیت:

از کمر تا بکنار آمدہ[۱]

ظاہر ہے جامی اپنی ہی کتاب میں اپنے شعر کا یوں حوالہ نہیں دے سکتے۔

۴۷ صفحات کا یہ رسالہ تصوف اور اخلاق کے مختصر نصیحت آمیز جملات پر مشتمل ہے اور ہر جملہ "لطیفہ" اور "شریفہ" کے زیر عنوان درج ہوا ہے۔ ابتدا میں بارہ صفحات پر مشتمل ایک مفصل مناجات ہے۔ اصل متن اور موضوع اس مناجات کے بعد شروع ہوتا ہے۔

آغاز: ای رب ارباب! ارباب ارباب را ارباب! کرم گستاخی از مآب گنہ رہائی۔

---

[۱] لطائف شرایف، ص ۳۱، نسخۂ فقیر خانہ۔

ای عفو تیین عفو خود بیق۔ اثم مبین ما مبین۔ ای بادشاہ لم یزل:

اختتام: یاری کہ درو معرفتی نیست مگیر
کاری کہ درو منفعتی نیست مکن

۱۰۔ لمعات (فارسی نثر)

جناب ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے ذخیرۂ شیرانی، دانشگاہ پنجاب، لاہور کے دو مخطوطات (نمبر ۲/ ۲۰۰۵/۵۰۱۵ اور ۱۔ A/۳۵۰/ ۳۳۵۴/۲) کو بعنوان "لمعات" پیش کر کے لکھا ہے:

"اکثر مطالب از لامعہ شرح میثود و پروفیسور شیرانی (م ۱۹۴۶م) این را اثر مولانا جامی احتمال دادہ۔ مؤلف صفحہ ۸۷۵۔ قطعۂ تاریخ اینست:

بی دعوت فضل جامی ولاف ہنر در سلک بیان کشید این عقد گہر
آن لحظہ کہ شد تمام آورد بدر تاریخ مہ و سال وی از شہر صفر[۱]

مذکورہ بالا علائم، قطعۂ تاریخ اور خود دونوں مخطوطات دیکھنے سے ہمیں یہ پورا اطمینان حاصل ہوا ہے کہ درحقیقت یہ کتاب جامی کی "لوامع شرح قصیدۂ (میمیہ) خمریہ ازابن فارض ہے، جس کا مفصل ذکر صفحہ ۳۰۳ اور صفحہ ۳۸۶ پر گزر چکا ہے۔

۱۱۔ منتخب مثنوی مولوی (فارسی)

اس مثنوی انتخاب کا ایک قلمی نسخہ مشرقی مخطوطات کی سرکاری لائبریری، مدراس (بھارت) میں بذیل شمارہ ۱۵۸۰ موجود ہے[۲]۔

---

[۱] فہرست مخطوطات شیرانی ۵۰۱۲-۱۳۴۹ (عدد مسلسل)۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک مقالہ بعنوان "مخطوطات ذخیرۂ شیرانی کا اجمالی جائزہ" مندرج در "اورینٹل کالج میگزین" لاہور، شیرانی نمبر، جلد ۵۶، شمارہ ۳-۴، صفحہ ۱۲۵

(باقی صفحہ ۴۴۴ پر)

لیکن اس کی ابتدا اسی شعر سے ہوتی ہے جو جامی کے "نائیہ" کے شروع میں ہے یعنی "عشق جز نائی و ما جز نی نہ ایم" الخ۔ ہمارے خیال میں اس لائبریری کے فہرست نگار نے اسے غلطی سے "نائیہ" سے الگ رسالہ سمجھ لیا ہے۔

(بقیہ از صفحہ ۴۴۳)

میں بھی اس انتساب کا اعادہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں "لمعات جامی تالیف ۸۷۵ھ۔ پروفیسر شیرانی کی رائے میں واحد نسخہ ہے" حالانکہ خود ذخیرۂ شیرانی میں اس کے دو نسخے موجود ہیں۔

2 A descriptive Catalogue of the Islamic Manuscripts in the Govt : Oriental Manuscripts Library Madras, Vol : I. P—281

ایرج افشار: "یکی از آثار عبدالرحمٰن جامی" مقالہ مندرج در ماہنامہ "مہر" تہران، سال ہشتم، (۱۳۳۱ش) شمارہ ۱ص ۵۹۰۔ مقالہ نگار نے مخطوط کا نمبر ۱۵۷ لکھا ہے۔

پس نوشت

مولانا جامی کے مزید دو رسائل کے بارے میں علم ہوا ہے۔

۱۔ رسالہ فی اسرار علم التصوف (فارسی)

یہ رسالہ (جس کا مستقل نام کچھ اور ہونا چاہیے) ایک مقدمہ اور تین اصل پر مشتمل ہے۔
اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ بایزید ولی الدین (ترکی) کے مجموعۂ مخطوطات شمارہ ۱۸۲۵ ایں ورق ۳۲۵ تا ۳۳۵ موجود ہے۔ یہ رسالہ بخط نسخ بقلم صائن الدین نجندی ۸۵۱ھ میں بمقام ابرقوہ لکھا گیا۔ دیکھئے: فہرست میکروفیلمہای کتابخانۂ مرکزی و دانشگاہ تہران ۱: ۸۰۱، ۴۔

۲۔ منتخب چہار عنوان کیمیائے سعادت (فارسی)

جناب شمس بریلوی (معاصر) "نفحات الانس" کے اردو ترجمہ کے مقدمہ میں اس رسالہ کے بارے میں لکھتے ہیں:[1]

"کیمیائے سعادت کا عنوان اول شناختن نفس خویش، عنوان دوم شناختن حق تعالی عنوان سوم معرفت دنیا اور عنوان چہارم معرفت آخرت ہے۔ یہ چاروں عنوانات عنوان مسلمانی کے ذیل میں ہیں۔ اصل متن میں یہ چاروں عنوانات تقریباً ایک سو صفحات پر محتوی اور مشتمل ہیں حضرت جامی قدس سرہ نے ان کی تلخیص ۲۰ صفحات میں پیش کی ہے۔"[2]

---

[1] نفحات الانس اردو ترجمہ از حضرت شمس بریلوی با مقدمۂ مترجم، کراچی ۱۹۸۲، ص ۷۴-۷۵۔
[2] جناب بریلوی نے صفحات کا یہ تعین رسالہ کی تقطیع ۲۰×۳۰/۸ کے اعتبار سے کیا ہے۔

حضرت جامی نے اس تلخیص پر کوئی مقدمہ نہیں لکھا ہے۔ اصل کتاب کے مطالب کو آغاز ہی سے مختصر کرنا شروع کر دیا۔ بعض جملے اصل مصنف کے بعینہٖ نقل کر دیے ہیں۔ طرز بیان امام غزالی قدس سرہ کی طرح نہایت سادہ اور بے تکلف ہے، جس طرح امام غزالی قدس سرہ نے اپنی نثر کو اشعار کی آمیزش سے عاری رکھا ہے اسی طرح تلخیص میں بھی اشعار مفقود ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ حضرت جامی اشعار پیش کر کے اس کی ضخامت کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ دوسرے ان کو حضرت امام غزالی کے طرز بیان و اسلوب کی پابندی کا بھی خیال تھا ورنہ ان کی بہت کم نثری تصانیف ایسی ہیں جن میں حسن کلام یا زور بیان کے لئے اشعار پیش نہیں کئے ہوں۔

میرے خیال میں حضرت جامی قدس سرہ کیمیائے سعادت کی مکمل تلخیص کرنا چاہتے تھے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور ان کو اس کا موقع میسر نہ آسکا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ آپ کی آخری تالیف ہو۔ مجھے کسی کتاب میں منتخب چار عنوان کیمیائے سعادت کی تاریخ تالیف نہیں مل سکی نہ خود حضرت جامی قدس سرہ نے اس کی کہیں وضاحت کی ہے۔ حضرت جامی کی فہرست تصانیف و تالیفات میں اس تلخیص کا نام ضرور موجود ہے[1] الحمد اللہ کہ میرے سامنے یہ تلخیص مطبوعہ شکل میں موجود ہے ... اس تلخیص کے ساتھ کوئی مقدمہ نہیں ہے ... حضرت جامی نے عنوانات سہ گانہ کی تمام فصلوں کی جس طرح تلخیص کی ہے اس طرح وہ عنوان چہارم کی تمام فصلوں کی تلخیص نہ کر سکے اور یہ تلخیص ناتمام ہے .... یہ تلخیص تمام تر فارسی زبان میں ہے۔ حضرت جامی نے اس میں عربی

---

[1] جناب بریلوی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ زیر بحث رسالہ کا نام جامی کی فہرست مؤلفات میں شامل ہے مگر انہوں نے کسی مأخذ کی نشاندہی نہیں فرمائی۔ خود میری نظر سے کبھی اس تلخیص کا نام (سوائے اس مقدمہ کے) نہیں گزرا۔

زبان کی آمیزش نہیں ہونے دی حالانکہ ان کی دوسری تصانیف میں عربی عبارات بکثرت موجود ہیں .....'

تتمۂ تکملۂ آثارِ جامی

۱۔ سخنانِ خواجہ پارسا یا الحاشیۃ القدسیہ

رک : متن ص ۳۰۸ ، تکملہ ص ۳۷۳

جناب احمد منزوی نے "فہرست نسخہ ہای خطی فارسی" ۲ : ۱۱۳۶ میں مولانا جامی کے اسی رسالہ کا ذکر بہ عنوان "حواشی مؤلفات خواجہ محمد پارسا" کیا ہے اور لکھا ہے کہ خواجہ محمد پارسا کی بعض تالیفات کے حاشیے پر بزرگوں کے اقوال لکھے ہوئے تھے جنہیں جامی نے اس رسالہ میں یکجا کیا ہے۔

جناب منزوی کی مذکورہ تصریح صحیح نہیں ہے بلکہ یہ خود خواجہ محمد پارسا کے ملفوظات ہیں جو متفرق جگہوں پر لکھے ہوئے تھے اور جامی نے انہیں ایک جگہ جمع کیا ہے۔

جناب منزوی نے اس رسالہ کے ایک مخطوطہ بخط نسخ بقلم عبدالرحمٰن بن احمد جامی مورخہ ۸۷۷ھ مشمولہ کلیات جامی ص ۸۳-۸۷ کی نشاندھی کی ہے جو کتابخانۂ ملی، تہران میں موجود ہے۔ اس کلیات کا بخط جامی ہونا اور مذکورہ تاریخ کتابت محلِ نظر ہے۔

۲۔ شرح رباعیات جامی

رک : متن ص ۳۳۱ ، تکملہ ص ۳۸۰

اس شرح کا ایک مخطوطہ ایاصوفیا (ترکی) میں مجموعۂ رسائل شمارہ ۴۸۲۲ میں و . ق

۳۲۳ سے ۳۷۹ تک موجود ہے۔ یہ رسالہ محمود کاتب گیلانی قومنی نے بخط نستعلیق، ۱۲ رمضان ۸۷۶ھ میں دمشق میں لکھا۔ (دیکھئے فہرست میکروفیلمہای کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران ۱: ۶۶۷)۔

۳۔ نائیہ یا نی نامہ

رک: متن ص ۳۳۱ تکملہ ص ۳۸۹

یہ رسالہ دوسری دفعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ دیکھئے: نی نامہ تحشیہ و تعلیق از استاد خلیل اللہ خلیلی، باہتمام فقیر محمد خیر خواہ، از نشرات انجمن تاریخ و ادب افغانستان اکادمی، کابل، ۱۳۵۲ش/۱۹۷۳ء، ص ۱۵۸۔۱۶۵۔

۴۔ شق القمر

رک: تکملہ ص ۴۲۱

فہرست میکروفیلمہای کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران ۱: ۸۷۴ میں اسے بصراحت جامی کی تصنیف بنایا گیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ قول باری تعالیٰ "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ" (سورۃ القمر، آیت ۱) کے رموز کی تشریح پر مبنی ہے۔

اس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ بایزید ولی الدین (ترکی) کے مجموعہ مخطوطات شمارہ ۱۸۲۵ میں ورق ۳۱۵ سے ۳۲۴ تک موجود ہے۔ جامی کا یہ رسالہ (مجموعہ کے باقی رسایل کی طرح بخط نسخ بقلم صائن الدین خجندی سنہ ۸۵۱ھ میں) ۱۸ جمادی الاوّل میں بمقام ابرقوہ کتابت ہوا۔

جامی کا کتب خانہ

مولانا جامی کی تصانیف اور علمی مقام پر گفتگو کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذاتی کتب خانہ کا بھی ذکر کیا جائے۔ ایرانی فاضل جناب ہمایون فرخ نے مولانا کے کتب خانہ کے بارے میں لکھا ہے:

"ہرات میں اُن کا کتب خانہ خاص شہرت کا حامل تھا۔ مولانا کے کتب خانہ کے لئے کتابوں کی نقول کا کام مولانا کے بھانجے اور مشہور خوشنویس محمد نور[1] اور (اس عہد کے دیگر سربرآوردہ خطاط) سلطان علی مشہدی[2] اور سلطان محمد خندان[3] کے سپرد تھا۔ بالخصوص محمد نورؒ مولانا کی تصانیف کے نسخے تیار کرتے جو ایران، ہندوستان اور ترکی کے سلاطین اور امراء کے تقاضے پر انہیں بھیجے جاتے تھے۔

مولانا جامی کے کتب خانہ کے ایسے نسخے اب بھی موجود ہیں جن کے حواشی پر مولانا نے اپنے اشعار اور دیگر مطالب مرقوم کئے ہیں۔ ایسا ہی ایک نسخہ جناب ادیب برومند

---

[1]، [2]، [3] ان خوشنویسوں کے احوال و آثار کے لئے دیکھئے: مہدی بیانی: احوال و آثار خوش نویسان (نستعلیق نویسان) ۱: ۲۷۲-۸۰ (سلطان محمد نور)، ۲۴۱-۷۶ (سلطان علی مشہدی)، ۲۶۸-۷۲ (سلطان محمد خندان)۔

سلطان علی قائنی (م ۹۱۴ھ) کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ "جن دنوں وہ تبریز سے ہرات منتقل ہو کر میر علی شیر نوائی کے علم پرور دربار سے وابستہ ہوئے تو ان کی مولانا جامی سے ملاقات ہوئی جس کے بعد وہ مولانا کے ایسے معتقد ہوئے کہ تصانیفِ جامی کی کتابت کے علاوہ کوئی کام ہی نہ کرتے۔ اگر انہیں کسی دوسری کتاب کی کتابت کے لئے کہا جاتا تو وہ اتنا بھاری معاوضہ مانگتے کہ اسے ادا کرنا مشکل ہوتا تھا۔" احوال و آثار خوش نویسان ۱: ۲۳۶۔

کے ذاتی کتب خانہ (غالباً واقع تہران) میں پایا جاتا ہے جس کے اختتام پر جامی نے اپنے اشعار خود لکھے ہیں۔[1]

عمارات جامی

مولانا لاری لکھتے ہیں:

"دنیاوی کاموں اور آنحضرت (جامی) کے زیر کفالت لوگوں پر خرچ سے جو کچھ بچ جاتا آپ اسے نیکی والی عمارات پر صرف کر دیتے۔ جیسا کہ انہوں نے ہرات میں اندرون شہر ایک مدرسہ بنایا ہے اور خیابان میں ایک مدرسہ اور خانقاہ اور ولایت جام میں ایک جامع مسجد بنوائی ہے۔ انہوں نے اکثر املاک مدرسۂ خیابان کے نام وقف کی ہیں جو کہ آنحضرت (جامی) کے گھر کے پاس ہی ہے۔"[2]

مدرسۂ اندرون ہرات

اوپر ہرات میں اندرون شہر جس مدرسۂ جامی کا ذکر ہوا ہے۔ وہ اب بھی موجود ہے۔ اور ہرات (علاقہ ۴) کے محلہ برج خاکستر میں کوچۂ گذر مرغ فروشی میں واقع ہے۔[3] لوگ اسے "مدرسہ مخدومی" اور "مسجد مخدومی" کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کا رقبہ تقریباً تین سو مربع میٹر ہے۔

---

[1] رکن الدین ہمایون فرخ: کتاب و کتابخانہ ہای شاہنشاہی ایران ۲: ۱۲۲۳، محمد نیک پرور: کتابخانہ ہای استان خراسان از آغاز اسلام تا عصر حاضر: ۴۵۔

[2] تکملہ لاری: ۲۰۔

[3] فکری سلجوقی نے اس کا محل وقوع محلۂ کشمیریاں نزد بازار عراق پرانا شہر علاقہ ۳ بتایا ہے اور اسکی دوبارہ آبادی کا بھی ذکر کیا ہے۔ تعلیقات بر رسالۂ مزارات ہرات: ۱۷۹۔

کچھ عرصہ پہلے تک یہ مدرسہ بالکل ویران تھا. کیونکہ اس کے گرد و نواح میں یہودیوں کے گھر تھے اور انہیں ڈر تھا کہ اگر اس مسجد میں لوگوں کا آنا جانا شروع ہوگیا تو اُن سے تعرض کیا جائے گا لہٰذا وہ اس کی تعمیر و مرمت میں روڑے اٹکاتے رہے. لیکن ۱۳۲۹ شمسی میں قندھار کے ایک مخیر شخص نے مدرسہ کے ساتھ ایک یہودی کا گھر خرید لیا اور مدرسہ کی از سرِ نو تعمیر و مرمت شروع کی. مدرسہ میں واقع پرانا کنواں جو خشک پڑا تھا اسے صاف کروایا. نہ صرف یہ بلکہ اس کے شمال میں ایک شبستان کی بنیاد رکھی اور جنوب کی طرف دروازے اور کھڑکیوں کے بغیر ایک برامدہ تعمیر کیا.

مولانا جامی کا عبادت خانہ (جسے وہاں لوگ چلّہ خانہ کہتے ہیں) بھی مدرسہ کے جنوب میں واقع ہے. اب اس مدرسہ (مسجد) کی ظاہری حالت غریبِ شہر کی طرح ہے.[1]

مدرسۂ بیرونِ ہرات

جامی نے جو بیرونِ شہر (خیابان میں) مدرسہ بنوایا تھا. غیاث الدین خواندمیر ہروی نے "خلاصۃ الاخبار فی احوال الاخیار" (تألیف در ۹۰۴ھ) کے خاتمہ میں اس کے بارے میں لکھا ہے:

"حضرت مخدومی حقایق پناہی نور اللہ مرقدہٗ کا مدرسہ جو صفائی اور خوشگوار آب و ہوا سے متصف اور معروف ہے اس کا انتظام مقرب الحضرت سلطانی (یعنی امیر علی شیر نوائی) کے پاس ہے."[2]

لیکن بظاہر اب اس مدرسہ کے آثار باقی نہیں ہیں.[3]

---

[1] تعلیقات تکملۂ لاری، ۹۵-۶۰۔ [2] بحوالۂ تعلیقات بر رسالۂ مزارات ہرات: ۱۸۸۔
[3] تعلیقات بر تکملۂ لاری: ۶۰

فہرست مأخذ و منابع

(۱)

ذیل میں ان کتب کی فہرست درج ہے جن سے مؤلّف (حکمت) نے استفادہ کیا ہے۔ مؤلّف نے اپنے مطبوعہ مأخذ کا اہتمام کے ساتھ ذکر نہیں کیا البتہ مخطوطات کی تصریح کر دی ہے، جن کتب کے آگے (مطبوعہ یا مخطوط ہونے کی) وضاحت نہیں ہوئی ہے درحقیقت وہ بھی مطبوعہ ہیں۔

ابن خلکان : احمد بن ابراہیم

وفیات الاعیان، جلد ۲۔

ابن سینا، ابوعلی حسین

اشارات۔

ابوالفرج اصفہانی

الاغانی، جلد ۲۔

اگوسٹ بریکتو Auguste Bricteus

مثنوی "سلامان و ابسال" از جامی کے فرانسیسی ترجمہ پر مقدمہ، مطبوعہ پیرس، ۱۹۱۱ء۔

ایڈورڈ۔ جی۔ براؤن Edward G. Browne

A Literary History of Persia, Vol : III

اسفزاری، معین الدین محمد زمجی

روضات الجنات فی اوصاف مدینہ ہرات۔

بایقرا، سلطان حسین میرزا

مجالس العشاق۔[1]

تذکرۂ کرمی

تورات

جامی، نورالدین عبدالرحمٰن

۱۔ بہارستان۔ ۲۔ تحفۃ الاحرار۔ ۳۔ حلیۂ حلل۔ ۴۔ خرد نامۂ اسکندری۔

۵۔ دیوان جامی۔ ۶۔ سلامان و ابسال۔ ۷۔ سلسلۃ الذہب۔ ۸۔ لوائح۔ ۹۔ لیلیٰ و مجنون۔

۱۰۔ منشآت جامی۔ ۱۱۔ نفحات الانس۔ ۱۲۔ یوسف و زلیخا۔

خواندمیر، غیاث الدین

حبیب السیر، جلد سوم جز سوم۔

خوانساری، ملا محمد باقر

روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات۔

رازی، ابوالفتوح

تفسیر ابوالفتوح رازی، جلد سوم، تہران۔

سام میرزا صفوی

تحفۂ سامی، چاپ ارمغان۔ تہران۔

سفر نامۂ تاجر ایطالیانی۔

سمرقندی، دولت شاہ

تذکرۃ الشعراء

[1] اس کتاب کے اصل مصنف کی نشاندہی ہم نے صفحہ ۴۶۷ پر کی ہے۔

سمرقندی، کمال الدین عبدالرزاق

مطلع السعدین، وقائع ۸۱۵ھ (جلد دوم، جز اول)۔

سنبھلی، میر حسین دوست

تذکرہ حسینی۔

شوشتری، قاضی نور اللہ

مجالس المؤمنین۔

صفی، فخر الدین علی بن حسین کاشفی

۱۔ رشحات عین الحیات : مخطوطہ مخزونہ کتابخانۂ علی اصغر حکمت، تہران۔

۲۔ لطایف الطوائف : مخطوطہ مخزونہ کتابخانۂ عباس اقبال تہران۔

طاش کبری زادہ، احمد مصطفےٰ

الشقائق النعمانیہ فی احوال علماء الدولۃ العثمانیہ۔ مطبوعہ مصر، ۱۳۱۰ھ

طوسی، نصیر الدین

شرح بر اشارات ابن سینا۔

فلانڈر پیٹری Sir Flinders Petrie

تاریخ مصر۔

فریدون بیگ

منشآت فریدون بیگ، جلد ۱، مطبوعہ استنبول۔

قیس

دیوان قیس، مطبوعہ تہران۔

لاری، عبدالغفور

حواشی (وتکملہ) نفحات الانس، مخطوطہ مکتوبہ ۱۰۲۶ھ، مخزونہ کتب خانہ عباس اقبال آشتیانی۔ تہران۔

لاری، مصلح الدین

مرآت الادوار

لووی، شیر علی

مرآت الخیال۔ مطبوعہ بمبئی۔

مارٹن، الیف۔ آر : F. R. MARTIN
THE MINIATURE PAINTING AND PAINTERS OF PERSIA, INDIA AND TURKEY.

مجلسی، محمد تقی

شرح من لایحضر الفقہ۔

منجم باشی

صحائف الاخبار۔

ناسولیس V. Nassau Lees (1825-1889)

نفحات الانس از جامی پر انگریزی مقدمہ۔ مطبوعہ کلکتہ۔

نوائی، علی شیر

۱۔ خمسۃ المتحیرین (ترکی)، حکمت نے محمد نخجوانی کے فارسی ترجمہ (غیر مطبوعہ) سے استفادہ کیا۔

۲۔ مجالس النفائس۔

ہدایت، رضا قلی خان

مجمع الفصحاء (مادۂ ہاتفی)۔

ہروی، عبیداللہ بن ابوسعید

رسالۂ مزارات ہرات، مطبوعہ ہرات ۱۳۱۰ھ و مخطوطہ مکتوبہ ۵ شعبان ۱۱۹۸ھ

در ہرات ۔

یدا اے گدار : Yeda A, Godard

مقالہ در مجلہ : Athar-e-Iran Tom/I, Fas I. 1936.

فہرست مأخذ و منابع

(۲)

ذیل میں ان مطبوعات اور مخطوطات کی فہرست درج ہے جن سے مترجم (نوشاہی) نے استفادہ کیا ہے۔

اُردو

ابن کثیر، حافظ ابوالفدا اسماعیل ابن عمر القرشی الدمشقی

تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ) جلد ۴ (سورۂ قصص) کراچی۔ نور محمد کارخانۂ تجارت کتب۔

ابوزہرہ مصری

اسلامی مذاہب (ترجمۂ مذاہب الاسلامیہ)، ترجمہ غلام احمد حریری، لائل پور۔

اختر راہی

تذکرۂ مصنفینِ درسِ نظامی، لاہور، مکتبۂ رحمانیہ ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء طبع دوم۔

محمد اکرام، شیخ

رود کوثر، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۷۰ء

برنی سید حسن

تمہید بر "قران السعدین" از خسرو دہلوی، علی گڑھ، سلسلہ کلیات خسرو، مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج، ۱۹۱۸ء

بیدری، سید محمد

مدرسہ محمود گاوان بیدر (پمفلٹ) کراچی، مکتبہ زبیریہ ۱۳۹۴ھ

توکلی، محمد نور بخش

تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ (مع تکملہ از محمد صادق قصوری) لاہور، نوری بک ڈپو، ۱۹۷۶ء

جمالی دہلوی، حامد بن فضل اللہ

سیر العارفین اُردو ترجمہ از محمد ایوب قادری، لاہور، مرکزی اُردو بورڈ، ۱۹۷۶ء

جیراج پوری، محمد اسلم

حیاتِ جامی، دہلی، مکتبۂ جامی، تاریخ ندارد۔

رضوی، سرفراز علی

مخطوطات انجمن ترقی اُردو (عربی۔ فارسی) اجمالی فہرست کراچی، انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۶۷ء

شمس بریلوی

مقدمہ بر "نفحات الانس"، اردو ترجمہ، کراچی۔ ۱۹۸۲ء۔

فیروز الدین، مولوی

فیروز اللغات (فارسی بہ اُردو) لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ، تاریخ ندارد۔

مُحمد شفیع، مفتی

معارف القرآن، جلد ششم، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

عبدالرحیم

لباب المعارف العلمیہ، فہرست مکتبہ علوم مشرقیہ اسلامیہ کالج صوبہ سرحدی (پشاور)،

ج ۲، لاہور، ۱۳۵۷ھ۔

قادری، حکیم سید شمس اللہ

تاریخ زبان اُردو یعنی اُردوئے قدیم، لکھنو، مطبع منشی نول کشور، ۱۹۳۰ء طبع دوم۔

نوشاہی، سید شریف احمد شرافت

شریف التواریخ، ج ۱، ساہن پال شریف، ضلع گجرات، ادارۂ معارف نوشاہیہ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

عربی

حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ

کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، استنبول،

ناشر: MILLI EGITIM BASIMEVI المجلد الاول ۱۹۷۱م، المجلد الثانی ۱۹۷۲ء

طرازی، نصر اللہ مبشر

نور الدین عبدالرحمٰن الجامی، فہرس بمؤلفاتہ المخطوطۃ والمطبوعۃ التی تقتنیھا الدار۔ قاہرہ، دار الکتب، ۱۹۶۴م۔

کحالہ، عمر رضا

معجم المؤلفین (تراجم مصنفی الکتب العربیہ) دمشق، مطبعۃ الترقی، طبع بنفقہ رفعت رضا کحالہ۔ الجزء الخامس، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸م، الجزء الحادی العشر ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰م، الجزء الثالث العشر ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱م۔

فارسی

آذر بیگدلی، حاجی لطف علی بیگ

آتشکدہ (تالیف در ۱۱۷۴-۱۱۹۳ق). باہتمام حسن سادات ناصری، تہران، موسسہ مطبوعاتی امیرکبیر، ۱۳۳۶ش۔

ابن سینا، ابو علی حسین بن عبداللہ

اشارات وتنبیہات، ترجمہ فارسی احسان یار شاطر، تہران، انجمن آثار ملی ۱۳۷۳ق

اختر راہی

تراجم کتب فارسی بزبانہای پاکستانی۔ مسودہ در کتابخانہ شخصی مؤلف در لوہسر شرفو۔ نزد واہ، ضلع راولپنڈی۔

اسفزاری، معین الدین محمد زمچی

روضات الجنات فی اوصاف مدینۂ ہرات۔ با تصحیح و حواشی و تعلیقات سید محمد کاظم امام،
تہران، دانشگاہ تہران، جلد اوّل ۱۳۳۸ش، جلد دوم ۱۳۳۹ش۔

افشار، ایرج

فہرست مقالاتِ فارسی۔ جلد اوّل، تہران، شرکت سہامی کتابہای جیبی با ہمکاری
مؤسسہ انتشارات فرانکلین، ۱۳۴۸ش جلد دوم، تہران، دانشگاہ تہران،
۶۹۷/۲، شمارہ مسلسل ۱۴۰۲، ۱۳۴۸ش۔

بایقرا، سلطان حسین میرزا۔ گازرگاہی، کمال الدین حسین

براؤن، ایڈورڈ جی Edward G. Browne

A Literary History of Persia, Vol : III

ترجمہ بعنوان "از سعدی تا جامی" ترجمہ و حواشی بقلم علی اصغر حکمت، تہران، کتابخانۂ
ابن سینا، ۱۳۳۹ش/۱۹۶۰م، چاپ دوم۔

بشیر حسین، محمد

فہرست مخطوطات شیرانی، لاہور، ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب،
جلد دوم ۱۹۶۹، جلد سوم ۱۹۷۳ء

بہار، محمد تقی

سبک شناسی یا تاریخ تطور نثر فارسی۔ جلد سوم، تہران، کتابہای پرستو، ۱۳۴۹ش
چاپ سوم۔

بیانی، مہدی

احوال و آثار خوش نویسان، نستعلیق نویسان، بخش اوّل، تہران، دانشگاہ تہران، شمارہ

۱/ ۱۰۵٤، ۱۳٤۵ش.

جامی، نورالدین عبدالرحمن

۱۔ انشای جامی، کانپور، مطبع احمدی، ۱۳۰۸ق.

۲۔ بهارستان، تهران، کتابفروشی مرکزی، چاپ افست (نسخهٔ اصل چاپ وین)، ۱۳٤۰ش.

۳۔ (کلیات) دیوانِ جامی، نسخهٔ خطی درکتابخانهٔ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان دراسلام آباد، شمارهٔ نسخه ۱۰۲۵.

۴۔ دیوانِ جامی، باہتمام حسن پژمان (تهران)، کتابفروشی حسین محمودی، تاریخ چاپ ندارد.

۵۔ سررشتهٔ طریقهٔ خواجگان، با مقدمه و تصحیح و تعلیق عبدالحی حبیبی (کابل)، انجمن جامی، ۱۳٤۳ش.

۶۔ لوایح، لاہور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۸م (چاپ افست نسخهٔ خطی با ترجمهٔ انگلیسی وینفیلد و میرزا محمد قزوینی).

۷۔ نائیه (بانضمام نی نامه یعنی رسالهٔ نائیه مولانا یعقوب چرخی)، با مقدمه و تحشیه و تعلیق استاد خلیلی، کابل، کابل رادیو، نمبر مسلسل ۹، ۱۳۳۶ش.

۸۔ نفحات الانس من حضرات القدس، لاہور، شیخ الٰہی بخش اینڈ سنز، ۱۳۴۵ھ، تهران کتابفروشی محمودی، ۱۳۳۷ھش، بتصحیح و مقدمه و پیوست مهدی توحیدی پور.

۹۔ نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص. با مقدمه و تصحیح و تعلیقات ویلیام چیتک و پیشگفتار سید جلال الدین آشتیانی، تهران، انجمن شاهنشاهی فلسفهٔ ایران، شماره ۱۷، ۱۳۹۸ھ.ق.

۱۰۔ مثنوی هفت اورنگ (شامل: سلسلة الذهب، سلامان وابسال، تحفة الاحرار،

سبحۃ الابرار، یوسف و زلیخا، لیلی و مجنون، خرد نامۂ اسکندری)، بتصحیح و مقدمہ آقا مرتضیٰ مدرس گیلانی، تہران، کتابفروشی سعدی، چاپ دوم، تاریخ چاپ ندارد (حدود ۱۳۵۱ھ ش).

حسین نایل

فہرست کتب چاپی دری افغانستان، کابل، انجمن تاریخ افغانستان، نمبر مسلسل ۱۲۰، ۱۳۵۶ش.

حکمت، علی اصغر

۱۔ از سعدی تا جامی۔ رک: براؤن، ادوارد۔

۲۔ جامی، تہران، چاپخانۂ بانک ملّی ایران، ۱۳۲۰ھ ش۔

خالدہ صدیق

تہیہ نسخ خطی فارسی موجود در کتابخانہ ہای لاہور (پاکستان) و نظر انتقادی بر پارہ ای از نسخ مزبور — پایان نامہ برای دریافت دکتری ادبیات در زبان فارسی۔ دانشکدۂ ادبیات و علوم انسانی دانشگاہ تہران، سال تحصیلی ۴۷-۱۳۴۶ش، نسخۂ ماشین شدۂ این تردد کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد شمارہ ثبت ۷۶۵۰ قسمت کتب چاپی۔

خواندمیر، غیاث الدین بن ہمام الدین حسینی

حبیب السیر فی اخبار افراد البشر، تہران، کتابخانۂ خیام، جلد سوم و چہارم، ۱۳۳۳ش۔

خوشگو، بندرابن داس

سفینۂ خوشگو (در ۱۱۳۷-۱۱۴۷ھ ق) جلد دوم، نسخۂ خطی در کتابخانۂ

دانشگاهِ پنجاب، لاہور۔[1]

خیامپور، عبدالرسول

فرہنگ سخنوران، تبریز، چاپخانۂ شرکت سہامی چاپ کتاب آذربایجان، آبانماہ ۱۳۴۰ھ.ش.

دانش پژوه، محمد تقی

۱۔ فہرست کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران

ج ۱۳۔ تہران، دانشگاہ تہران، شمارہ ۶۹۹، ۱۳۴۰ھ.ش.

ج ۱۴ ,, ,, شمارہ ۷۲۲، ۱۳۴۰ھ.ش.

۲۔ فہرست میکروفیلمہای کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ تہران، تہران، دانشگاہ تہران، شمارہ ۱۲۵۹، ۱۳۴۸ھ.ش.

دفتر کتب خانہ اسعد افندی ایا صوفیہ، استنبول۔ تاریخ ندارد۔

دفتر کتب خانہ سلیمانیہ۔ استنبول۔ ۱۳۱۱ھ۔

دہلوی، عبدالحق

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، دیوبند، کتب خانہ رحیمیہ، ۱۳۳۲ھ۔

دہلوی، غلام علی

مقامات مظہری، دہلی، ۱۲۶۹ھ۔

رازی، ابوالفتوح

تفسیر ابوالفتوح رازی۔ باتصحیح آقا مہدی الٰہی قمشہ، ج ۵ (اعراف تا یوسف)،

---

[1] بحوالہ مقدمۂ سید حسام الدین راشدی بر مثنوی مہرو ماہ از جمالی، ص ۷۲۔

تہران، بسرمایۂ شرکت تضامنی علمی، چاپ دوم، ۱۳۶۱ھ.ق/۱۳۲۱ھ ش.

راشدی، پیر سید حسام الدین

مقدمہ بر مثنوی "مہر و ماہ" از جمالی دہلوی، راولپنڈی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و
پاکستان، ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء

سام میرزا صفوی

تذکرۂ تحفۂ سامی، تصحیح و مقدمہ از رکن الدین ہمایون فرخ، (تہران)، انتشارات
علمی. تاریخ ندارد.

سمرقندی، کمال الدین عبدالرزاق بن جلال الدین اسحاق

مطلع سعدین و مجمع بحرین، جلد دوم جزء اول، بتصحیح محمد شفیع، لاہور، ۱۳۶۵ھ/
۱۹۴۶ء

سنبھلی، میر حسین دوست

تذکرۂ حسینی، لکھنو.

شرح قصیدۂ بردہ (از نامعلوم) مخطوطہ مخزونہ کتابخانۂ گنج بخش، راولپنڈی،
شمارہ مخطوطہ ۳۹۱۹.

محمد شفیع، مولوی

مقالات مولوی محمد شفیع، مرتبہ احمد ربانی، ج ۳. لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۴ء

صدیقی، محمد زبیر

مقدمہ بر "تاریخ نامۂ ہرات"، تألیف سیف بن محمد بن یعقوب ہروی، کلکتہ،
مطبع بپتست مشن، ۱۹۴۳ء.

صفا، ذبیح اللہ

۱۔ تاریخ ادبیات در ایران

ج ۳ بخش اوّل، تہران، دانشگاہ تہران، چاپ دوم ۱۳۵۲ھ.ش.

ج ۳ بخش دوم ایضاً، ۱۳۵۲ھ.ش.

ج ۴ ایضاً، ۲۵۳۶ شاہنشاہی (۱۳۵۶ھ.ش).

۲۔ یادنامۂ خواجہ نصیرالدین، تہران.

صفی، فخرالدین علی بن حسین کاشفی

۱۔ رشحات عین الحیات، باتصحیح علی اصغر معینیان، در دو جلد، تہران ۲۵۳۶ شاہنشاہی (۱۳۵۶ھ.ش).

۲۔ لطائف الطوائف، بسعی واہتمام احمد گلچین معانی، شرکت نسبی حاج محمد حسین اقبال و شرکاء، تہران، ۱۳۳۶ھ.ش.

فصیحی خوافی، فصیح احمد بن جلال الدین محمد

مجمل فصیحی، بتصحیح وتحشیہ محمود فرخ، جلد سوم، مشہد، کتابفروشی باستان مشہد (۱۳۳۹ھ.ش).

فکری سلجوقی

رسالۂ مزارات ہرات (شامل سہ رسالہ: ۱۔ مقصدالاقبال سلطانیہ تألیف امیر سید عبداللہ الحسینی معروف باصیل الدین واعظ ہروی. ۲۔ رسالۂ دوم تألیف مولانا عبیداللہ بن ابوسعید ہروی. ۳۔ رسالۂ سوم تألیف اخند زادہ ملا محمد صدیق ہروی معلم حفاظ). بتصحیح وحواشی فکری سلجوقی، کابل پبلشنگ انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۶۷ء.

قانع تتوی، میر علی شیر

تذکرۂ مقالات الشعراء، بامقدمہ وتصحیح وحواشی سید حسام الدین راشدی، کراچی،

سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۷ء

قزوینی، عبدالنبی فخرالزمانی

تذکرۂ میخانہ، باہتمام احمد گلچین معانی، تہران، شرکت نسبی حاج محمد حسین اقبال و شرکاء، ۱۳۴۰ھ ش.

قوچانی، عزیز اللہ عطاردی

مخطوطات فارسی در مدینہ منورہ، ایران، چاپخانۂ حیدری، ۱۳۴۶ھ ش.

گازرگاہی طبسی، کمال الدین حسین بن شہاب

مجالس العشاق، کانپور، مطبع نول کشور، ۱۸۹۷ء

(یہی کتاب غلط طور پر سلطان حسین بایقرا سے منسوب کی جاتی ہے).

گوپاموی ہندی، محمد قدرت اللہ

کتاب تذکرۂ نتائج الافکار، بمبئی، اردشیر بنشاہی خاضع، ۱۳۳۶ھ ش.

لاری، رضی الدین عبدالغفور

تکملۂ حواشی نفحات الانس. بہ تصحیح و مقابلہ و تحشیہ بشیر ھروی، (کابل) انجمن جامی، ۱۳۴۳ھ ش.

لاہوری، غلام سرور

خزینۃ الاصفیاء. ج ۱، کانپور، مطبع منشی نول کشور، (۱۹۱۴ء) بار سوم.

لودی، شیر علی خان

تذکرۂ مرآت الخیال. بمبئی، بسعی و اہتمام میرزا محمد ملک الکتاب شیرازی، ۱۳۲۴ھ.

مبلغ، محمد اسمٰعیل

جامی و ابن عربی. (کابل)، انجمن جامی، ۱۳۴۳ھ ش.

محمد داراشکوه

سفینۃ الاولیاء ۔ کانپور، مطبع نول کشور، ۱۸۸۴ء

محمود گاوان، عماد الدین محمود گیلانی

ریاض الانشاء ۔ مخطوط در کتابخانۂ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۔

اسلام آباد، شمارہ مخطوطہ ۳۹۱۲ ۔

مشار، خانبابا

۱۔ فہرست کتابہای چاپی فارسی ۔

ج ۲ (ث ۔ ژ) تہران، چاپخانۂ ارژنگ، ۱۳۵۱ھ ش ۔

ج ۳ (س ۔ ق) ۔ ایضاً ۔ ۱۳۵۲ھ ش ۔

ج ۴ (ک ۔ م) ۔ ایضاً ۔ ۱۳۵۳ھ ش ۔

ج ۵ (ن ۔ ی) ۔ ایضاً ۔ ۲۵۳۵ شاہنشاہی (۱۳۵۵ھ ش) ۔

۲۔ مؤلفین کتب چاپی فارسی و عربی

ج ۲ (ب ۔ ح)، تہران، ۱۳۴۰ شمسی ۔

ج ۵ (ک ۔ محمدیہ)، تہران، ۱۳۴۳ شمسی ۔

معمایی، میر حسین

دستور معما ۔ مخطوط در کتابخانۂ گنج بخش، اسلام آباد، شمارہ مخطوطہ ۰۱۶۰ ۔

منزوی، احمد

۱۔ فہرست نسخہ ھای خطی فارسی

ج ۱۔ بخش اول، تہران، مؤسسہ فرہنگی منطقۂ ی، ۱۳۴۹ھ ش ۔

ج ۲ ۔ ایضاً ۔ ۱۳۵۰ھ ش ۔

ج ۴۔ تہران، موسسہ فرہنگی منطقہ ای ۱۳۵۱ھ.ش.

ج ۵۔ ایضاً۔ ۱۳۵۱ھ.ش.

۲۔ فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانۂ گنج بخش (فارسی). ج ۳۔ اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۰ء۔

۳۔ فہرست مشترک پاکستان۔ زیر طبع از طرف مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد۔

مہری دخت بشارت

فہرست رسالہ ھای تحصیلی دانشگاہ تہران۔ ج ۱ (دورہ ہای لیسانس دانشکدۂ ادبیات وعلوم انسانی) زیر نظر بنی آدم، تہران، کتابخانۂ مرکزی و مرکز اسناد، ۱۳۵۶ھ.ش.

نعیمی، علی احمد

تاریخ ادبیات افغانستان، مقالۂ قسمت سوم۔ (کابل)۔

نفیسی، سعید

تاریخ نظم ونثر در ایران و در زبان فارسی تا پایان قرن دہم۔ ج ۱، تہران، کتابفروشی فروغی، ۱۳۴۴ھ.ش.

نوشاہی، سید عارف

۱۔ فہرست کتابہای چاپی فارسی در شبہ قارۂ پاکستان و ہند۔ (زیر تالیف)

۲۔ فہرست نسخہ ھای خطی فارسی موزۂ ملی پاکستان در کراچی۔ اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۸۳ء۔

واحدی، جوزجانی، محمد یعقوب

امیر علی شیر نوائی فانی، کابل، انجمن تاریخ، ۱۳۴۶ھ.ش۔

وزارت اطلاعات ونشریات افغانستان

تجلیل پنجصد و پنجاھمین سال تولد نور الدین عبدالرحمن جامی (مجموعۂ مقالات بزبان فارسی و پشتو) کابل، وزارت اطلاعات ونشریات افغانستان، ۱۳۴۴ھ.ش۔

ویلیام چیتک William C. Chittick

مقدمہ بر "نقد النصوص فی شرح الفصوص" از جامی، تہران، انجمن شاہنشاہی فلسفۂ ایران، ۱۳۹۸ھ۔

ہدایت، رضا قلی خان

۱۔ تذکرۂ ریاض العارفین، بکوشش مہر علی گرگانی، تہران، کتابفروشی محمودی ۱۳۴۴ھ.ش۔

۲۔ مجمع الفصحاء، بکوشش مظاہر مصفا، مجلد دوم، بخش اول، تہران، مؤسسہ چاپ وانتشارات امیر کبیر، ۱۳۳۹ھ.ش۔

هروی، بشیر

تعلیقات بر "تکملۂ حواشی نفحات الانس" از رضی الدین عبدالغفور لاری، کابل، انجمن جامی ۱۳۴۳ھ.ش۔

ہمایونفرخ، رکن الدین

کتابخانہ ہای شاہنشاہی ایران، ج ۲ (تاریخچۂ کتابخانہ ہای ایران از صدر اسلام تا عصر کنونی) تہران، وزارت فرہنگ وہنر، ۱۳۴۷ھ.ش۔

یوگنی ادوارد وویچ برتلس

"تصوف وادبیات تصوف" ترجمہ سیروس ایزدی، تہران، امیر کبیر ۲۵۳۶ شاہنشاہی۔

جرائد

۱۔ آریانا (فارسی) نشریۂ انجمن تاریخ افغانستان، کابل۔

جلد ۲۲، شمارہ ۳-۴۔ مقالۂ محمد اسماعیل مبلغ بعنوان "نقد فلسفہ از جامی"۔

ج ۲۲، ش ۹-۱۰۔ مقالۂ محمد ابراہیم خلیل بعنوان "شرارۂ عشق"۔

ج ۲۴، ش ۳-۱۰۔ مقالۂ محمد اسماعیل مبلغ بعنوان "آفرینش نو ازنگاہِ جامی"۔

ج ۲۶، ش ۴۔ علی رضوی مقالہ بعنوان "فہرست بیست و پنج سالۂ مجلہ آریانا"۔

ج ۲۸، ش ۴۔ ص ۸۸ معرفی کتاب "اشعار نایاب جامی"۔

ج ۳۳، ش ۳۔ مقالہ گہر بخ بعنوان "مکاتیب جامی"۔

۲۔ آیندہ (فارسی) تہران۔ سال ششم، شمارہ ۷-۸ (مہر۔ آبان ۱۳۵۹ ھ۔ش)۔

۳۔ راہنمای کتاب (فارسی)۔ تہران، سال پنجم، شمارہ ۲ (اردی بہشت ۱۳۴۱ ھ ش)۔

۴۔ کتابداری (فارسی) تہران، شمارہ ۲۹ دفتر ہشتم (۱۳۶۰ ش) مقالۂ پوراندخت و خلیل شیرازی بعنوان "فہرست مقدماتی رسالہ ہای دکترای دانشکدۂ ادبیات و علوم انسانی" (دانشگاہ تہران۔ تہران)۔

۵۔ نورِ اسلام (اُردو)، شرقپور، ضلع شیخوپورہ۔ جلد ۲۴، شمارہ ۳-۴ (مارچ۔اپریل ۱۹۷۹ء)۔ اولیائے نقشبند نمبر حصہ اوّل، مقالۂ محمد اختر چیمہ، مترجمہ سید عارف نوشاہی بعنوان "حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی بخاری"۔

انگریزی

ARBERY, A.J,

Catalogue of the Library of The India Office, Vol. II, Part VI, Persian Books, London, Printed by order of The Secretary of State for India, 1937.

ETHE, HERMANN

Catalogue of Persian Manuscripts in The Library of the India Office, Vol : I, Revised and Completed by Edward Edwards, Published by order of The Secretary of State for India in Council at The Clarendon Press, Oxford, 1937.

RIUE, CHARLES

Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum Published by The Trustees of the British Museum, Vol. II, Oxford, 1966.

——— A Descriptive Catalogue of The Islamic Manuscripts in the Govt : Oriental Manuscripts Library Madras, Vol. I, Madras, 1939,

اشاریہ

رجال و نساء

ض

ط

ظ

ع

ق

ھ

ی

اماکن

براعظم، ممالک، علاقے، شہر، دیہات، محلّے

ی

باغات

دریا

معابد

مقابر

اشاعتی ادارے

تدریسی ادارے

چھاپہ خانے

عجائب خانے

علمی ادارے

کتب خانے

یہاں صرف جامی کی (متفق علیہ اور اُن سے منسوب) کتب کا اشاریہ دیا گیا ہے اور ان صفحات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں ان کتابوں کا بطور خاص ذکر ہوا ہے۔

Published by
REZA PUBLICATIONS, LAHORE

IRAN - PAKISTAN INSTITUTE OF PERSIAN STUDIES - ISLAMABAD

Publication No: 66

Price Rs. 45 -

JAMI

A COMPREHENSIVE RESEARCH ON THE
LIFE AND WORKS OF THE GREAT PERSIAN POET

NOOR-UD-DIN ABDUL REHMAN JAMI

(1414 - 1492 A.D.)

●

BY

ALI ASGHAR HIKMAT

Translation, Notes and a Supplement by

S. ARIF NAUSHAHI

●

Published by

REZA PUBLICATIONS, LAHORE

●

**IRAN - PAKISTAN INSTITUTE OF
PERSIAN STUDIES - ISLAMABAD**

●

1983